نعت رنگ
صبیح رحمانی

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

مدیر:

صبیح رحمانی

معاونت:

رشید وارثی — عزیز احسن

سیّد معراج جامی — انور حسین صدیقی

نعت رنگ	شمارہ ۳
اشاعت اول	ستمبر ۱۹۹۶ء
قیمت	۱۵۰ روپے
کمپوزنگ	میڈیا کمپوزنگ سروس فون 2634334
سرورق	رشید صدیقی
تصحیح کتابت	مولانا شاہ محمد تبریزی
جلد سازی	رحمت علی بک بائنڈنگ، ناظم آباد نمبر ۲
بہ اشتراک	طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی
ناشر	اقلیم نعت
تقسیم کار	پنجاب بک ہاؤس اردو بازار کراچی
"	مکتبۂ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور

مدیر و پبلشر صبیح رحمانی نے

ایس اے اے پرنٹرز سے چھپوا کر صدر دفتر اقلیم نعت

۲۵۔ ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹس فیز ۵ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰

پاکستان سے جاری کیا۔

اُردو نعت

کے

عناصرِ خمسہ

حضرت محسنؔ کاکوروی ؒ

حضرت امیر مینائی ؒ

مولانا الطاف حسین حالیؔ ؒ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی ؒ

اور

علامہ محمد اقبال ؒ

کے نام

دھنک

مقالات

فیچر

فکر و فن

مطالعاتِ نعت

حریمِ حرف

خاکہ

منظوم تراجم

مدحت

حمد

تو خالق ہر عالم کا یاحیؔ و یا قیومؔ
ہر پل تیرا رنگ نیا یاحیؔ و یاقیومؔ

تو ظاہر بھی باطن بھی یا باری یا فتاحؔ
سب میں بس کر سب سے جدا یا حیؔ و یاقیومؔ

تو ہے نور ارض و سما یا قادر یا قدوسؔ
نور نور سے اپنے راہ دکھا یا حیؔ و یا قیومؔ

نور ترا ہے طاق کے اندر جلتا ایک چراغ
یا اک تارا ہیرے سا یا حیؔ و قیومؔ

تو حنان ہے تو منان ہے تو رحمٰن و رحیم
احسن تیرے سب اسماء یا حیؔ و یاقیومؔ

پیدا کر کے انساں کو دی قرآں کی تعلیم
بخشے تو نے نطق و نوا یا حیؔ و یا قیومؔ

تو نے فلک کو رفعت دی اور قائم کی میزان
تو ہے ملیکِ روز جزا یا حیؔ و یا قیومؔ

تو نے زمیں کا فرش بچھا کر اس کو کیا سرسبز
تو ہے کفیل نشوونما یا حیؔ و یا قیومؔ

وصف کہاں تک لکھے تیرے تائبؔ ہیچ مدان
کیا وہ اور کیا اس کی ثنا یا حیؔ و یا قیومؔ

حفیظ تائبؔ

آغاز ربِ رحمٰن و رحیم کے نام سے ثنائے رسولِ ہاشمیؐ کے بعد

احوال

نعت رنگ کا تیسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اگرچہ نعت رنگ کی اشاعت کے عرصہ اور مدت کے سلسلے میں ہم نے قارئین سے نہ کوئی وعدہ کیا ہے اور نہ دعویٰ مگر ہمارا احساس ہے کہ اس بار خاصی تاخیر ہو گئی ہے۔

اس تاخیر کے کئی اسباب ہیں۔ اچھے مضامین اور تحریروں کی فراہمی خاصا صبر آزما اور مشکل کام ہے' پھر اشتہارات کی فراہمی۔ اردو دنیا کی تین بڑی زبانوں میں سے ایک ہے لیکن وابستگان دامن اردو اپنے کسی رسالے کو اشتہارات سے بے نیاز نہیں بنا سکے سنجیدہ رسائل و جرائد کی اشاعت ایک ہزار نسخوں تک محدود رہتی ہے۔

نبی اکرمؐ کی محبت اساس ایمان ہے لیکن یہ محبت ہر موسم میں ہمارے معاشرے اور کردار کا اساسی حصہ بننے کی جگہ مجالس نعت و سیرت تک محدود ہے اور وہ بھی ربیع الاول کے مہینے میں۔ نعت گوئی اور نعت خوانی کا ذوق عام ہے مگر نعتیہ مجموعے ناشر کی دُکان یا شاعر کے گھر میں مدتوں رکھے رہتے ہیں۔ اس کا ایک سبب عام کتب فروشوں کا رویّہ بھی ہے کیا ہی اچھا ہو کہ پاکستان کے ہر بڑے شہر میں سیرت کی کتابوں نعتیہ مجموعوں اور رسالوں کے لیے کم سے کم ایک معقول مرکز ہو۔ ان حالات اور اس پس منظر میں نعت رنگ کی مقبولیت اور اہل دل کے ساتھ ساتھ اہل ادب اور اہل نظر کا التفات۔۔۔۔۔۔ ہم اسے اللہ تعالیٰ کا کرم اور نبی محترمؐ کی عنایت سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال ہمارے ذہن میں اس وعدۂ الٰہی سے پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں ہونے دیتا۔

میں نے جب یہ سفر شروع کیا تو دو چار ساتھی ہی ساتھ تھے مگر الحمد للہ اب یہ قافلہ خاصا وسیع ہے جس میں لکھنے والے اور پڑھنے والے سبھی شامل ہیں پاکستان کے علاوہ بھارت' عرب امارات' سعودی عرب' یورپ کے ممالک اور امریکا میں بھی وابستگان اردو "نعت رنگ" کا انتظار کرتے ہیں۔ ہمیں جو خطوط موصول ہوتے ہیں ان میں سے کچھ منتخب خطوط ہم شائع کرتے ہیں جن سے آپ کو اردو دنیا کے ان

اہل نظر کے تاثرات کا اندازہ ہو سکتا ہے اس اعتبار سے بھی نعت رنگ ایک محفل بنتا جارہا ہے جسمیں دور و نزدیک کے محبان شامل ہو رہے ہیں۔

نعت سے متعلق نعت رنگ سے پہلے بھی کئی اہم رسائل شائع ہو رہے تھے ان رسالوں نے بہت مفید کام کیا ہے۔ ان کے ذریعہ اکابر نعت گو شعرا کا کلام محفوظ ہوگیا ہے ان کے منتخبات بڑی افادیت کے حامل ہیں ان کے خاص نمبر تحقیقی حوالے سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ان میں نعت اور نعت گو شعراء پر قابل قدر مضامین شائع ہوئے ہیں لیکن نعت رنگ کو اللہ نے بعض پہلوؤں سے اولیت کا شرف عطا کیا ہے یا بعض باتوں اور موضوعات کو نعت رنگ نے زیادہ سنجیدگی گہرائی اور گیرائی دی ہے۔ نعت کے تقدس سے تو کافر بھی انکار نہیں کرتے لیکن نعت کے فنی پہلوؤں پر گفتگو خاصی محدود رہی ہے۔ نعت سے متعلق مقالوں اور کتابوں کا ہمیں علم ہے لیکن ان میں سے بیشتر تذکرہ کی سطح سے بلند نہیں ہوتیں... نعت کے دو پہلو ہیں ایک ادبی و فنی اور دوسرے پہلو کا تعلق مضامین سے ہے جس کا رشتہ اسلام کے بنیادی عقاید سے جاملتا ہے نعت رنگ کے نقادوں نے دونوں پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ ان پہلوؤں پر ہم نے معتبر نقادان ادب سے تعاون چاہا' ان کی خدمت میں بار بار حاضریاں دیں لیکن ان کی مصروفیات کی بناء پر ہمیں ان کا تعاون حاصل نہ ہوسکا انہوں نے تعاون کا وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اگلے شماروں میں ان کے مقالے اور تنقیدی تحریریں پڑھ سکیں گے لیکن یہ بات ہمارے لیے بڑی خوش آئند ہے کہ ہمارے کچھ دوستوں نے نعت رنگ کے صفحات کے ذریعہ پہلے پہل اپنی گہری تنقیدی نظر اور ادبی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ رشید وارثی اور عزیز احسن کے نام اس سلسلے میں بڑی وقعت رکھتے ہیں ان کے تنقیدی خیالات اور نتائج و آراء سے اختلاف ممکن ہے مگر انہوں نے جس تفصیلی اور مدلل انداز کو اپنایا ہے وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف نعت کاروں کی توجہ مبذول کروانا ازحد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نعت رنگ کے حوالے سے جو تنقیدی تحریریں سامنے آئی ہیں ان کی پسندیدگی اور مقبولیت سے متاثر ہو کر ہمارے کچھ اور نئے نقاد بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں یہ نہایت خوش آئند بات ہے لیکن ان کی آمد سے نعت کے فکری و فنی پہلوؤں پر گفتگو کا دائرہ وسیع ہونے کے بجائے یک لفظی رائے تک گھٹ کر رہ گیا ہے اور یہ یک لفظی رائے شائع بھی نعت کے ایک ماہانہ رسالے میں ہوئی میرے خیال میں یہ انداز نہ تنقید و ادب کے شایان شان ہے اور نہ نعت کا تقدس ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے۔ شاعر کے اسلوب' لفظی کوتاہیوں یا خیالات پر تنقیدی رائے ضرور دیجئے لیکن سنجیدگی' متانت اور استدلال کے ساتھ۔ غلطی تو انسان کے خمیر میں شامل ہے بس اس بنیادی سچائی کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں کی کوتاہیوں کی نشاندہی کی جائے تاکہ جس کی غلطی یا کوتاہی ہو وہ آپ کا شکریہ ادا کرے۔ یہ بات ہماری ادبی تاریخ کا حصہ ہے۔ لیکن اگر نقاد کا انداز جارحانہ ہے یا اس کی تحریر میں تضحیک کا رنگ ہے تو دل بھی خراب ہوں گے اور

تنقید بھی مجروح ہوگی۔ اس سلسلے میں نعت سے متعلق رسائل کے مدیروں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور ایسی تنقیدی تحریروں کو شائع کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے تنقید کا فن نہ تو تنقیص کے مترادف ہے نہ بے دلیل تحسین کا تنقید تو نام ہے مغز کو سامنے لانے کا۔ یہ ایک طرف اعترافِ تحسین ہے اور دوسری طرف فن سے آگاہی۔

نعت رنگ کے حوالے سے ہماری کوشش یہی رہی ہے کہ نعتیہ ادب پر رسمی تبصروں کہ جگہ معتدل اور دیانت دارانہ تنقید و تبصرہ کو اہمیت دی جائے۔ اگر نعت کا نقاد ہی دیانت دار نہ ہوگا تو پھر ادبی دیانت کی تلاش اور کہاں کی جائے گی۔ اسی طرح نعت رنگ میں شائع ہونے والے منظوم حصہ میں ہماری کوشش رہی ہے کہ نعتوں کے منظوم تراجم شائع کئے جائیں اور آئندہ اردو کی بہترین نعتوں کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے تاکہ نعت کی ادبی شناخت کا دائرہ وسیع تر ہوسکے شاملِ اشاعت اردو نعتوں میں ہیتی تنوع کو اہمیت دی جارہی ہے تاکہ جدید اصناف میں مدحت گری کے خدوخال کو بہتر طور پر اجاگر کیا جاسکے ہم نعتیہ سانیٹ' واکا' ہائیکو' دوہے' نعتیہ کافیاں اور نعتیہ گیت بھی پیش کریں گے جو شعراء ان اصناف میں نعت کہتے ہیں وہ ہماری اس تحریر کو درخواست تصور کرتے ہوئے ہماری مدد کریں۔

نعت گو شعراء اور نعت کاروں کے خاکوں کا سلسلہ بھی نعت رنگ کا حصہ بن رہا ہے۔ جو لوگ حضورؐ کے نقوشِ حیات و سیرت کے مرقّع نگار ہیں ان کی زندگیوں اور ان کے نقوش کی تلاش بھی ایک مستحسن عمل ہے ہمیں امید ہے کہ نعت رنگ کے اس سفرِ عقیدت میں آپ بھی شریک رہیں گے۔

نعت رنگ ۲ اور ۳ کی درمیانی مدت اشاعت کے دوران جو خُدّامِ نعت ہم سے جدا ہوئے ان میں ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی' اقسر ماہ پوری' صہبا اختر اور رضی دہلوی کے نام بہت نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی' ایک محقق' دانشور کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتے تھے انہوں نے سندھی زبان و ادب کے فروغ کے لئے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے' نعت کے حوالے سے ان کی تحقیقی کتاب "سندھی کی نعتیہ شاعری" شائع ہوچکی ہے جبکہ قصیدۂ بُردہ کا منظوم سندھی ترجمہ طباعت کا منتظر ہے۔

اقسر ماہ پوری نے ایک نامور شاعر اور تہذیبی شخصیت کے حوالے سے اپنی شناخت قائم کی ان کا نعتیہ مجموعہ "طور سے حرا تک" ان کی وفات کے بعد منظر عام پر آیا۔

صہبا اختر اپنی ملی شاعری کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کرچکے تھے انہیں "شاعرِ پاکستان" کہا جاتا تھا ملی شاعری کا تصور خدا اور رسول کے بغیر کیا ہی نہیں جاسکتا یہی وجہ تھی کہ صہبا اختر کی عام شاعری یا خالص نعتیہ شاعری میں محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لافانی نقش دکھائی دیتے ہیں ان کا مجموعۂ نعت "اقراء" اردو نعت میں ایک زندہ اضافہ تھا اور اس میں پہلی مرتبہ ہیئتی تنوع دیکھنے میں آیا تھا۔

رضیؔ دہلوی ملک کے مایہ ناز حرف شناس اور نامور خطاط تھے وہ فنِ خطاطی پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنی کا جمالیاتی شعور بھی رکھتے تھے نعت رنگ ۲ کا سرورق انہی کے نقشِ جمیل سے مزین تھا۔

ان تمام خدامِ نعت کے اٹھ جانے سے دنیائے نعت سوگوار ہے "اقلیمِ نعت" ان سب کی بخشش اور ان کے تمام پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔

صبیح رحمانی

اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعتِ شان کا استقصار

رشید وارثی

شعر کے متعلق زمانہ قدیم سے علمائے انتقاد کا یہ نظریہ رہا ہے کہ اسے محض پرواز تخیل کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ لیت شعری کذا کے محاورے میں شعر گوئی اصل میں ایک فن لطیف کا نام ہے۔ اور عرف میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب شعر کو جھوٹ کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ اور شاعر سے مراد ان کے نزدیک کاذب تھا۔ اسی لیے جھوٹی دلیلوں کو ادلّہ شعریتہ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)۔ چونکہ شاعری میں مبالغہ و کذب کو معیوب سمجھنے کے بجائے محاسن شعر میں شمار کیا جاتا تھا' اس لیے یہ مثل مشہور ہوگئی کہ احسن الشعر الکذبہ یعنی بہترین شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ (مبالغہ) ہو۔ لیکن فن میں مقصدیت کو ماننے والوں کے نزدیک شعر کو تخیل کے بجائے تفکر کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔

شعر گوئی اور شریعت اسلام:

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ (سورۃ الشعراء۔ ۲۲۴)۔ جب ان آیات کا نزول ہوا تو حضرت حسان بن ثابت' حضرت عبداللہ بن رواحہ' اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم روتے ہوئے دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم شاعر ہیں' ہم تو بے موت مارے گئے' ہماری نجات کی کوئی سبیل نہیں۔ اس وقت سورۃ شعراء کی آخری آیات نازل ہوئیں۔ جن میں فرمایا گیا "بجزان (شعراء) کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے' اور وہ کثرت سے اللہ (تبارک و تعالیٰ) کو یاد کرتے ہیں۔" اس طرح یہ بات واضح کردی گئی کہ صرف ان شعراء کی مذمت کی گئی ہے جو کفر و شرک اور فسق و فجور کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے ملکہ شعری کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ شعرائے کرام جن کی ساری قوتیں اسلام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات پر مبنی عقائد کی تبلیغ میں صرف ہوتی ہیں' ان پر ماسبق آیات کا اطلاق نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) میں بڑے جلیل المرتبت اور قادر الکلام شعرائے کرام موجود تھے۔ استیعاب میں عبدالبرؒ نے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت کعبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! شاعری کے متعلق

آپ کی کیا رائے ہے۔ آپؐ نے فرمایا "مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی"۔ اس فرمان رسول کے علاوہ فن شعر گوئی کے بارے میں اور بہت سی صحیح احادیث روایت کی گئی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اشعار میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ جن اشعار میں حد اعتدال میں مضمون آفرینی کی گئی ہو۔ اور وہ اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہو' تو ایسی شاعری مباح ہے۔ اور جو اشعار قرآن و حدیث کے منافی مضامین پر مبنی ہوں تو قرآن کریم میں ایسی شاعری پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

اردو غزل اور غیر اسلامی تصورات:

اردو غزل کی ریل بیل چونکہ فارسی غزل کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے' نتیجتاً" فارسی کی طرح اردو غزل میں بھی غیر اسلامی تصورات پر مبنی مضمون آفرینی کے شواہد کثرت سے سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا اردو نعت میں انبیائے سابقین علیہم السلام کی شان میں فروتر مضامین کی نشاندہی سے پیشتر' اس حوالے سے اردو غزل کا مطالعہ کیا جائے تو مختلف شاعروں کے کلام میں دیگر پست مضامین کے ساتھ سیکڑوں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی شان میں ایسی گستاخانہ مضمون آفرینی کی گئی ہے کہ اہل ایمان کے دل کانپ جاتے ہیں۔ مثلاً"

دعویٰ کروں گا حشر میں موسیٰ پہ خون کا
کیوں آب تو نے دی مرے قاتل کی تیغ کو

وہ کوہ طور کا قصہ یہاں بھی آپڑا موسیٰ
مجھے ہے دید کا لپکا' وہ محو لن ترانی ہے

یہی نہیں بلکہ ان اولوالعزم انبیائے عظام اور ان کے جلیل القدر معجزات کے بیان کو بڑے روح فرسا انداز میں ظریفانہ کلام میں شامل کرتے ہوئے ان کا (معاذ اللہ) بے محابا تمسخر اڑایا گیا ہے۔ مثلاً"

بجلی کی روشنی میں چلے آیئے کلیم
کہنے کھڑے ہیں خود ید بیضا لئے ہوئے

مجھ کو تجھ کو دیکھ کر ہاتھی یہ یوں کہتی ہے خلق
یہ تجلی ہے' یہ موسیٰ ہے' یہ کوہ طور ہے

ایسے غزل گو شعراء میں سے جن حضرات نے سواد نعت گوئی میں قدم رکھا' انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد سے روگردانی کرتے ہوئے' یا فلسفۂ رسالت کے بارے میں قرآن و سنت کی تعلیمات سے

بے خبر رہتے ہوئے انبیائے سابقین علیہم السلام کی رفعت شان کے منافی، بلکہ ان کی شان میں گستاخی پر مبنی اشعار نعت میں شامل کر دئے۔ ان قدیم شعراء کی تقلید میں آج بھی اردو نعت میں کم و بیش یہی رویہ برقرار ہے۔ جس کے سدِّ باب کے لیے اس مقالہ میں حسب ضرورت معنوی تنقید کے ساتھ بعض اشعار کی نشاندہی کی جائے گی۔ تاکہ ہمارے جونیئر قارئین کرام آئندہ ایسے اشعار کا خود محاسبہ فرماسکیں۔

یہ بندہ عاجز یہاں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہے کہ گذشتہ دنوں (اس مقالہ کی تیاری کے دوران) اس کم علم و بے بضاعت کو بعض شعرائے کرام اور ہائی اسکول کے اساتذہ کرام سے فلسفۂ رسالت اور وحدت ادیان کے موضوع پر ایک غیر رسمی سی گفتگو کا موقع ملا۔ جس سے غیر متوقع طور پر یہ اندازہ ہوا کہ اس بارے میں ان حضرات کی معلومات بعض انبیاء و رسل کے تذکروں تک محدود ہے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ نفسِ مضمون پر براہ راست گفتگو سے پیشتر اسلامی عقائد کے حوالے سے اس موضوع پر قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی ضروری مواد نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جائے تاکہ اس مقالے کی تفہیم کی راہ ہموار ہو سکے۔ چنانچہ ذیل میں ایمان بالرسل کے بارے میں بنیادی باتیں اسناد کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

۱۔ سب انبیاء پر ایمان ضروری ہے :

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ ایمان بالرسل اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ ارشاد ربانی ہے (اے حبیبؐ) آپ فرمادیجئے کہ میرا دین تو دین ابراہیمؑ ہے (وہی دین ہے جو ابراہیمؑ کا دین تھا) جو باطل سے منہ موڑنے والے تھے۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ (اے اہل ایمان) کہہ دو کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ (تعالیٰ) پر اور اس (کلام) پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اور عطا کیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان کے مابین (ایمان لاتے ہیں) اور ہم اللہ (تعالیٰ) کے فرمانبردار ہیں)

(سورۃ البقرہ ۱۳۶-۱۳۵)

۲۔ تمام انبیاءؑ مقام اصطفیٰ پر فائز ہیں :

قرآن کریم سے ہمیں یہ حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین میں منتخب کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے گھرانے کو اور عمران (حضرت مریمؑ کے والد) کے گھرانے کو سارے جہان والوں میں۔ یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں۔" (آل عمران۔ ۳۳)

۳ ۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی عالمین پر فضیلت :

(اس سے ماقبل آیات میں) دیگر انبیائے کرام کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے "اور ہم نے (ہدایت دی) اسمٰعیل اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ان سب کو ہم نے سارے جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور ہدایت دی۔ ان کے کچھ آباء و اجداد اور ان کی اولاد اور بھائیوں کو ہم نے چن لیا اور ان سب کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔" (الانعام ۸۷-۸۶)

۴ ۔ بعض رسولوں کی بعض پر فضیلت :

ارشاد باری تعالیٰ ہے "یہ سب رسول ہیں' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اللہ (تعالیٰ) نے ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اور بلند کئے ان میں سے بعض کے درجے۔" (البقرہ۔ ۲۵۳)۔ صاحب ضیاء القرآن اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاءؑ نفس نبوت میں برابر ہیں۔ لیکن فضائل و کمالات' مراتب و مقامات' معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لیکن ایک ذات پاک مصطفیٰ جو مظہر اتم ہے تمام کمالات جلالیہ اور جمالیہ کی۔ جو مراتب و کمالات دیگر انبیاء و رسل کو عنایت کئے گئے تھے' وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور اکرم کو عطا فرمائے گئے"... ۔

جملہ اوصاف انبیاء کی ہے ذات سرکارؐ ہی میں یکجائی

(راغب مراد آبادی)

اس کو کہتے ہیں تکمیل انسانیت ساری اچھائیاں ایک انسان میں

(محشر بدایوانی)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دی جائے کہ اس سے معاذ اللہ دوسرے نبی کی تحقیر ہو۔

۵ ۔ لا نفرق بین احد منھم کا مفہوم :

سورۂ بقرہ کی اس آیت (۱۳۶) کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم ان (انبیاء و رسل) میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ مفسرین کی کثیر جماعتؒ نے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کریں' جو عادت اوروں کی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ کی)۔ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے۔ کسی کو مانتے تھے اور کسی سے انکاری تھے۔(ابن کثیر)۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا صرف یہی مفہوم ہے کہ مسلمان ہر

نبی کی نبوت اور ہر رسول کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور کسی کا انکار نہیں کرتے۔ اس سے یہ معنی لینا کہ باعتبار فضیلت کسی میں فرق نہیں کرتے' غلط ہے کیونکہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" (البقرہ۔ ۲۵۳)۔ یعنی یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

۶۔ بعض دیگر انبیائے کرام بھی اسمائے صفات سے متصف ہیں :

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے سابقین میں سے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے اسمائے حسنیٰ کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اسم شکور سے' ابراہیم علیہ السلام کو اسم خلیل سے' اسمٰعیل علیہ السلام کو اسم علیم' حلیم اور صادق الوعد سے' حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ و علیم سے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم و قوی سے' حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسم بر سے متصف فرمایا ہے۔ (علامہ الشفا۔ قاضی عیاض)۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ۸۱ ایسے اسمائے صفات بیان ہوئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب جواہر البحار میں یہ اسمائے مبارکہ تحریر کئے ہیں۔ (اس کتاب کا اردو ترجمہ مارکیٹ میں دستیاب ہے) ان اسمائے صفات میں سے اکثر اسمائے مبارک مسجد نبوی کی اندرونی سمت قبلہ رخ دیوار پر طلائی حروف میں آج بھی تحریر ہیں۔

۷۔ حضور اکرم ﷺ کی رسالت آفاقی ہے :

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء و رسل بھیجے ان کی نبوت اور رسالت کسی خاص قوم' خاص علاقے اور خاص وقت تک کے لیے تھی۔ اس کے برعکس باعث تخلیق کائنات فخر موجودات حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت تمام مخلوقات' پوری کائنات' اور تمام زمانوں پر محیط ہے۔ آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے خلعت نبوت سے سرفراز تھے۔ اور قیامت تک آپ کی شریعت نافذ رہے گی۔ ارشاد ربانی ہے (اے حبیب) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (الاعراف۔ ۱۵۸) یعنی روئے زمین پر بسنے والا کوئی بھی انسان خواہ وہ کہیں بھی ہو اور کسی بھی زمانے میں آنکھ کھولے حضور اکرم اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ رسول ہیں۔ یہی آپ کی رسالت کی آفاقیت ہے۔

تھے عالی مرتبہ سب انبیاءؑ اول سے آخر تک
مگر سرکارؐ سا کوئی نہ تھا اول سے آخر تک

(صبیح رحمانی)

اسی طرح سورۂ فرقان کی پہلی آیت میں ارشاد ربانی ہے "بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد) پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب اتاری تاکہ وہ بن جائے تمام جہانوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا"۔ اس آیت میں للعٰلمین کی لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کی نبوت و رسالت زمان و مکان کی حدود سے آشنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق خواہ وہ کائنات کی بلندیوں میں ہو یا پستیوں میں 'سب کے لیے؟۔ رسول ہیں۔ اور جب تک یہ عالم رہے گا آپ کی رسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔ (خلاصہ ضیاء القرآن)۔

بجز ان کے رحمت ہر زماں کوئی اور ہو تو بتایئے۔ نہیں ان سے پہلے کوئی نہ تھا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

(حنیف اسعدی)

۸ ۔ انبیائے کرام کے بارے میں گستاخانہ طرز بیان پر تعذیر :

یہودیوں کے علمائے سوء نے توریت میں تحریف کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک سنگین الزام گڑھ لیا۔ اور پھر اس کی اس طرح تشہیر کی کہ یہ بات زبان زد عام ہو گئی۔ حتیٰ کہ بعض حضرات سورہ ص (کی آیت ۲۴) کی تفسیر میں یہ باطل اسرائیلی روایت بھی بیان کردیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا "جو شخص حضرت داؤد (علیہ السلام) کے متعلق ایسی بات کرے 'جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا (تفسیر ضیاء القرآن)۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کہنا' جو ان کے ارفع و اعلیٰ مقام سے فروتر ہو یا اس سے ان کی توہین ہوتی ہو' قابل تعذیر ہے۔

۹ ۔ ایمان بالرسل کے بارے میں عقائد کا خلاصہ :

شرح فقہ اکبر اور شرح عقائد نسفی جیسی معروف کتب عقائد کے طویل مباحث سے صرف نظر کرتے ہوئے ایمان بالرسل کا خلاصہ اردو زبان میں فقہ حنفی کی معتبر کتاب "بہار شریعت" سے ہدیۂ قارئین ہے:

۱ ۔ نبوت محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ ہاں عطا اسی کو کرتا ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے۔ جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزیّن ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکا ہے۔ اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل اور حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزّہ ہوتا ہے۔ جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے۔ کسی حکیم اور کسی فلسفی کی

عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

۲ ۔ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتہ) کا خاصہ ہے کہ کوئی نبی اور فرشتہ کے سوا معصوم نہیں۔

۳ ۔ انبیائے کرام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسل ملا ئکہ سے افضل ہیں۔ ولی خواہ کتنے ہی بڑے مرتبے والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔

۴ ۔ نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

۵ ۔ نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور سب میں افضل ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین ہیں۔ حضورؐ

بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں۔ اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء و مرسلین، انس و ملک اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ جس طرح حضورؐ تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں۔ بلا تشبیہ حضورؐ کے صدقے میں حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

۶ ۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔ زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ مگر یہ علم غیب ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔

۷ ۔ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حضور عظیم وجاہت و عزت والے ہیں۔

۸ ۔ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ ان کی حیات، حیات شہداء سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

اب تک بیان کردہ نصوص کی روشنی میں ایمان بالرسل کے عقیدے کے بارے میں ہمیں خاطر خواہ معلومات فراہم ہو چکی ہیں۔ چنانچہ زیر نظر سطور میں ہم معنوی تنقید کے ساتھ اردو کے ان نعتیہ اشعار کا جائزہ پیش کرتے ہیں جن میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کے منافی کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام :

قرآن کریم میں انبیائے سابقین کی زندگیوں کے بہت سے حالات بیان ہوئے ہیں۔ جو رشد و ہدایت کی روشنی کو عام کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے حالات کو احسن القصص کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے۔ حسن ظاہری کے ساتھ آپ کی سیرت طیبہ اس وقت تک انسانی تکمیل کا مظہر اتم

تھی۔ آپ کو منجملہ یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند و سورج آپ کو سجدہ کررہے ہیں (خلاصہ سورۂ یوسف۔ آیت ۴) آپ ابتلا و آزمائش کے مرحلوں سے گزر کر مسر کی بادشاہت سے نوازے گئے۔ تو استداد زمانہ سے مجبور ہوکر آپ کے والدین اور دشمن جاں برادران آپ کے شاہی دربار میں پہنچے تو آپ نے اپنے والدین کو شاہی تخت پر بٹھایا۔ اس وقت آپ کے والدین اور بھائیوں نے آپ کو سجدہ (تعظیمی) کیا۔ اس طرح آپ کے بچپن کے خواب کی تعبیر سامنے آئی (خلاصہ سورۂ یوسف۔ آیت ۱۰۰) چنانچہ حضرت یوسف کو تمام انبیاء میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ بحکم خدا اس عالم آب و گل میں آپ کو سجدہ کیا گیا۔

بخاری شریف میں حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سب سے عالی خاندان کون تھا؟ آپؑ نے فرمایا یوسف پیغمبر بن پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ۔

قرآن و حدیث کے ان شواہد کی روشنی میں ایک صاحب کے اس شعر کا جائزہ لیجئے ۔

اقصائے دو عالم میں جلوہ ہے عام تیرا
باندی تیری زلیخاؑ یوسفؑ غلام تیرا

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو حضور اکرم کا غلام کہا جارہا ہے۔ جو کتاب و سنت کی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہوچکی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ یہ ایک ہی نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں۔ ان سب کو ہم نے سارے جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور ہدایت دی ان کے کچھ آباء و اجداد اور بھائیوں کو ہم نے چن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کی مائیں مختلف ہیں۔ اور تمام انبیاء کا مذہب ایک ہے۔ (مشکوٰۃ شریف۔ متفق علیہ)۔ لہٰذا کسی نبی کو کسی نبی کا غلام کہنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

ایک شعر ملاحظہ فرمایئے ۔

حسن یوسف بھی انؐ کی غلامی میں ہے
تم نے دیکھا زلیخاؑ ہمارا نبیؐ ۔۔۔۔

اس شعر میں بھی گذشتہ شعر کی طرح شرعی سقم پایا جاتا ہے۔ البتہ یہاں ذات یوسف علیہ السلام کے بجائے ان کے معجزنما حسن کو غلام کہا جارہا ہے۔ جو معنوی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ کیونکہ حسن ایک صفت ہے اور صفت پر غلامی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ بقول شاعر ۔

میں نے پوچھا اب کہاں ہے آپ کا حسن شباب

ہنس کے بولے وہ صنم، شان خدا تھی میں نہ تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا املح واخی یوسف اصبح (الوفا۔ ابن جوزی) یعنی میں سب سے زیادہ ملیح ہوں اور میرے بھائی یوسف سب سے زیادہ صبیح ہیں۔ یا مجھ میں سب انسانوں سے زیادہ ملاحت ہے اور میرے بھائی یوسف میں سب سے زیادہ صباحت ہے۔

علمائے نعت نے تصریح فرمائی ہے کہ صبیح اس حسین و جمیل شخص کو کہا جاتا ہے جس کا گورا رنگ اور تابش حسن آنکھوں کو خیرہ کردے۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھو کہ زنان مصر ایسی مبہوت ہوگئیں کہ انہوں نے پھل کاٹنے کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔ جبکہ ملیح اس خوبصورت اور صاحب جمال کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر ایسا نمک ہو کہ دیکھنے والوں کے قلب و نظر پر اس کا جمال دلکش ہمیشہ کے لیے نقش ہوجائے۔ اسی لیے ملاحت کو صباحت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ صباحت میں رعب حسن کے زیر اثر اجنبیت اور ملاحت میں دلنشینی کی وجہ سے انسیت کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ یہ بھی اس شہ خوباں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت ہی کا ایک حوالہ ہے کہ ذات احسن الخالقین نے آپ کے جمال دل آرا کو بکمال شفقت جوہر ملاحت سے آراستہ فرمایا۔ تاکہ انسانی برادری کا خستہ حال سے خستہ حال فرد بلا جھجک آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر داد خواہی کرسکے۔ ؎

تو جامع اوصاف رسولاں بھی ہے لیکن
ہے سب سے بڑا تیرا حوالہ تیری رحمت

(عاصی کرنالی)

مندرجہ بالا حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا غلام نہیں بلکہ اپنا بھائی کہا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی کو گروہ انبیاء کے سالار کا غلام کہنا خلاف حقیقت اور اسوۂ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے ایک اور منفی زاویہ سے مضمون آفرینی مندرجہ ذیل شعر میں ملاحظہ فرمائیے: ؎

تیرے جلووں کا زلیخا جو نظارہ کرتی
ماہ کنعاں کو تصدق میں اتارا کرتی

حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارگاہ احسن الخالقین جلّ جلالہٗ سے ایسی شان محبوبی عطا ہوئی کہ تمام عالمین اور انبیاء و مرسلین آپؐ پر اپنی متاع جان قربان کرنے کے مشتاق رہے ہیں۔ آیۂ

میثاق میں تمام انبیائے کرام سے آپ کی نصرت کا جو عہد لیا گیا تھا۔ اس میں ایفائے عہد کرتے ہوئے نذرانہ جاں پیش کرنے کے ساتھ اور بہت سے امکانات موجود ہیں۔ لہٰذا یہ بات تو مسلمہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنی جان قربان کرنا تمام بنی نوع انسان تو کیا خود انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی خوشنودی معبود حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن اس قربانی کے لیے ضروری ہے کہ قربان ہونے والے شخص کی مرضی بھی اس میں شامل ہو۔ (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مرضی معلوم کی)۔ چنانچہ اگر یہاں حضرت زلیخا کا جان نچھاور کرنا بیان کیا جاتا تو یہ عین فطرت اور عین شریعت ہوتا۔ لیکن کسی غیر نبی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایک نبی برحق کو تصدق کر سکے۔ چنانچہ یہ انداز بیان سوء ادب سے خالی نہیں۔ البتہ یہاں خود یوسف علیہ السلام کے حوالے سے افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان فدا کرنے کی بات کی جاتی تو بلاشبہ یہ ایک اعلیٰ تصور ہوتا۔ چنانچہ یہ شعر اپنی موجودہ شکل میں شرعی اعتبار سے حضرت یوسف السلام کی رفعت شان کے منافی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام :

حضرت موسیٰ علیہ السلام سرخیل گروہ عاشقاں اور اللہ تعالیٰ کے بڑے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ آپ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے والقیت علیک محبتہ منی یعنی (اے موسیٰ) "میں نے اپنی بارگاہ سے تم پر محبت کا پرتو ڈالا" (سورۂ طٰہٰ۔ ۳۹)۔ اس لیے آپ اہل محبت کے سردار ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بڑے لطیف پیرائے میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے تعین کا مبداء محبت محضہ تھا۔ اور جناب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعین کا مبدا محبوبیت کاملہ تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار ہیں۔ اور جناب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے واصطنعتک لنفسی "اور (اے موسیٰ) میں نے تمہیں اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔" (سورۂ طٰہٰ۔ ۴۱)۔ چنانچہ آپ کو بارگاہ الٰہی میں قرب خاص کا مرتبہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب انبیائے سابقین سے زیادہ معجزات عطا فرمائے۔ سورۃ النمل میں آپ کے نو معجزات کا تذکرہ ہے (آیت ۱۲)۔ راقم کو اس مقالے کی تیاری کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ تمام انبیائے سابقین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سب سے زیادہ قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں۔ اور ہمارے شعرائے کرام نے سب سے زیادہ ان ہی کے بارے میں نہایت غیر ذمہ دارانہ اور غیر مؤدب خیال آفرینی کی ہے۔ جس کا اندازہ بقدر ذیل میں (تبصرہ کے ساتھ) دیئے ہوئے اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً"

آتو جاتی سامنے اس کی تجلی کم سے کم
حضرت موسیٰ نے شاید کھو دیا سب کا بھرم

چنانچہ یہ کہنا کہ حضرت موسیٰؑ نے سب کا بھرم کھو دیا۔ کتنی بڑی جسارت بلکہ گستاخی ہے۔ اسلامی عقائد کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔ (بہار شریعت)۔ لہٰذا ایسے اشعار کو مضامین نعت سے کیا سروکار ہے؟

تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریز میں خاک اور ذوق تماشا لیے ہوئے

کے مصداق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشتیاق دید نے تو تمام عاشقین صادقین وقت کا بھرم قائم کیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ تاب جمال نہ لا سکیں گے' شوق نظارگی کو ماند نہ ہونے دیا۔ بلاشبہ عشق صادق کے یہی طور ہوتے ہیں۔ ؎

یوں مرا شہر بصارت رہے آباد سدا
بند ہو جائیں اگر آپ کو پا کر آنکھیں

(ڈاکٹر سعید وارثی)

حضرت موسیٰؑ سے مفاخرت:

اسلامی عقائد کے حوالے سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جو شخص کسی غیر نبی کو کسی نبی پر فضیلت دے اس کی گمراہی ثابت اور لائق تہدید ہے۔ اس بنیادی عقیدے کے پس منظر میں مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے۔ جن میں ایک اولوالعزم پیغمبرؑ کے مقابلے میں بعض شعرائے کرام نے کنایتہً "اپنی فضیلت بیان کی ہے۔ یہ ایک غلط رویہ ہے۔ جس کا سدباب ضروری ہے:

۱۔ واں ایک جھلک دیکھی موسیٰؑ نے تو کیا دیکھا
یاں روز محمدؐ سے ہوتی ہیں ملاقاتیں

یعنی کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی ذات یا نور محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک جھلک دیکھی تو کیا بڑی بات ہے۔ جبکہ شاعر صاحب کی حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روزانہ ملاقات نہیں بلکہ "ملاقاتیں" ہوتی ہیں۔ اس طرح شاعر صاحب نے حضرت موسیٰؑ پر اپنی فضیلت بیان کی ہے (العیاذ باللہ)۔ دوسری بات یہ کہ بارگاہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری' باریابی یا رسائی کو "ملاقات" کہنے میں سوء ادب کا پہلو ہے۔ ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ کوئی شخص اپنے استاد یا مرشد سے ملتا ہے۔ تو پاس ادب سے یہی کہتا ہے کہ میں فلاں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یا مجھے فلاں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وغیرہ۔ کیونکہ ملاقات دو ہم مرتبہ افراد کے ملنے جلنے یا ان

میں باہمی محبت کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا بارگاہ رسالت ؐ میں حاضری کو ملاقات سے تعبیر کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ کیا واقعی شاعر صاحب کو دربار رسالت ؐ میں روزانہ شرف باریابی حاصل ہوتا ہے' تو اس مکاشفہ کی صحت کے بارے میں شاعر محترم خود ہی کوئی رائے دے سکتے ہیں۔

۲۔ وہ جلوہ ہم کو غار حرا سے ملا (تخلص)

جو مل سکا نہ حضرت موسیٰ کو طور سے

مندرجہ بالا شعر میں ایک نبی اور رسول کے مقابلے میں امت مسلمہ کی فضیلت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محرومی یا احساس تصیبی کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ انداز بیان کتاب و سنت کی تعلیمات کے منافی اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان اقدس میں بے ادبی کے مترادف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اقتداء میں جسمانی طور پر تمام انبیاء و مرسلین کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر ہی امت مسلمہ پر نمازوں کی تعداد میں تخفیف کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بارگاہ کبریائی میں حاضر ہو کر کئی بار استدعا کی چنانچہ آپ کی امت پر پچاس کے بجائے صرف پانچ نمازیں ہی فرض ہوئیں۔ لہٰذا یہ تصور خلاف حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جمال دل آراء کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ کسی نبی کے حوالے سے ایسی مفاخرت درست نہیں۔

۳۔ مجھے شوق طیبہ ـــــ تمہیں شوق سینا

کلیمؔ اپنا اپنا ـــــ مذاقِ نظر ہے

ایک واجب التعظیم اور گرانی القدر شاعر محترم کے اس شعر کے حوالے سے یہ بات تو متفقہ علیہ ہے کہ وادیٔ سینا پر مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا کو فضیلت حاصل ہے۔ لیکن ایک نبی کا یہ ذوق نظر بتانا کہ وہ ایک نسبتاً" کم فضیلت کی حامل سرزمیں مقدس کا شوق رکھتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں شاعر محترم کا مذاق نظر اتنا ارفع اور اعلیٰ ہے کہ وہ واقعی نسبتاً" زیادہ فضیلت والے دیار مقدس کے آرزو مند ہیں' یہ انداز بیان محل نظر ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو کیا واقعی شوق سینا تھا۔ یا حکم خداوندی کی یہ بجا آوری تھی؟۔ قرآن کریم میں ہمیں اس سلسلے میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ جب آپ اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے تو وادیٔ سینا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو ندا کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لیے" (سورۂ مریم۔ ۵۲) لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کو طور سینا کا اشتیاق نہیں

تھا بلکہ اس مقدس وادی (طویٰ) میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعت کلیمی عطا فرمانے کے لیے آواز دے کر بلایا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اشتیاق دید :

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ مدین سے اپنے وطن مصر جانے کے لیے حالت سفر میں تھے۔ بیابان جنگل' اندھیری رات اور سردی کا موسم تھا۔ جب زیادہ سردی محسوس ہوئی۔ تو دور سے آگ چمکتی ہوئی نظر آئی۔ آپ اپنی زوجہ محترمہ کو وہیں ٹھرا کر آگ لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ ارشاد ربانی ہے "پس وہ (موسیٰ) وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس تو اپنی جوتیاں اتار دے' بیشک تو مقدس وادی طویٰ میں ہے۔ اور میں نے رسالت کے لیے تجھے چن لیا ہے۔ پس جو وحی کیا جاتا ہے اسے غور سے سنو۔ یقیناً" میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم میری عبادت کیا کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز ادا کیا کرو (سورۂ طٰہٰ ۹ تا ۱۱)۔

سورۂ نمل (آیات ۷ تا ۹) ارشاد ہوتا ہے "جب موسیٰ اس آگ کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے۔ پاک ہے رب العالمین اے موسیٰ! وہ اللہ میں ہی ہوں جو عزیز الحکم ہے۔"

اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد یعنی مصریوں کی غلامی سے بنی اسرائیل کی نجات کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر ۳۰ روز چلّہ کشی (یا اعتکاف) کا وعدہ لیا۔ اور مزید دس راتوں کے اضافہ سے اسے مکمل کیا۔ جب اس وعدہ کی تکمیل ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست شرف کلام عطا فرمایا۔ اس کلام کی لذت رگ و پے میں سرایت کر گئی اور فطرتاً" آپ کے دل میں مخاطب کو دیکھنے کے لیے اشتیاق دید کا طوفان امڈ آیا۔ اور آپ نے غلبۂ محبت اور شوق کی فراوانی کے زیر اثر عرض کیا رب ارنی انظر الیک (الاعراف۔ ۱۴۳) یعنی اے پروردگار مجھے اپنا دیدار عطا فرما۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ اچھا ہم اپنی تجلی کا ظہور کوہ طور پر کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰؑ تاب جلوہ نہ لا کر بے ہوش ہوگئے۔ ہوش آنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اپنے عجز کا اظہار کیا (خلاصہ سورۂ اعراف)۔ مختصراً" اس واقعہ کی حقیقت اتنی ہے۔ جس کے بارے میں غزل گو شعراء کے علاوہ اردو و فارسی نعت گو شعرائے کرام نے رہوار تخیل کو دوڑاتے ہوئے بڑے بیباکانہ انداز میں سیکڑوں خلاف حقیقت اشعار کہے ہیں اس غیر ذمہ دارانہ رویّہ کا کم از کم نعت گوئی کے حوالے سے سدباب ہونا ضروری ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام :

حضرت خضر علیہ السلام کا نام بلیابن ملکا اور کنیت ابوالعباس ہے (کنزالایمان)۔ وہ جہاں فروکش ہوتے وہ جگہ سبز ہو جاتی اس لیے آپ کا لقب خضر ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف) اور وہ اسی لقب سے معروف ہیں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور دیگر بعض دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ ولی تھے۔ اور بعض علمائے محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی تھے۔ کیونکہ ولی کے الہام میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے الہام کی بنیاد پر قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلے میں نبی کا علم یقینی ہوتا ہے آپ کو نبی ماننے والوں کی یہی دلیل ہے۔ بہرحال وہ نبوت کے درجہ پر فائز ہوں یا ولایت کے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی جناب سے علم لدنی کی خلعت عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ سورۃ الکہف کی ۶۵ویں آیت میں ارشاد ربانی ہے 'اتینہ رحمتہ من عندنا وعلمنہ من لدنا علما ○ یعنی "ہم نے (اپنے بندے خضرؑ) کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرمائی۔ اور انہیں اپنا علم لدنی عطا کیا۔

قرآن کریم میں آپ کا نام نہیں آیا لیکن متعدد احادیث مبارکہ اور اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں "بندے" سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر جب کاشانۂ نبوت سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تو حجرہ مبارک کے ایک گوشے سے یہ آواز آئی "اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر والو! تم پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ زندہ ہے' وہ ہر مشکل کو ٹال دیتا ہے وہی بندوں کی غمخواری کرتا ہے۔ ہر جدا ہونے والی چیز کا وہ خود نعم البدل ہو جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے امید رکھو کیونکہ مصیبت زدہ تو دراصل وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم اور مایوس رہے۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ یہ خضر (علیہ السلام) تھے۔ (مشکوٰۃ شریف۔ بیہقی)۔

ان تمام شواہد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ پر علوم تکوینیہ کے وہ راز منکشف کئے گئے اور ایسا علم عطا فرمایا گیا جو عام انسانی ادراک سے بالکل جدا ہے۔ وہاں تمام عقدہ ہائے سربستہ خود بخود کھلتے جاتے ہیں۔ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور حقائق و مطالب کا انکشاف ہوتا جاتا ہے۔ اس واقف اسرار الٰہی کی بارگاہ میں بزعم نعت یہ جسارت ملاحظہ فرمایئے:

زندگی وادیٔ یثرب میں بسر کرنا تھی
حضرت خضر کو جی بھر کے نہ جینا آیا

یعنی شاعر صاحب حضرت خضر پر تنقید فرما رہے ہیں کہ انہیں وادیٔ یثرب میں زندگی گزارنی چاہیے تھی۔ شاعر محترم نے شاید یہ فراموش کر دیا کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورود مسعود سے پہلے

وادی یثرب کی کیا فضیلت تھی؟۔ اور آپؐ کے جلوہ افروز ہونے کے بعد شاعر صاحب یہ گمان کیوں رکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں اور زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ "حضرت خضر کو جی بھر کے نہ جینا آیا" محض مفروضات اور گمان باطل پر مبنی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے ولی کامل یا علم لدنی کے حامل نبی کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب ہوا ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں توصیف فرمائی ہے۔ لہٰذا اس روش سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام :

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور ہم نے (اپنے فضل سے) نبیوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور داؤدؑ کو زبور عطا کی" (سورہ بنی اسرائیل۔ ۵۵) زبور میں ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ سب میں دعا اور اللہ تعالیٰ کی ثنا اور اس کی تحمید و تمجید ہے...... اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی امت خیرالامم " (کنزالایمان)۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ربانی ہے "اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کیا۔ وہ اللہ (تعالیٰ) کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے اور ان کے ساتھ پرند بھی (آیت ۷۹)۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ موضح القرآن میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ زبور پڑھتے وقت پہاڑ اور جانور بھی انہی کی سی آواز سے پڑھتے تھے۔"

سورۂ ص کی ۲۰ ویں آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (اے حبیبؐ) یہ (کافر) جو نامعقول باتیں کرتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد (کے واقعات) کو یاد کیجئے جو بڑا طاقتور تھا اور (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کا فرمانبردار بنا دیا تھا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے۔ عشاء اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو بھی وہ تسبیح کے وقت جمع ہوجاتے۔ اور سب ان کے فرمانبردار تھے۔(سورۂ ص۔۲۰)

سورہ ص کی محولہ بالا آیت اور اس سے ماقبل اور مابعد آیات کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جن گوناگوں انعامات سے بہرہ مند فرمایا تھا' ان کے بیان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کفار کی ہرزہ سرائی پر صبر کی تلقین فرمائی ہے اور تسلی دی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو "عبدنا" کہہ کر آپ کی خاص توقیر فرمائی ہے۔

آپ کی آواز اتنی دلکش' شیریں اور سوز و گداز سے لبریز تھی کہ جب آپ زبور پڑھتے تو اڑتے ہوئے پرند بھی زمین پر اتر کر آپ کے گرد بیٹھ جاتے اور آپ کے ہم آواز ہو کر تسبیح باری تعالیٰ میں مصروف ہوجاتے۔ اور اسی طرح پہاڑ بھی آپ کے ساتھ آواز ملا کر حمد باری تعالیٰ کرتے تھے۔

اب حضرت داؤد علیہ السلام کے مذکورہ بالا اوصاف جمیلہ سے بے خبر رہتے ہوئے ایک شاعر محترم کی تعلی ملاحظہ فرمایئے: ۔

مرے لحن پہ رشک داؤدؑ کو ہے
مدینے کی گلیوں کا نغمہ سرا ہوں

آپ نے دیکھا ایک جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام کے مقابلے میں فخر و مباہات کا یہ انداز کس قدر نامناسب ہے 'کیا یہ طرز کلام اسلامی عقائد کے مطابق ہے؟ کیا واقعی داؤد علیہ السلام کو شاعر محترم پر رشک ہے؟ کیا ایک غیر نبی کی گلیوں میں نغمہ سرا ہونا کسی پیغمبر (علیہ السلام) کا ایک آسمانی کتاب سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور نعت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) ایسی معجزانہ آواز سے پڑھنا کہ یسبح لہ ما فی السمٰوات والارض کے مصداق پہاڑ اور جانور بھی ان کے ہم آواز ہو جائیں' (نعوذ باللہ) شاعر صاحب کی نغمہ سرائی کے مقابلے میں کم حیثیت رکھتا ہے؟۔ ہر گز نہیں۔ ایک طرف کسی شاعر کا گمان باطل نظر آتا ہے اور دوسری جانب ٹھوس قرآنی شواہد۔ لہٰذا اس قسم کی تعلی سے گریز کرنا چاہیے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰؑ وے نعت تو در زبور داؤدؑ
مقصود توئی نہ آفرینش باقی بہ طفیل تست موجود

(حاشیہ کنز الایمان)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ العزیز کا مندرجہ ذیل شعر نعتیہ ادب میں لفظ "لحن" کے صحیح استعمال کی بہترین مثال ہے ۔

بہ لحن داؤدؑ ہمنوا شد' بہ نالہ' درد آشنا شو
بہ بزم پیغمبرؐ ایں غزل را' ز عبد عاجز نظام برخواں

حضرت سلیمان علیہ السلام :

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بڑے برگزیدہ نبی تھے۔ آپ کا تذکرہ قرآن کریم میں سولہ مقامات پر آیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی بعض خصوصی امتیازات سے سرفراز فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی حکومت عطا فرمائی کہ انسانوں کے علاوہ پرند' جنات اور ہوا کو آپ کے زیر فرمان بنا دیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم (نبوت) دیا اور ان دونوں نے کہا تمام حمد اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا۔ اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا۔ اور ہمیں ہر چیز بخشی گئی ہے۔ بیشک (حق تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔(سورۃ النمل۔ ۱۵)

اس آیت کی تشریح میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی" تحریر فرماتے ہیں "مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو اللہ تعالیٰ نے مشارق و مغارب ارض کا ملک عطا فرمایا۔ چالیس سال آپ اس کے مالک رہے۔ پھر تمام دنیا کی مملکت عطا فرمائی۔ جنات' انسان' پرندے' چوپائے' درندے' سب پر آپ کی حکومت تھی۔ اور ہر ایک شے کی زبان عطا فرمائی گئی (کنز الایمان) سورۃ النمل کی مابعد آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان اور ان کے لشکری) جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے' تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ کہیں تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ یہ سن کر (سلیمانؑ) کو ہنسی آگئی۔ وہ مسکرائے اور عرض کی اے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ترے احسانات کا شکر ادا کروں۔" (آیات ۱۹۔۱۸)۔

صدر الافاضل علیہ الرحمتہ ان آیات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب اس چیونٹی کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگی (اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ) یہ اس نے اس لیے کہا کہ وہ جانتی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں۔ صاحب عدل ہیں۔ جبر اور زیادتی آپ کی شان نہیں ہے۔ اس لیے اگر آپ کے لشکر سے چیونٹیاں کچل جائیں گی تو بے خبری ہی میں کچلی جائیں گی کہ وہ اس طرف سے گزرتے ہوں اور اس طرف التفات نہ کریں چیونٹی کی یہ بات آپ نے تین میل دور سے سن لی۔ اور ہوا ہر شخص کا کلام آپ کے سمع مبارک تک پہنچاتی تھی۔ جب آپ چیونٹیوں کی وادی کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو گئیں۔" (کنز الایمان)۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عدل کا بیان ہے ورنہ آپ کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار دیا گیا تھا ارشاد ربانی ہے (سلیمان علیہ السلام نے) عرض کی اے میرے پروردگار تو مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو بے حد عطا فرمانے والا ہے۔ تو ہم نے ہوا کو اس کے زیر فرمان کر دیا کہ اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی جہاں وہ چاہتا اور جنات سے ہر قسم کے معمار اور غوطہ خور اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے دیوان کے بس میں کر دئے یہ ہماری عطا ہے اب (اے سلیمان) اگر تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کوئی حساب نہیں۔" (سورۂ ص۔ ۳۵ تا ۳۹)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام روئے زمین کی حکومت کے ساتھ خلعت نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ یہ شان بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں ملی چنانچہ آپ اس فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ آپ کی عظمت شان کے بارے میں مذکورہ بالا قرآنی شواہد کی روشنی میں ایک کہنہ مشق زود گو اور کریم النفس شاعر محترم کا یہ حمدیہ شعر ملاحظہ فرمائیں ۔

چیونٹی بھی ترے عدل سے ہم شان سلیمانؑ
تنکا بھی ترے فضل سے اک کوہ گراں ہے

چنانچہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل سے ایک چیونٹی کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہم شان ہونے کا مرتبہ حاصل ہے' تو پھر زیادہ قرین حق یہ بات ہوگی کہ (نعوذ باللہ) انسانی برادری کا ہر فرد ہم شان سلیمانؑ ہے (کیونکہ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز حاصل ہے)۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے وہاں تمام انبیائے کرام کو بنی نوع انسان پر فضیلت کا اعزاز بخشا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما کر اپنے خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ انہی خصوصی انعام یافتہ نبیوںؑ میں سے ایک نبیؑ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

قرآن و سنت کی یہی تعلیم ہے کہ انبیائے کرام تمام مخلوقات سے اولیٰ ہوتے ہیں لہٰذا کسی غیر نبی کو ان میں سے کسی کے برابر سمجھنا آیات قرآنی کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اور ارادتاً" ایسے فعل کا ارتکاب انسان کو کفر سے قریب کر دیتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمتہ سیرت النبی جلد چہارم میں امام غزالی اور شاہ ولی اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں "نبوت انسانیت کے رتبے سے بالا تر ہے' جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالا تر ہے ——— وہ عطیۂ الٰہی اور موہبت ربانی ہے' سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی"

سید صاحب موصوف نے سیرت النبیؐ میں اس حقیقت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات پر نباتات کو فضیلت دی' نباتات پر حیوانات کو فضیلت دی۔ اور حیوانات پر انسان کو (نفس ناطقہ کی بنا پر) فضیلت دی۔ اور تمام انسانوں پر انبیاء و رسل کو (ان کے نفوس قدسیہ کی بنا پر) فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہ قانون الٰہی ہے اس میں ذات احکم الحاکمین کے علاوہ کسی کو رد و بدل کا اختیار نہیں۔ رہا قدرت الٰہی کا معاملہ کہ قدرت الٰہی سے ہر بات ممکن ہے۔ لہٰذا چیونٹی کا ہم شان سلیمان ہونا قدرت الٰہی سے بعید نہیں۔ بقول شاعر ۔

پروردگار سب ہے ترے اختیار میں
قدرت سے روح ڈال دے تصویر یار میں

تو اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ ذات قادر مطلق صادق الوعد ہے۔ وہ ذات مطلق کائنات کا نظام ایک مقررہ نظام کے تحت چلا رہی ہے۔ وہ ذات اگرچہ اپنی قدرت کے مظاہر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی صورت میں دکھاتی رہی ہے اور قیامت تک اولیاء کی کرامات کی شکل میں

دکھاتی رہے گی۔ لیکن اس نے قرآن کریم میں ارکان دین اور عقائد اسلام کے حوالے سے جو تفصیلات بیان فرما کر دین کی تکمیل اور مسلمانوں پر اتمام نعمت کی مہر ثبت فرمادی ہے' اس میں نہ کبھی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ یہی وہ عظیم الشان عقیدہ ہے جس کی بدولت دین کی بنیادیں مستحکم ہیں۔ ورنہ اگر آج (قرآنی تعلیمات کے منافی) ایک چیونٹی کو ہم شان سلیمان مان لیا جائے تو کیا بعید کل اسی بنیاد پر عصر حاضر کے کسی انسان کو دوسرے انبیائے کرام کا ہمسر و ہم شان ماننے کی بات چھڑ جائے اور گمراہی کا یہ سلسلہ فتنہ انکار ختم نبوت تک دراز ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شمار انبیاء کے اولوالعزم میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ آپ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) جیسی ہے۔ انہیں مٹی سے بنایا اور پھر فرمایا ہو جا' تو وہ ہو گیا۔" (آل عمران ۵۹)۔ اسی سورۃ مبارک کی ۴۹ ویں آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں ارشاد ربانی ہے "(اے بنی اسرائیل) میں تمہارے لیے مٹی سے پرند جیسی صورت بناتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جاتی ہے فوراً" اصل (جاندار) پرندہ اللہ کے حکم سے۔ اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے۔ اور بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بیشک ان معجزات میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے' اگر تم صاحب ایمان ہو۔" (آل عمران۔ ۴۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا دنیا و آخرت میں عیسیٰ ابن مریم سے میں بہت قریب اور متصل ہوں اور ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے (مشکوٰۃ شریف)

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ توراۃ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہے آپ کے روضۂ اقدس میں آپ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے۔ راوی کا بیان ہے جس حجرہ مبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آرام فرما ہیں۔ اس میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے) قبر کی جگہ باقی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف۔ ترمذی۔ کنزالایمان)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سب سے بڑے مبشر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور یہ باتیں بڑی بصیرت آموز ہیں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم الانبیاء و رسل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے بنی اسحٰق ہیں۔ آپ ہی نے بنی اسرائیل کو یہ بشارت دی

تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا (سورۃ الصف۔۶)۔ انجیل میں حضور اکرمؐ کا نام فار قلیط ان ہی معنی میں آیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اقدس ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں" (مشکوٰۃ شریف)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علوئے شان آپ کے معجزات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی مشابہت کے بارے میں ان مختصر معلومات کی روشنی میں مندرجہ ذیل شعر دیکھئے۔

آسناؤں لبِ احمدؐ کے تجھے معجزے اب
دیکھ بیٹھا ہوں مسیحا ترے اعجاز بہت

اس شعر میں سوءِ ادب کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ جب کسی بزرگ سے کوئی بات کہنا ہوتی ہے تو ادب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان کو بلانے کے بجائے عرض داشت پیش کرنے والا شخص خود ان کی خدمت میں حاضری کا خواستگار ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں غیب کی باتیں بتانا شامل ہے اور آپ رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود سب سے بڑے مبشر ہیں۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات سے انہیں بے خبر سمجھنا خوش عقیدگی کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب کا انداز اس شعر میں Chalange کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس انداز سے کسی نبی کو خطاب کرنا بے ادبی ہے۔

نبوت پر ولایت کو فضیلت دینا :

دنیائے اسلام کے ایک عظیم مفکر اور شاعر انگلستان جانے سے پیشتر جب دہلی گئے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو ایک طویل منقبت پیش کی جس میں یہ اشعار شامل تھے:

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
خروش میکدہ شوق ہے ترے دم سے
طلب ہو خضر کو جسکی وہ جام ہے تیرا

اسلامی عقائد کے ذیل میں یہ بات نقل کی جاچکی ہے کہ "ولی خواہ کتنے ہی بڑے مرتبے والا ہو کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو کسی غیر نبی کو افضل یا برابر بتائے کافر ہے" (بہار شریعت) محولہ بالا شعر میں ایک ولی اللہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سے بڑے مرتبے والا بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ اشعار اسلامی عقائد کے خلاف ہیں۔ ان اشعار میں خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام (جن کی

نبوت میں اختلاف نہیں) کی شان گھٹائی گئی ہے۔ لہٰذا یہ رویہ لائق تعزیر ہے اور نئی نسل کے شعرائے کرام کو اس سے اجتناب کرنا لازمی ہے تاکہ ایسی فاش غلطیوں اور بد عقیدگیوں کو دہرایا نہ جا سکے۔

اسلام میں دیگر انبیاءؑ کی توقیر :

مذہب اسلام نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی عظمت و توقیر کی تعلیم دی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ یہودی کی بیٹی ہے۔ حضرت صفیہؓ یہ سن کر رونے لگیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے۔ اور ان کو روتے ہوئے پایا۔ آپؐ نے پوچھا روتی کیوں ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت حفصہؓ نے میرے متعلق کہا ہے کہ یہ یہودی کی بیٹی ہے آپؐ نے فرمایا (نہیں) تم ایک پیغمبر (حضرت ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہو۔ اور تمہارا چچا (موسیٰ علیہ السلام) بھی پیغمبر ہے اور تم پیغمبر ہی کی زوجیت میں ہو۔ پھر وہ کس وجہ سے تم پر فخر کرتی ہے۔ پھر آپؐ نے (حضرت حفصہؓ سے) فرمایا حفصہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔" (ترمذی شریف)۔

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آقائے دوجہاں امام مرسلاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انبیائے سابقین علیہم السلام کے حفظ مراتب کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے۔ آپ کی یہ مبارک عادت تھی کہ جب کسی واقعہ کے تحت (مثلاً "شفاعت کبریٰ' لوائے حمد' مقام محمود وغیرہ) دیگر انبیائے کرام کے مقابلے میں اپنی ذات اقدس پر انعامات الٰہیہ کی کثرت بیان فرماتے تو ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ لہٰذا امت مسلمہ کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت ہونے پر شکر خداوندی بجا لائے اور دیگر انبیائے کرام کی تعظیم و توقیر کا بھی ہمیشہ خیال رکھے یہی راہ صواب ہے۔ خصوصاً" نعت نگار حضرات کو ان باتوں پر خصوصی توجہ دینا چاہیے۔

صراحت : بعض ناگزیر وجوہات کی بنأ پر یہ مقالہ نظر ثانی اور ترمیم و تنسیخ سے پیشتر (خام حالت میں) ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس میں بہتری کی بہت کچھ گنجائش موجود ہوگی تاہم کوشش یہی کی گئی ہے کہ نفس مضمون کی ضرورت و اہمیت کے لحاظ سے مناسب مواد معتبر اسناد کے ساتھ ہدیۂ قارئین کیا جائے تاکہ عقائد اسلام کے اس بنیادی رکن (ایمان بالرسل) کے بارے میں ضروری معلومات فراہم ہوں۔ اور ہماری نئی نسل کے نعت نگار اس سے کماحقہٗ استفادہ کر سکیں۔

آپ بھی توجہ فرمایئے :

حسب سابق ذیل میں قارئین کرام کی خدمت میں کچھ اشعار بلا تبصرہ پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اب

تک کی گفتگو سے جو مثبت اثرات آپ کے ذہن پر مرتب ہوئے ہیں تھوڑی سی توجہ فرمانے سے ان کے نتائج سامنے آسکیں:

مفت حاصل ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کھوٹے داموں بکے، یوسفؑ کی یہ تصویر نہیں

گناہ گاران امت کی حقیقت کیا کہ محشر میں
سارا ڈھونڈتے ہیں انبیاءؑ ان کی شفاعت کا

مری نگاہ ہر اک لمحہ اس کے در پر ہے
کہ جس کے در کا گداگر ہر اک پیمبر ہے

ثنائے خواجہ میں دیکھیں گے جب مرا اسلوب
تو کیا کہیں گے ملائک اور انبیاء مجھ کو

شاہِ مدینہ یثرب کے والی
سارے نبیؑ ترے در کے سوالی

ان کی قسمت پہ نبیوں کو بھی رشک ہے
جن کو تم سا حبیب خدا مل گیا

اک دن وہ دیکھ لیجے احمدؐ کے رخ کے جلوے
موسیٰؑ نہ کرتے طورِ شعلہ فگن کی حسرت

طور وہ روضہ ہے میں صورت موسیٰؑ لیکن
اپنی حد سے نگاہوں جو مزار آئے نظر

ہوش کر ہوش کہ موسیٰؑ کو نہ شکوہ ہو کوئی
گنبد سبز سے آنکھوں کو لڑانے والے

اک نہیں لاکھ زلیخا ترے یوسفؑ ہووے
پھر بھی بندہ ہے میرے یوسفِ لاثانی کا

طور کا جلوہ تھا جلوہ آپ کا
لن ترانی تھی صدائے مصطفیٰؐ

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

○

نعت پر تنقید (دوسرا رُخ)

پروفیسر عاصی کرنالی

نعت رنگ کے دو شمارے اور ان میں نئے ذائقے کی تحریریں نظر سے گذریں تو محسوس ہوا کہ ایک علمی اور تحقیقی خلا جو اس جریدے کے سبب پر ہوا۔ مختلف موضوعات پر اہل قلم کے مضامین تو اپنی جگہ لائق مطالعہ اور لائق استفادہ ہیں ہی۔ نعت پر تنقید کا ایک تحقیقی سلسلہ مضامین اپنی جگہ خاصے کی چیز ہے۔ لوگ جھجکتے تھے کہ جو اشعار سرکار رسالتؐ کی بارگاہ میں نذر عقیدت ہیں۔ ان پر قلم اٹھانا اور ان کے بارے میں تنقید کی جرات کرنا غیر مناسب بلکہ ایک طرح سے نعت کے تقدس کے منافی ہے۔ حالانکہ نعت کا نذر عقیدت ہونا ہی اس جذبے کا محرک ہے کہ حضورؐ کی درگاہ ادب میں جو نذر پیش کی جائے وہ کس قدر خالص، بے عیب اور منزہ ہونی چاہئے اور اس میں فنی اور معنوی سلامت روی اور حزم واحتیاط برتنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تجربے کا بھرپور آغاز نعت رنگ سے ہوا اور کیونکہ یہ سلسلہ' تنقید اپنے آغاز سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس لئے شرف اولیت بھی نعت رنگ ہی کو حاصل ہے۔

نعت کے موضوع پر تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا' الحمدللہ سلسلہ چل نکلا ہے اور متعدد اہل قلم نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور نہایت ادب آمیز جرات کے ساتھ بہت سی کام کی باتیں لکھی ہیں اور لکھ رہے ہیں حتیٰ کہ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی نعتیہ شعر پر تحسین کی جاتی ہے تو شاعر کا نام درج ہوتا ہے۔ اگر کہیں تنقید و تعریض ہوتی ہے اور کوئی اختلافی بات لکھی جاتی ہے تو شاعر کا حوالہ حذف ہوتا ہے۔ یہ روش نہایت قابل تعریف ہے۔ بات بھی ہو جاتی ہے اور پردہ بھی رہ جاتا ہے۔ اس روش کو اگر اسی طرح برتا جائے تو زیادہ مکمل کربات ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بعض ناقدین نے اختلاف کے مواقع پر نعت گو کا نام بھی لکھ دیا ہے اس سے شاعر شرمندہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس پردہ کشائی سے اجتناب مناسب ہے۔ یہ پردہ داری اس لئے بھی ضروری ہے کہ جہاں اس سے اخلاقیات کا ایک تقاضا پورا ہوتا ہے۔ وہیں نقاد کے لئے بچاؤ کی صورت بھی نکلتی ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ نقاد کو خامی کی نشان دہی کرتے ہوئے خود کوئی سہو ہو گیا

ہو۔ سو شاعر کا نام نہ لکھنے سے شاعر اور ناقد دونوں ہی کی پردہ داری کا تلازمہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ میں نعت رنگ میں "تنقید نعت" کی ناقدانہ روش کو اور محققانہ عمل کو نگاہ تحسین سے دیکھتا ہوں اور اس اولیت اور اس کے تسلسل پر نعت رنگ کے عملہ ادارت کو مبارک باد دیتا ہوں۔

اب مجھے تنقید نعت کے دوسرے رخ پر بات کرنی ہے۔ اس امر کا اظہار بے محل نہ ہو گا کہ تنقید کوئی آسان کام نہیں۔ نقاد کو بہت سے علوم و فنون پر عبور کامل ہونا چاہئے۔ خصوصاً" وہ جس صنف شعر و ادب پر قلم اٹھا رہا ہے۔ اس سے متعلق بہت سا ہمہ پہلو اور ہمہ جہت علمی ذخیرہ اس کے دامان علم میں ہونا چاہئے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ وہ جس صنف شعر و ادب پر تنقید اور تحقیق کر رہا ہے۔ اس سے وہ تخلیقی سطح پر بھی نہ صرف آشنا ہو بلکہ اس بحرِ ذخار کا شناور بھی ہو۔ المختصر اسے کامل دستگاہ حاصل ہو' تاکہ وہ استدلال اور حوالے کے ساتھ بات کر سکے اور شعور اور بصیرت کا اتنا بہرہ وافر اس کے پاس ہو کہ وہ اعتماد اور خود اعتباری کے ساتھ رائے قائم کر سکے اور محاکمے کے جادہ نازک سے سلامت روی کے ساتھ گزر سکے۔ نقاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب عدل ہو۔ کسی طرفداری اور کسی گروہنگ کا شکار نہ ہو۔ جذباتیت سے مغلوب نہ ہو۔ اس کی سوچ اور اس کا اظہار دونوں اس کی عالی ظرفی' بلند حوصلگی' صبر اور قوت برداشت کے غماز ہوں منصب نقد اصل میں منصب عدل ہے اور اس کے لئے اہلیت کی شرائط اور نقد و نظر کے ضوابط سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں میں خود ہی اس بات کی وضاحت کر دوں کہ جس طرح ہر شاعر جذبہ نعت گوئی کی فراوانی اور اضطراب شوق کے باوجود اعلیٰ درجے کا نعت گو نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نقد و نظر کا ہر مدعی بھی ایک معتبر نقاد نہیں بن سکتا۔ یقیناً" خواہش عدل کسی بھی شخص میں ہو سکتی ہے لیکن محض اس خواہش کی بناء پر اسے منصب عدالت پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ وہ عدل کی اہلیت کے ساتھ ساتھ عدل کے علم اور اس علم کے اسرار و رموز سے آشنا نہ ہو۔ ہم کس شخص سے یہ توقع باندھیں کہ وہ کسی غزل پر تنقید کرے اور اس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ شعر کو صحیح تقطیع کے ساتھ پڑھ بھی نہ سکے۔ جب کہ نقد غزل کے لئے اساس یہ ہونی چاہئے کہ وہ تخلیقی سطح پر خود اچھا غزل گو ہو اس کے علاوہ وہ غزل کے بارے میں جامعیت کے ساتھ بہت سا علم رکھتا ہو۔ غزل کیا ہے اس کے موضوعات اور مضامین کیا کیا ہیں۔ اس کے فنی حدود و قیود کیا ہیں۔ غزل اپنی ابتدا سے چل کر ارتقا کے کتنے مراحل طے کر چکی ہے۔ کن کن تحریکات اور دبستانوں سے کیا کیا اثرات اس نے قبول کئے ہیں۔ قدیم اور متوسط زمانوں' نیز عصر گزراں میں اس کا رنگ ڈھنگ کیا کیا رہا ہے۔ ہمارے سائنسی دور اور نئے علمی اکتشافات سے اس نے کیا کچھ جذب کیا ہے۔ وہ مختلف ادوار میں کن کن مسائل و افکار کی آئینہ

وار رہی ہے۔ غزل اور زبان و بیان کے تحولات و تغیرات، صنائع بدائع، عروض، بیان اور بلاغت کے کن کن پہلوؤں کا ظہور اس سے ہوا ہے۔ اسی غزل کا ایک اور متوازی مطالعہ یہ ہے کہ مختلف زبانوں سے اس کے اخذ و اثر اور جذب و انجذاب اور تاثر و تاثیر کی کیا کیا صورتیں سامنے آئی ہیں۔ غزل کے ناقد کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اسے بے شمار شعرائے قدیم و جدید کے موضوعات و اسالیب کے ساتھ ساتھ ان کے بے شمار اشعار کا بھی درک ہو۔ تب اتنی بہت سی علم آشنائی کے ساتھ اور شعور و بصیرت سے آراستہ ہو کر وہ غزل پر معتبر اور لائق استفادہ تنقید کر سکتا ہے۔ یہ ایک معمولی سی مثال میں نے عرض کی ہے جس سے مدعا محض اتنا ہے کہ تنقید کا منصب اور اس کی ذمہ داریاں بہت نازک اور اہم ہیں۔ میں یہاں یہ بھی وضاحت کرتا چلوں کہ میں کسی کی آزادی رائے کو سلب کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ بے شک ایک عام سطح کا آدمی بھی کوئی غزل سن کر یا کوئی افسانہ پڑھ کر اپنی ایک رائے قائم کر سکتا ہے لیکن تاثراتی رائے اور نقد و نظر میں جو امتیاز ہے اس سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں اور اکثر نگاہ عبرت سے یہ مناظر دیکھتے ہیں کہ کسی بھی تصنیف پر کوئی بھی شخص تقریظ یا دیباچہ لکھ مارتا ہے اور لطف یہ کہ ہم اس تقریظ نگار یا دیباچہ نویس سے متعارف ہوتے ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ گمنام ہے اور اس نے ادب کی ایک سطر بھی تخلیق نہیں کی لیکن خیر سے اس نے تنقیدی مضمون لکھ لیا۔ اب اس تنقیدی مضمون کو پڑھئے تو اس میں اتنی بے معنویت، لا یعنیت، تناقص اور تضاد حتیٰ کہ جملہ سازی کی اغلاط ہوتی ہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک! چشم بد دور ہمارے ملک میں ایسے نقادوں کی کھیپ کی کھیپ موجود ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی میں نہ ایک شعر کہا نہ ایک نثری جملہ تخلیق کیا لیکن تنقید لکھے جا رہے ہیں اور بربنائے بے علمی جو کچھ ذہن میں آیا، کاغذ پر گھسیٹ رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ گویا ان کے ہاتھ میں ایک "جج" کا قلم ہے۔ مصنف ہونے کی سزا کا حکم سنا دیں یا باعزت بری کر دیں۔ آپ وطن عزیز میں آئے دن ہزاروں کتابیں چھپتے دیکھتے ہیں اور ان کے آغاز میں ایک دیباچہ یا تنقیدی مضمون بھی ملاحظہ فرماتے ہیں۔ بعض تنقیدی مضامین تو ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ہی مضمون ذرا سے نام یا جملوں کے رد و بدل کے ساتھ کئی ایک کتاب نویسوں پر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی شاعر ایک سہرا لکھ کر صرف ناموں کے ادل بدل کے ساتھ اس سے آٹھ دس سہرے گھڑ لیتا ہے۔

جب عام اصناف ادب میں تنقید کے لئے اہلیت اور شرائط و لوازم کی سخت قید ہے تو نعت ایسی صنف بالفضل و اشرف میں نقاد کے معیار و منزلت کے بارے میں آپ کی توقعات کیا ہونی چاہئیں؟

مجھے اطمینان ہے کہ "نعت رنگ" کے ہر دو شماروں میں لائق اعتبار نقادوں کی محتاط آرا سامنے آئی ہیں

اور میں اور مجھ جیسے دوسرے قارئین یہ توقع رکھیں گے کہ نعت رنگ کے صفحات پر ہمیشہ اچھی ہی تنقید کے نمونے نظر سے گزریں گے اور جب کوئی تنقیدی مقالہ عملہ ادارت کے سامنے آئے گا وہ اسے بار بار پڑھیں گے اور نہایت ادارتی ذمہ داری اور صحافتی دیانت کو ملحوظ رکھیں گے۔ اگر وہ دیکھیں کہ کسی تنقیدی مقالے کا کوئی حصہ یا کچھ اجزا سطحی ہیں یا اختلافی مباحث کو ہوا دیتے ہیں۔ یا رنج و رنجش کا موجب بنتے ہیں۔ ان کو بلا تکلف حذف کیا جاسکتا ہے۔

نقاد کو کبھی یہ طے نہیں کرنا چاہئے کہ جو کچھ اس نے لکھ دیا ہے وہ قطعی ہے' حرف آخر ہے' قول فیصل ہے عدالتی فیصلہ ہے۔ ادب میں رائے ہوتی ہے' محاکمہ نہیں' یہ رائے جتنی وقیع بامعنی' معیاری اور پذیرا ہو' اچھا ہے۔ لیکن نقاد کی رائے میں کوئی جھول اور خامی بھی ہوسکتی ہے اس لئے اس کی تنقید پر کوئی ردعمل ہو اور کوئی اختلافی رائے سامنے آئے تو اسے عالی ظرفی کے ساتھ قبول کرکے اپنی رائے پر نظرثانی کرلینی چاہئے۔

ناقد نعت کو چند امور ذہن میں رکھنے اور انھیں بروئے کار لانا چاہئے۔

(۱) تنقید کرتے وقت جذباتیت اور غصے جیسی کیفیت پر قابو پانا چاہئے۔ اگر وہ کسی نعت گو کے یہاں کوئی (واقعی) خامی پائے تو اسے بے علم' بے خبر' گم راہ' کج رو جیسے القاب سے نہ نوازے۔ اسی طرح اسے وعید سے بھی باز رہنا چاہئے۔ خدا رحیم و کریم ہے اور عفو و درگزر اس کی صفت ہے۔ ہم وعید سناتے رہ جائیں اور وہاں سے پروانہ بخشش جاری ہوجائے واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) خامی اور خطا کی نشان دہی پر کسی کی نیک نیتی (اخلاص نیت) کو ہدف نہیں بنانا چاہئے اور ہرگز شبہ وارد نہیں کرنا چاہئے۔ کون ایسا مردود و معتوب و بدبخت ہوگا جو حضورؐ کا کلمہ بھی پڑھے' ان کی مدح و ثناء بھی کہے اور اس کی نیت میں فتور بھی ہو۔ وہ دانستہ ایسے مضمون باندھے جن میں کسر شان اور استخفاف ہو۔ خلوص نیت کے باوجود کوئی فکری سہو یا قلمی لغزش ہوجائے تو ایسا شاعر لائق نفرت نہیں بلکہ راہ نمائی اور ہمدردانہ ہدایت کا ضرورت مند ہے۔ ناقد کو چاہئے کہ اس پر کفر و شرک کا فتویٰ صادر کرنے کی بجائے اس کی علمی راہ بری کرے۔

(۳) اپنی تنقید کی گرم بازاری کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ناقد کئی نعتیہ تصانیف و ذخائر کا ڈھیر لگالے۔ آستینیں چڑھالے اور قلم کو نشتر بنا کر نیش زنی کا عزم کرلے اور یہ طے کرلے کہ مجھے عیب شماری اور خطا بینی کے فیلڈ کا چیمپین بننا ہے۔ بلکہ اگر کوئی نعت گو خود سے چاہے کہ اس کے کلام پر رائے زنی کر دی جائے تاکہ اسے اصلاح کی روشنی حاصل ہو' تب یہ اخلاقی فریضہ ادا کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔

(۴) تنقید اور خصوصاً" نعت پر تنقید کے رویے کے بارے میں ایک امر کے اختیار پر میں ضرور ناقدین سے اصرار کروں گا کہ وہ "مرحومین" کو زیرِ تنقید لانے سے عموماً" اجتناب فرمائیں۔ دنیا سے جانے والے اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو چکے ہیں۔ وہ جانیں ان کا رب جانے۔ پھر اب وہ اس مقام پر ہیں کہ ناقد کی عیب نمائی خطا جوئی اور اغلاط کی نشان دہی پر اپنی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اگر تنقید کے سیاق میں ان کا حوالہ لازمی ہی نظر آئے تو احترامِ رفتگاں' کے جذبے کے ساتھ نہایت ہلکے پھلکے انداز میں ان پر رائے زنی کرنی چاہئے۔

اکثر مرحومین نے یثرب کا لفظ بے تکلفانہ استعمال کیا ہے۔ یا عربی اور فارسی میں ضمیر واحد حاضر یا واحد غائب کا اتباع کرتے ہوئے اردو نعت میں بھی یہی ضمیر استعمال کی ہے۔ یا کہیں کہیں غلو اختیار کیا ہے۔ دنیا سے گزرنے والے اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ہاں جو ہمارے درمیان ہیں ان کی نعتوں پر فنی شرائط اور اخلاقی ضوابط کے ساتھ رائے کے اظہار میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(۵) غلو کی بات چلی ہے تو یہاں ایک اور نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ کی صفات کا پرتو بندگانِ الٰہی اور خصوصاً" عباد خاص (خاصان خدا) پر ہوتا ہے۔ خدا رحیم و کریم ہے' رحم و کرم کی صفت بندوں میں بھی ہوتی ہے۔ خدا رؤف ہے جواد ہے۔ خطائیں بخشنے والا ہے' عدل اور فضل اس کی صفات ہیں۔ بندوں میں بھی رافت و رحمت' جود و سخا' خطا پوشی اور انصاف پسندی کے اوصاف موجود ہیں۔ جو بندہ جس مرتبہ خلق ہو گا' اس کے اخلاق میں اتنا ہی غلو اور رفعت ہو گی۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام تو بے شمار صفاتِ الٰہیہ و اخلاقِ خداوندی کے پرتو سے خصوصاً" عکس پذیر اور متصف ہوتے ہیں۔ اس لئے نعت و ثنائے رسولؐ میں جب نعت گو نبیؐ کی وصف نگاری کرتا ہے تو بعض ناقدین اسے غلو قرار دے کر یہ ادبی فتویٰ دے ڈالتے ہیں کہ نعت نگار بے احتیاطی سے الٰہی حدود میں دخیل ہو گیا ہے۔ مثلاً" استعانت کا مضمون ہے ایاک نعبدو ایاک نستعین کی آیت بینہ میں استعانت باللہ کا حکم واضح ہے لیکن یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اعانت و نصرت کے سلسلے میں جو خدا کی حدود اختیارات ہیں (اور ان کی کوئی انتہا نہیں) ان میں کوئی نبی مداخلت نہیں کر سکتا۔ لیکن اعانت طلبی میں جو انسانی محدود اختیارات ہیں۔ ان کے پیش نظر ہم نعت میں ایسا مضمون کیوں نہیں لا سکتے جس کے وسیلے سے ہم اپنے نبی سے کچھ طلب کریں۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ شفائے کامل عطا کرنے والی ذات اس حکیم حاذق کی ہے جسے اللہ کہتے ہیں لیکن ہم امراضِ امت کے حوالے سے اگر نبیؐ سے درماں طلبی کریں تو اس میں استخفافِ الٰہی کی کون سی صورت نکلتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں ع تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر' یہاں نبی کو چارہ ساز کہہ کر پکارنے سے اللہ

کے شانی مطلق ہونے کی نفی کیسے ہو جاتی ہے۔ یا "نگاہے یا رسول اللہؐ نگاہے" کہہ کر اقبال جو اپنے نبیؐ کی چشم التفات سے نگاہ کرم کا طالب ہے' خدا کی نگاہ کرم سے کیسے بے نیاز ہو گیا؟

نتیجہ کلام یہ ہے کہ اگر ناقد ان مبادیات و امور کو نظر میں رکھے تو وہ استخفاف الٰہی کا حکم ہر مقام پر صادر نہیں کر سکتا۔

نعت رنگ کے سلسلہ نمبر ۲ میں کئی ناقدین نے نقد کے عمدہ اور اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔ اس فہرست میں جناب رشید وارثی بھی ہیں جن کی تنقید کا انداز نہایت عالمانہ ہے۔ میں ان کی محنت' دقت نظری' تحقیق اور تدقیق کا معترف ہوں۔ نام لئے بغیر انہوں نے میرے بعض اشعار پر گرفت کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے احتساب و نقد سے مجھے روشنی ملی ہے کیونکہ انہوں نے نہایت اخلاص سے میری نعت گوئی کی راہ گزر پر محبت اور ہدایت کے چراغ رکھ دئے ہیں اور میرے سفر کو آسان بنا دیا ہے۔ ایک دو مقامات پر میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ ایک مضمون یوں ہے کہ جب کائنات نہیں تھی تو عدم تھا۔ اس عدم کے باوجود خدا تھا اور اس کی "وحدت" تھی۔ بقول غالب: نہ تھا کچھ تو خدا تھا..... پھر خدا نے وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ تب کائنات کو وجود و ظہور بخشا اور صحرائے عدم چمنستان موجودات میں بدل گیا۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھ کر میں نے یہ شعر کہا۔

وہ جو آئے ہیں تو ساتھ آئی ہیں ساری رونقیں
ورنہ صحرائے عدم میں کیا تھا وحدت کے سوا

محترم ناقد نے اس شعر کو شان الوہیت کے استخفاف میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ جب نبی ظہور فرماتا ہے تو وہ خدا فراموش اور کثرت پرست انسانوں کو توحید آشنا کرتا ہے اور انہیں معرفت الٰہی سے روشناس کراتا ہے۔ دوسری جانب نبی مرسل انسانوں کی اخلاقی تربیت فرما کر انہیں شرف انسانیت سے بہرہ ور اور عظمت بشری کی منزل سے آشنا کرتا ہے تاکہ وہ نیابت الٰہی کے منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس ضمن میں میرا ایک شعر ہے۔

ہم نے پہچانا خدا کو اس سے بڑھ کر یہ ہوا
تیرے ملنے سے ہمیں اپنی شناسائی ملی

یہ بھی جناب ناقد کی نظر میں شان الوہیت کے منافی شعر قرار پایا۔

ایک اور شعر کو زیر تنقید لاتے ہوئے کہا گیا کہ "یہ صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب سے ہے"۔ حالانکہ صدارتی ایوارڈ کسی ہنر پر مہر تصدیق نہیں ہوتا۔ منصب نقد ایسے جذباتی لہجے کی اجازت نہیں دیتا نعت

رنگ سلسلہ نمبر۱ میں جناب عزیز احسن کا ناقدانہ مضمون بڑے پایے کا ہے اور انھوں نے واقعی تنقید و تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ ایک مقام پر (ان کے نہایت احترام و تکریم کے باوصف) میں ان سے اتفاق نہیں کرسکا۔ جناب حافظ لدھیانوی جو عصرِحاضر میں نعت کے تاریخ سازوں میں ہیں اور جن کا تخلیقی ذخیرہ معیار و مقدار کے اعتبار سے نہایت گراں قدر ہے' ان کی ایک نعت میں فاضل نقاد نے چند اشعار الگ کرکے یہ فرمایا ہے کہ یہ حمد کی تعریف میں آتے ہیں' نعت پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا' میری اختلافی رائے کے مطابق یہ نعت "نعت مسلسل" کی تعریف میں آتی ہے جیسے بعض غزلیں' غزل مسلسل کے اسلوب میں کہی گئی ہیں۔ ایسی غزل یا نعت میں کسی مضمون کا تسلسل ہوتا ہے اور اول سے آخر تک یکساں فضا پائی جاتی ہے۔ مسلسل کلام سے دو چار شعروں کو الگ نہیں کیا جاتا۔ مسلسل نعت میں یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ہر شعر میں قرینہ نعت موجود ہو' ایسے تمام اشعار ایک یونٹ کی شکل میں ہوتے ہیں اور ان میں ایک معنوی ربط کا تلازمہ ازاول تا آخر موجود ہوتا ہے۔ ویسے بھی حافظ صاحب کی زیرِ تنقید نعت جس مجموعے سے لی گئی ہے اس کا نام ہی "کیف مسلسل" ہے۔ یہاں میری یہ بات جو اوپر مذکور ہوئی' ضرور یاد رکھیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے صفاتی اور اخلاق حسنہ اس قدر بیکراں ہیں کہ فاضل ناقد نے جن اشعار کو علیحدہ کرکے حمد خداوندی سے منسوب کیا ہے وہ حضورؐ ہی کے آئینۂ اخلاق کا مظہر ہیں۔

مثلاً"

چشمہ فیض ہے رواں تیرا سب پہ ہے لطف بیکراں تیرا
ذرے ذرے میں ہے جمال تیرا نور ہے ہر کہیں عیاں تیرا
کیسے حافظ ثناء کرے تیری وصف ہو اس سے کیا بیاں تیرا

کیونکہ یہ "کیف مسلسل" کے مجموعے سے ہیں اور کیونکہ یہ نعت مسلسل کی تعریف میں آتے ہیں اور کیونکہ شاعر نے خلوص نیت کے ساتھ انھیں نعتیہ کلام میں شامل کیا ہے' اور کیونکہ کلام مسلسل میں ہر شعر کے لئے قرینے کا تلازمہ نہیں ہوتا اور کیونکہ اخلاق محمدیؐ کی کوئی حد و نہایت نہیں' اس لئے براہ کرم کھینچ تان کرانھیں "حمد الٰہی" کے احاطے میں نہ لایئے اور نعت ہی رہنے دیجئے!

المختصر نعت رنگ کا یہ اقدام یعنی نعت پر تنقید وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت ہے اور اب تک شائع ہونے والے تنقیدی مواد نے حقیقتاً نعت نگاروں کی فکری تربیت کا لائق تحسین فریضہ انجام دیا ہے اور یہ مبارک کام جاری رہنا چاہئے۔ بس میں ایک جملے میں صرف ایک ضروری نکتہ عرض کرنا

چاہوں گا کہ جتنا نازک کام نعت نگاری ہے' اتنا ہی بلکہ اس سے بھی نازک تر کام نعت پر تنقید ہے۔

آج کے تناظر میں عرفی کا یہ شعر نعت اور تنقید نعت دونوں پر صادق آتا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

اردو نعت اور جدید اسالیب

عزیز احسن

ادب زندگی کی حیاتی حقیقتوں اور دل ودماغ پر پڑنے والے اجتماعی اثرات کا عکاس ہوتا ہے۔ ادب میں خبر نہیں بلکہ اس خبر سے انسانی شخصیت یا پورے معاشرے کے عمرانی حالات پر پڑنے والے تاثر کو محسوس کیا جاتا ہے۔ یہاں تاریخ انسانی واقعاتی صداقتوں کے ساتھ نہیں لکھی جاتی ہے بلکہ تاریخی عمل سے اجتماعی شعور پر پڑنے والے جذباتی بھنور منعکس ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل دانش واقعات جاننے کے لیے تاریخ اور واقعات کے عمرانی اثرات اور انسانی احساسات جاننے کے لیے ادب پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا ہے ادب کی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ ادب کے مواد (Content) میں بھی انقلاب آتا ہے اور موضوعات و اسالیب میں بھی زندگی کی گھمبیرتا سنائی دیتی ہے۔ جس ادب میں وقت کا ساتھ دینے کی سکت نہیں ہوتی وہ ادب جامد ہو کر زندگی کو متاثر کرنے والی صلاحیت کھو دیتا ہے اور یوں ادب کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اردو نعت بھی عہد بہ عہد ارتقائی مراحل سے آشنا ہوتی رہی ہے۔ یہاں بھی شعری اسالیب میں ہونے والی تبدیلیاں اور اجتماعی حالات کے اثرات کی گونج سنائی دیتی ہے۔ زمانی اور مکانی حوالے بھی کسی نہ کسی نہج پر اردو نعت میں راہ پاتے رہے ہیں۔۔۔ لیکن ادب کی دوسری اصناف اور عام شاعری (General poetry) کے مقابلے میں لہجے کی تبدیلیاں اور اسالیب کی چمک دمک نعت میں ذرا سست رفتاری سے اجاگر ہوئی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شعر پر فنی گرفت رکھنے والے شعراء نے تو صرف حصول سعادت کے لیے اکا دکا نعتیں کہہ کر تسکین پالی اور جن لوگوں نے نعت گوئی پر خصوصی توجہ دی ان میں ادبی شعور رکھنے والے شعراء کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔

نعت کا موضوع تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے لیکن اس کی جہتیں ہر عہد میں نو دریافت دنیاؤں کی طرح افق نعت پر روشن ہوتی رہی ہیں۔ ولی دکنی سے احمد ندیم قاسمی تک غزل کے لہجے میں جو تبدیلیاں آئیں اور اسالیب میں جو نکھار پیدا ہوا اس کے باعث غزل کی ہیئت میں کہی جانے والی نعتوں کا لہجہ بھی کسی نہ کسی حد تک بدلا اور نعتیہ نظموں میں بیانیہ (Narrative) اور خطابیہ (Rhetoric) انداز خاصی حد تک کم ہوا ہے اور اب اچھے شعراء کا نعتیہ نظموں میں بھی کم و بیش وہی تخلیقی رویہ ہے جو وہ اپنی

عمومی شاعری (General Poetry) میں اپناتے ہیں۔ آج کی نظم خیالات کی گہرائی اور علامتوں کے استعمال کی وجہ سے تجریدی مصوری کا سا روپ دھار چکی ہے۔۔۔ اور بعض شعراء اپنے تخلیقی خلوص کی وجہ سے خوبصورت نظمیں کہنے میں بہت کامیاب ہوئے ہیں اور وہ نظمیں اپنی فلسفیانہ گہرائی اور علامتوں کی ندرت کے باوجود محروم ابلاغ نہیں رہی ہیں۔ نظم میں غزل کی طرح عوامی اپیل نہ سہی لیکن زندگی کے پیچیدہ مسائل اور خیالات کی بوقلمونی جس کامیابی سے نظم میں اجاگر ہو سکتی ہے غزل کے اشعار کی اکائیوں میں نہیں ہو سکتی۔

اصناف سخن کی اہمیت اور محدودات یا وسعتیں اور ہیئتی تنوعات کا ذکر تو ضمناً" آگیا ہمیں تو اس مضمون میں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اردو نعت میں جدید اسالیب نے کس حد تک راہ پائی ہے اور مضامین کے حوالے سے اس صنف شریف میں کیا وسعتیں پیدا ہو سکی ہیں۔؟

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار' آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کی آرزو' مدینہ پہنچنے کی تڑپ' حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے معجزات بالخصوص معراج کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشرف الانبیاء ہونے کا تذکرہ' آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی ترغیب' آپ ﷺ کی عملی زندگی کی مختلف جہتوں کی مرحلہ وار یا جزوی تصویر کشی آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی والہانہ عقیدت اور جاں نثاری کے واقعات تو اردو نعت کی صغر سنی ہی سے رقم ہوتے رہے ہیں اور بیشتر نعتوں میں عصری آشوب کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست استمداد کا ذکر بھی ہے یا آپ سے دعا کی درخواست کی گئی ہے مثلاً"

ع اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے

موضوعات آج بھی کم و بیش وہی ہیں لیکن باشعور نعت گو شعراء کا لہجہ عصری ادبی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو رہا ہے جو نعت کے ارتقاء کی علامت ہے۔

نعتیہ افق پر جدیدیت کا پہلا ستارہ اقبال کے اس شعر کی صورت میں روشن ہوا۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اقبال کے اس شعر سے قبل معراج کے حوالے سے اردو کی ابتداء ہی سے نعتیہ غزلوں اور مثنویوں میں واقعہ معراج کا ذکر کثرت سے ہوا تھا۔ احمد رضا صاحب بریلوی نے تو ایک قصیدہ بھی "در تہنیت شادی اسرا" کے زیر عنوان لکھا تھا جس کا مطلع یہ تھا۔ ۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

لیکن معراج پر تمام اردو شعری سرمائے میں اقبال کا سا کوئی شعر نہیں تھا۔۔۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے اقبال سے قبل مذہبی لٹریچر میں انسانی دنیا پر معراج محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات کا ذکر اس قدر سائنٹیفک انداز میں شاید ہی ہوا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو محض آپ ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بیان کرنا ایک جہت ضرور ہے لیکن آپ ﷺ کے معجزات کو رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے بلوغ اور ذہنی و عملی ارتقاء کے تناظر میں دیکھ کر مدلل انداز میں پیش کرنا کچھ اور ہی چیز ہے۔ اس حوالے سے اردو نعتیہ شاعری پر فکری دروازے کھولنے کی یہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی۔

ارض پاکستان میں گزشتہ دو تین دہائیوں سے "رفعنالک ذکرک" (ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا) (الم نشرح آیت ۴) کی عملی تفسیر فضاؤں پہ تحریر ہو چکی ہے۔ نعت گوئی بلندی ذکر رسالت مآب ﷺ کے لیے ایک اہم وسیلہ ہے لہٰذا اس خطے کے شعراء اس میدان میں اپنے اپنے فن کی پونجی لے کر حاضر ہو گئے ہیں ان شعراء میں کچھ نعت کے متخصصین ہیں اور بیشتر حصول سعادت کے لیے نعت گو شعراء کی لے سے لے ملا رہے ہیں۔ اس کارواں میں بعض شعراء اپنے فنی خلوص اور نعت سے خصوصی قلبی نسبت کے طفیل اوروں سے نمایاں ہو گئے ہیں اس لیے اب امید کی جاتی ہے کہ نعت گو شعراء کے حوالے سے پیدا ہونے والے سوال کا جواب بھی جلد یا بدیر مل جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ نعت گو شعراء کا ادبی مقام کیا ہے؟۔ اب جواب دیا جا سکے گا کہ نعت گو شعراء کا ادبی مقام عمومی شاعری (General Poetry) کرنے والے سخن وروں سے کسی طور سبک نہ ہوگا۔ بلکہ آج جس ادبی شان سے نعتیں کہی جا رہی ہیں اس کا تقاضا ہے کہ نعت گو شعراء کو ادبی اور مذہبی دونوں حوالوں سے وقعت ملے اور ان کو دوہری اہمیت دی جائے۔ اردو نعت کے افق پر روشن لہجوں کی دھنک اور اسالیب کی چمک میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے والے شعراء بے شمار ہیں۔ اس مختصر سے مقالے میں سب شعراء کرام کا ذکر کرنا تو ممکن نہیں ہوگا میں تو یہاں صرف چند شعراء کا نمونہ کلام پیش کر سکوں گا۔ اس مضمون میں جن شعراء کا تذکرہ ہوگا ضروری نہیں کہ جدید نعت میں صرف وہی قابل ذکر ہوں اور جن شعراء کا حوالہ نہ آ سکے وہ خدانخواستہ ناقابل اعتناء ہوں بلکہ ہو سکتا ہے بعض جدید تر شعراء کا کلام پیش ہی نہ کیا جا سکے! اس کوتاہی میں میرے خلوص انتخاب سے زیادہ میری نارسی کو دخل ہوگا۔ جدید نعت کے ضمن میں اقبال کا معرکۃ الآرا شعر پیش کیا جا چکا ہے۔

دیکھئے اسی موضوع پر عارف عبدالتین کس زاویے سے بات کرتے ہیں۔

ماہ و انجم ہیں غبارِ رہِ ابنِ آدم
بن گئی ایک حقیقت یہ حکایت تجھ سے

یا۔

مرحلے تیرے سفر کے تھے ازل اور ابد
جادۂ وقت سے آگے ترا جادہ دیکھا

عارف عبدالتین کی نعتیہ شاعری جدید شعری آہنگ کی مثال اور نئے طرزِ احساس و اظہار کی علامت ہے۔ دیکھئے انہوں نے خاتم الرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بیان کس سانچے میں ڈھالا ہے۔

سر و قد دیکھے ہیں تاریخ نے لاکھوں لیکن
قد کسی کا بھی ترے قد سے نہ اونچا دیکھا!

عصری نعتیہ شاعری میں کربِ آگہی نے ایک نئی صورتِ اظہار پائی ہے۔ اب نعتیہ شاعری میں شاعر اپنی ذات کو بھی موضوع بناتا ہے۔ بعض شعراء اپنی ذات میں تعمیم (Generalization) کا عنصر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس سے ان کے اظہار میں انفرادیت کے بجائے اجتماعیت جھلکنے لگتی ہے گویا وہ اپنی ذات کے حوالے سے اپنے عہد کے اجتماعی رویے کی عکاسی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ عارف عبدالتین حضور ﷺ کی سیرت کے نقوش سے اپنی ذات (یا اسلامی معاشرے) کو مستنیر کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ یہ کام خود آقائے نامدار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے خود آقا سے استمداد چاہتے ہیں ۔

سانچے میں اپنے تو مرا کردار ڈھال دے
ہو جاؤں لازوال مجھے وہ کمال دے
ہر گام پر چمن میں کھلاؤں گل و سمن
موجِ نسیم ہے تو مجھے اپنی چال دے
تو آفتابِ مہر بھی ماہِ کرم بھی ہے
دن رات میرے نور سے اپنے اجال دے
اپنا جمال دے کہ کبھی چاند میں ڈھلوں
سورج بنوں کبھی مجھے اپنا جلال دے

رخ مصطفےٰ ﷺ کو آئینہ کہنے کا ایک انداز تو یہ تھا کہ ۔

رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

لیکن جدید شاعری میں اسوہ رسول اکرم ﷺ کا آئینہ خود آگاہی اور عرفان ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

آئینے کی طرح تجھ کو دیکھ کر مجھ پر کھلے
میرے خدو خال کیسے ہیں میں کیا ہوں کون ہوں

اللہ تعالی نے قرآن کریم کے ذریعے تسخیر کائنات کا حکم دیا ہے اور معجزہ معراج تسخیر کائنات کا عملی استعارہ ہے۔ عارف عبدالمتینؒ نے معراج نبویؐ کے حوالے سے تسخیر کائنات کی تمنا کی ہے ۔

میں کروں تیری طرح تسخیر یہ ارض و سماں
یوں شب معراج کے سانچے میں خود کو ڈھال لوں

عارف نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے کہ مسلمان کی قوت کا سرچشمہ حضورؐ کی ذات والا صفات ہے ۔

میں نا تواں ہوں مگر آپؐ میری قوت ہیں
میں جب بھی گرتا ہوں. مجھ کو سنبھالتے ہیں آپؐ

ان کے کلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن جمال سے خود کو چمکانے کی خواہش اتنی شدید ہے کہ وہ اپنے آپ کو فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام پر دیکھنے کے خواہاں ہیں لیکن عارف عبدالمتین کا تصور فنا فی الرسول ﷺ صوفیانہ تصور فنا فی الرسول ﷺ کی طرح ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی اور معاشرتی ہے وہ اپنی بات اپنی ذات تک محدود نہیں رہنے دیتے بلکہ اس خواہش کو عمرانی حوالہ بنا دیتے ہیں ۔

تو ہے جمال سراپا' میں ہوں تیرا خوشہ چین
اپنا حسن نمایاں کردے' مجھ کو رکھ مستور

اسی طرح ان کی شاعری میں نور نبوی ﷺ کا تذکرہ بھی نور و بشر کا روایتی قضیہ نہیں بنتا بلکہ ان کے ہاں نور نے منشور حیات اور دستور زندگی کی صورت اختیار کرلی ہے۔ تفہیم دین کے ضمن میں یہ بڑا منفرد اور عملی (practical) زاویۂ نظر ہے۔ ملاحظہ ہو ایک مختصر نظم

وہ نور جس کو ازل سے انساں کی آنکھ ترسی

وہ نور جس کا وجود محسوس ہورہا تھا
مگر جو نظروں کی زد سے باہر کہیں نہاں تھا
تری بصیرت کے صاف منشور سے جو گزرا
تو سات رنگوں میں ڈھل کے ابھرا
دھنک کی صورت
نگاہ کے راستے سے۔ انساں کے دل میں اترا
(نور' منشور اور دھنک)

نعت کی دنیا میں عارف عبدالتین کی آواز ایک منفرد آواز ہے اور جدید نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ آواز بڑی توانا بھی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کی ادبی خدمات سے کون واقف نہیں؟ انھوں نے غزل کو روایتی بندھنوں سے نکالنے اور اسے سنوارنے میں جو پر خلوص کاوش کی ہے وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ندیم نے نعت بھی کہی ہے اور اس صنف میں بھی اپنے لہجے کی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے اور اس خوبی سے کہ نعت کا حسن بھی قائم رہا۔ احمد ندیم قاسمی کے لہجے کی تازگی نے نعت نگاری کی روایت میں مروجہ غزل کا آہنگ اس طرح سمویا ہے کہ نعتیہ شاعری کا اعتبار میں اضافہ کردیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جب آپؐ کے دشمن جاں بھی ملے تو وہ آپؐ ہی کے ہوگئے۔ اس مضمون کو صدیوں سے لوگ نعتوں کا حصہ بنا رہے ہیں۔ لیکن ندیم نے کچھ اس اسلوب سے بات کی ہے کہ دل میں ترازو ہوجاتی ہے ۔

جاں تری سر بسر جمال' دل ترا آئینہ مثال
تجھ کو ترے عدو نے بھی دیکھا تو ہوگیا ترا

اس نعت کے اور شعر ملاحظہ ہوں ۔

اے مرے شاہ شرق و غرب! نان جویں غذا تری
اے مرے بوریا نشیں! سارا جہاں گدا ترا

یوں تو تیری رسائیاں فرش سے عرش تک محیط
میں نے تو اپنے دل میں بھی پایا ہے نقشِ پا ترا

دور سہی دیار نور' چور سہی مرا شعور

تو مرا حوصلہ تو دیکھ میں بھی ہوں مبتلا ترا

محمد حسن عسکری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں حالی کی نعت ع

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے بہی کھاتا لکھا ہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ حالی نے ان فوائد کی فہرست بنائی ہے جو آنحضرت سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے ہیں اور فوائد بھی روحانی اور اندرونی قسم کے نہیں بلکہ ظاہری اور سماجی قسم کے...... لیکن بعد کے حالات نے یہ ثابت کردیا کہ بین الاقوامی معاشرے کے سامنے اسلام کی عملی تصویر پیش کرنے کے لیے لازمی ہے کہ دین کو محض صوفی کی نگاہ سے نہیں بلکہ مجاہد کی نگاہ سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی جائے کیونکہ مجاہد آلاتِ حرب اور سامان حیات سے دست بردار نہیں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارک کا عملی پہلو ہر وقت سامنے رکھنا ہوگا اور ظاہر ہے جب آپ ﷺ کے عمل کی بات آئے گی تو انسانیت کو آپ کی ذات گرامی سے پہنچنے والے فوائد بھی سامنے آئیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ عسکری صاحب کو (اس وقت کے مخصوص حالات میں بالوجوہ) نعت کے جس پہلو پر اعتراض تھا بعد کے نعت گو شعراء میں اسی طرز کو اپنانے کا رجحان بڑھتا چلا گیا اور آج تقریباً" ہر نعت گو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کے ان احسانات کا تذکرہ کرتا ہے جن کے زیر اثر انسانیت کو فلاح دین و دنیا نصیب ہوئی ہے۔ اس تناظر میں احمد ندیم قاسمی کی نعت کے یہ اشعار دیکھئے ؎

تو جب آیا تو مٹی روح و بدن کی تفریق
تو نے انساں کے خیالوں میں لہو دوڑایا

جن کو دھندلا گئے صدیوں کی غریبی کے غبار
ان خدوخال کو سونے کی طرح چمکایا

سمٹ آیا ترے اک حرفِ صداقت میں وہ راز
فلسفوں نے جسے تاحدِ گماں الجھایا

کتنا احسان ہے انسان پہ تیرا کہ اسے
اپنی گفتار کو کردار بناتا آیا

سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو ؎

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم

مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

ندیم کی نعتیہ شاعری میں آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات کو دیکھنے کے وہ زاویے بھی روشن ہیں جو صوفی کی نگاہ میں نہیں سما سکتے مثلاً" ۔

میں تجھے عالم اشیاء میں بھی پالیتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالمِ بالا تیرا

اور یہ پہلو دیکھ کر ندیم کو وہ بصیرت نصیب ہوئی کہ اب وہ خانقاہ کے خلوت نشینوں کو بھی اس طرح کی دعوت نظارگی دے رہے ہیں ۔

میری آنکھوں سے جو ڈھونڈیں تجھے ہر سو دیکھیں
صرف خلوت میں جو کرتے ہیں نظارا تیرا

احمد ندیم قاسمی نعت نگاری کو محض روایتی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ وہ فنکاری کے بھرپور شعور کے ساتھ نعت تخلیق کرتے ہیں اور بجا طور پر کہتے ہیں ۔

فن کی تخلیق کے لمحوں میں تصور اس کا
روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے

پس ہر حرف وہی جلوہ فگن رہتے ہیں
میری مانند مرا فن بھی وفادار ان کا

سرشار صدیقی کا مجموعہ حمد و نعت "اساس" بڑے تازہ لہجے اور جدید آہنگ شعر کا حامل مجموعہ ہے۔ ایسے مجموعوں سے مذہبی شاعری کو شاعری کی دنیا میں اعتبار اور جہان فن میں وقار حاصل ہوتا ہے۔ اگر شعر کی محض مذہبی حوالے سے تحسین ہو تو اس کی شعریت مشکوک ہو جاتی ہے اس لیے صاحبانِ فن مذہبی حوالوں سے مزین شاعری میں لطافت ہنر کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ سرشار صدیقی کی شاعری کمیت (QUANTITY) میں قلیل سہی لیکن فنی معیارات اور جدید تخلیقی رو کے اعتبار سے بڑی وقیع ہے۔ گنبد خضرا دیکھ کر دل کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کا بیان کم و بیش ہر اس شاعر نے کیا ہے جس کو گنبد خضرا دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ لیکن دیکھیے سرشار نے کس تازہ لہجے میں بات کی ہے ۔

دور سے گنبد خضرا دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شورِ نشور ہوا

"روح کا گہرا سناٹا" اور "شورِ نشور" کس قدر معنی خیز اور بلیغ تراکیب ہیں اور نعتیہ شاعری میں کس

جدت فن اور تخلیقی شعور کے ساتھ برتی گئی ہیں۔

سرشار صدیقی نے اپنی نعتیہ شاعری میں بڑے فخر سے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے جد امجد حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے (مردوں میں) سب سے پہلے ایمان قبول کیا تھا ۔

سب سے پہلی گواہی میرے جدنے دی
پھر تو یہ منصب مجھ تک سلسلہ وار چلا

نسبت صدیقی کو سرشار اپنی پہچان
سمجھتے ہیں۔ جز نسبت صدیقی کیا نام و نسب اپنا
ہم ان کے رفیقوں کے قدموں کے نشاں ٹھہرے

سرشار نے نعت کو شعوری طور پر جدید غزل کا لہجہ تو دیا لیکن انہوں نے نعت کو آداب مدحت سے پوری طرح آراستہ کیا ہے کیونکہ ان کی نعتیہ شاعری میں صرف شاعرانہ حسن ہی نہیں ہے بلکہ مذہبی تقدس کا احساس بھی جھلکتا ہے وہ کہتے ہیں ۔

نعتوں میں برتتے ہیں آداب عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

سرشار نے اپنی نعتیہ شاعری مدینے کے سفرنامے کے طور پر بھی متعارف کرائی ہے اور اپنی سادگی اور پرکاری سے قاری کو ان فضاؤں میں پہنچا کر واپسی کا رخت سفر باندھا ہے تو جو کسک خود محسوس کی ہے وہی کسک قاری کی لوح دل پر مرتسم کردی ہے ۔

جس سرزمیں پہ آج بھی ہے باب جبرئیل
اس سر زمیں پہ عرش بریں چھوڑ آئے ہیں

وہ روضۂ رسولؐ وہ صدیقؓ کا مزار
اک شہرِ علم و شہرِ یقیں چھوڑ آئے ہیں

آرام گاہِ حضرتِ فاروقؓ کی قسم
ہم افتخارِ فتح مبیں چھوڑ آئے ہیں

سرشارؔ واپسی پہ یہ عالم ہے جس طرح
ہم ساری کائنات کہیں چھوڑ آئے ہیں

سرشار صدیقی نے سفرِ طیبہ کو عشق سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی منازل پر صعود کا زینہ بنایا اس لیے ان کے قلب پر صحن حرم میں عشق کی آیتیں نازل ہونے لگیں ۔

مجھ پہ تیرے عشق کی آیتیں نازل ہوئیں
صحن حرم بھی مجھے غار حرا ہو گیا

سرشار نے حرف مدح کو لوح یقیں پر اسم ''محمدؐ'' لکھ کر محترم کیا ہے اس لیے ان کی نعتیہ شاعری کی فضا دوسرے جدید شعراء سے مختلف نظر آتی ہے۔ سرشار کی شاعری میں شعری ضرورت کے لیے موضوع کی مقدس حدود سے تجاوز نہیں کیا گیا ہے۔ ۔

میں اپنے حرف مدح کو یوں محترم کروں
لوحِ یقیں پہ اسمِ محمدؐ رقم کروں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کرم کرنے سے پیشتر وہ تہذیب التجا کی تعلیم کی تمنا کرتے ہیں ۔

تہذیبِ التجا مجھے تعلیم کر کہ میں
دربارِ مصطفیٰؐ میں سوالِ کرم کروں

محسن کاکوروی جدید نعت کے بانیوں میں شامل ہیں۔ ان کے قصیدہ لامیہ کو جو خداداد شہرت نصیب ہوئی وہ ادب شناسوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سرشار نے غزل کے لہجے میں نعت رقم کی ہے اور محسن کی زمین میں نعتوں کے گلاب کھلائے ہیں اور اس طرح کہ ان کا شعری آہنگ اور غزل کا مزاج بھی برقرار رہا اور نعت کا تقدس بھی قائم رہا ملاحظہ ہو یہ نعت

مطلعِ فکر پہ روشن ہے رسالتؐ کا کنول
کہ مجھے نعت کے اسلوب میں لکھنی ہے غزل
پھر کسی روح کے صحرا کا مقدر جاگا
پھر مدینے سے اٹھے لطف و کرم کے بادل
ہاں قدم بوسی کے جذبے میں صداقت بھی تو ہو
خود بدل جاتے ہیں سب ہجر کے اسباب و علل
مرحبا صلِ علیٰ یادِ مدینہ آئی
یوں بھی احساس کے ویرانوں میں کھلتے ہیں کنول

یورش غم میں وہ گیسو مجھے یوں یاد آئے
جیسے چھا جائیں کڑی دھوپ میں گھرے بادل
روشنی حرف ہدایت ہے کسی نام سے ہو
عرش سے غار حرا تک وہی اک نورِ ازل
یہ اسی ذات گرامی کا کرم ہے سرشارؔ
جگمگا اٹھا میری نعت سے ایوانِ غزل

اساس میں شامل نظمیں بھی تخلیقی سطح پر عقیدتوں کے اظہار کی عمدہ مثال ہیں نمونے کے طور پر چند لائنیں ملاحظہ ہوں۔

یہ دن وہ دن ہے
کہ وجہ تخلیق دو جہاں کا ورود ہوگا
ورود ہوگا
تو ہم سے بے راہ و کم عقیدہ
گناہ گاروں کا ذکر ہی کیا
کہ انبیاء ان کے خیر مقدم کو
صف بہ صف ایستادہ ہوں گے
اور ان کے لب پر درود ہوگا
سلام ہوگا
سلام ان پر
درود ان پر
فدا ہمارا وجود ان پر

(ظہور)

سرشار صدیقی نے بہت خوب کہا ہے کہ انہوں نے "مذہب کی محدودات کے نام پر شاعری کے بنیادی وظائف و مطالبات کو مجروح ہونے سے بچایا ہے اور روایتی ہیئت و اسلوب سے شعوری طور پر احتراز کرتے ہوئے فصیح شعری زبان اور فطری لہجے میں بات کی ہے" (بڑی بات)۔۔۔
نعتیہ شاعری کو ادبی سطح پر لانے اور مذہبی شعری روایت کو جدید آہنگ سے ہمکنار کرنے کے لیے

ضروری ہے کہ سرشار صدیقی کے اس تخلیقی رویے کو دنیائے نعت نگاری میں عام رواج دیا جائے۔

جدید نعت گو شعراء میں جناب حفیظ تائب کا نام اس قدر نمایاں ہے کہ ان کے حوالے سے چند تعارفی باتیں لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ تائب صاحب کا کلام میری تحسین سے مستغنی ہے۔ تاہم نعت کے جدید اسالیب کا ذکر ہو تو تائب صاحب کے ذکر کے بغیر اس ذکر کا تکملہ ممکن ہی نہیں ہے اس لیے صرف ایک تاثر کا اظہار کرنے پر اکتفا کرتا ہوں' میرا سنجیدہ تاثر یہ ہے کہ اگر مجھے موجودہ عہد کے نئے نعت گو شعراء کے لیے کوئی نصاب تیار کرنے کا موقع فراہم کیا جائے تو میرے خیال میں تائب صاحب وہ واحد نعت گو ہوں گے جن کا مکمل کلام مجوزہ نصاب میں شامل کرنے کی سفارش کروں گا۔ اور میں یہ بات محض عقیدتاً "یا رسماً" عرض نہیں کر رہا ہوں۔ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ نعت کے ادبی اور مذہبی نکات کو جس خوبی سے تائب صاحب نے سمجھا اور اپنی نعت گوئی میں برتا ہے۔ عصری نعت گو شعراء میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حفیظ تائب تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی معاشرے میں جاری و ساری دیکھنے کے متمنی ہیں اور جب وہ مسلمانوں کو صرف گفتار کا غازی دیکھتے ہیں تو تڑپ جاتے ہیں۔ دیکھیے وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کس سوز و گداز سے اپنی عرض داشت پیش کرتے ہیں ۔

کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دکھائیں گے کیسے تجھے ہم سے ناکردہ کار امتی یا نبیؐ
دشمن جاں ہوا میرا اپنا لہو میرے اندر عدو میرے باہر عدو
ماجرائے تحیر ہے پرُ سیدنی صورت حال ہے دیدنی یا نبیؐ
روح ویران ہے آنکھ حیران ہے' ایک بحران تھا' ایک بحران ہے
گلشنوں' شہروں' قریوں پہ ہے پرُ فشاں ایک گھمبیر افسردگی یا نبیؐ
یا نبیؐ اب تو آشوب حالات نے تیری یادوں کے چہرے بھی دھندلا دیے
دیکھ لے تیرے تائب کی نغمہ گری' بنتی جاتی ہے نوحہ گری یا نبیؐ

اس مسلسل نعتیہ غزل میں تائب نے عصر حاضر کے مسلمان معاشرے کی تصویر کشی کی ہے اور اپنے احساس کی حرارت اور فکر کی تپش فنکارانہ خوبی سے' ہر ہر لفظ میں سمو دی ہے۔

تائب صاحب نے اپنے دوسرے مجموعہ نعت "وسلموا تسلیما" میں ہیئتی تجربات بھی کیے ہیں جس سے ان کی جدت طبع اور کاوش فن کا بھرپور اظہار ہوتا ہے ان کی اس کتاب میں نعتیہ غزلیں بھی

ہیں ترجیع بند بھی اور مثلث، آزاد اور پابند نظمیں بھی ہیں، سانیٹ اور سی حرفی بھی ہیں اور ہر ہیئت میں شاعر کا فنی جمال اور طرز ادا کا کمال لفظ لفظ میں پیوست محسوس ہوتا ہے۔ نعتیہ غزل کی ایک مثال دیکھتے چلیے ۔

رحمت حق سایہ گستر دیکھنا اور سوچنا
اک نظر شہر پیمبرؐ دیکھنا اور سوچنا
کس قدر روشن ہیں انساں کے لیے صدیوں کے رنگ
وادیٔ طابہ کے منظر دیکھنا اور سوچنا
اس کے ہوتے کس اجالے کی ہے دنیا کو تلاش
سبز گنبد کو برابر دیکھنا اور سوچنا
سنگ بھی مہکے ہیں کیسی نکہتِ انفاس ہے
دیر تک محراب و منبر دیکھنا اور سوچنا
عاصیوں کو ان کی چشمِ لطف رکھتی ہے عزیز
بیم اپنا دامنِ تر دیکھنا اور سوچنا
ارضِ بدر، آثارِ خندق، دامنِ کوہِ اُحد
ہر قدم پر شانِ داور دیکھنا اور سوچنا

اب ملاحظہ ہو ایک آزاد نظم "زریں افق"

ازل سے رواں ہیں
رتوں کے سبک کارواں
لمحہ لمحہ نئی منزلوں کی طرف
لحظہ لحظہ نئی سرزمینوں کی دھن میں
مہ و سال کی گردشوں کے جلو میں
ہواؤں کی رو میں
مگر ایک زریں افق
ہر مسافر کے ذہن و دل و جاں پہ چھایا ہوا ہے
وہ زریں افق آستانِ نبیؐ ہے

جہاں رفعتیں سر جھکائے ہوئے ہیں
جہاں فصل گل کا تبسم سمٹ کرامر ہو گیا ہے

سی حرفی بعنوان "زمزمۂ درود" ایک شاہکار نظم ہے جس میں ہیئت کی جدت کے ساتھ طرز احساس بھی جدید ہے۔ ملاحظہ ہو ایک بند

عجز طبیعت حفیظ
رنگ محبت حفیظ
شوق و عقیدت حفیظ
عزت و شہرت حفیظ
صدقہ ہے اس جناب کا
صل علی نبینا!
صل علی محمد!

حنیف اسعدی نے غزل کے روایتی اسلوب کو نیا آہنگ دے کر نعت کے موتی رولے ہیں۔ ان کے تازہ مجموعہ نعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سے اشعار عقیدت کا مرقع اور فن کی ندرت کا آئینہ بن گئے ہیں۔ مثلاً"

جب دیدہ و دل حلقۂ رحمت میں سمٹ آئیں
اس وقت بجز صلِ علی کچھ نہ کہا جائے

تنہا تو نہیں ہوں میں سفر میں
اک روشنی میری ہم سفر ہے
صد شکر حضورؐ کے کرم سے
انساں کا نصیب اوج پر ہے

دیکھئے معراج کے حوالے سے حنیف اسعدی نے کیا نادر بات کہی ہے ۔

سوچیں تو روح عصر کے ادراک کے بغیر
معراج کیسے آئے کسی کے گمان میں
حرف نے بڑھ کے کبھی انؐ کے قدم چوم لیے

جذبہ شوق کبھی عرض ہنر تک پہنچا
تمام روح کے رشتے تمام سیر و سلوک
انھیںؐ کی ذات سے وابستہ ہیں جہاں بھی ہیں
ہر زمانہ آپؐ سے کرتا رہے گا کسبِ نور
ردِ ظلمت کے لیے وہ نقشِ تابندہ ہیں آپؐ
منزلِ جاں سے محمل ہو تک ایک قدم کی راہ نہ تھی
فرش تو یوں بھی زیرِ قدم تھا عرش بھی پا انداز ہوا
وہ نورِ جبیں سارے زمانوں کا اجالا
وہ نقشِ قدم سایہ فگن ہست و عدم پر
کیا ہے آپؐ نے ایسے بتوں کو بھی پامال
جو نیتوں میں چھپے تھے جو آستیں کے نہ تھے
کسی ایسی ذات کا نام لو جو امیں بھی ہو جو اماں بھی ہو
یہ میرے یقیں کا ہے فیصلہ نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

"نظم" خارجی مواد کے حوالے سے شاعر کے داخلی احساسات کا عکس پیش کرتی ہے۔ غزل کی فارم میں جذبے کی اکائی سے صرف ایک شعر وجود پذیر ہوتا ہے لیکن نظم ایک مکمل صورت حال کی مکمل خارجی یا حسی تصویر پیش کرتی ہے۔ شاعر اپنے علم (خارجی مواد) کو جذبے سے ہم آمیز کر کے فنی خصوصیات کو جس حد تک ملحوظ رکھتا ہے اس حد تک تاثر نظم میں جھلکنے لگتا ہے۔ شعر میں لفظ تو بہرحال لغت ہی سے لیے جاتے ہیں لیکن بات تسلیم شدہ ہے کہ نثر میں استعمال ہونے والے لفظ اور شعر میں استعمال ہونے والے لفظ میں ہیئت کے فرق سے بھی تاثراتی فرق بڑھتا ہے اور نثر نگار اور شاعر کا الگ الگ رویہ بھی اس تاثر میں کمی بیشی کا باعث ہوتا ہے شاعری میں لفظ کے استعمال کے پیچھے شاعر کی پوری شخصیت جھلکتی ہے نثر نگار لفظ کو محض واقعاتی اظہار کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے جبکہ شاعر لفظ کو فن اور شخصیت کے جذباتی پہلوؤں کا آئینہ بردار بھی بنانا چاہتا ہے۔ حفیظ کا شاہنامہ اسلام اور حامد صدیقی کی تاریخی نظمیں محض واقعاتی حوالوں سے مزین ہیں۔ ان نظموں میں شاعر نے اپنے تاثرات کو محض ڈرامہ نگار کی مکالموں میں شدت (intensity) پیدا کرنے کی کوشش کی حد تک راہ دی ہے۔ لیکن آج کے بیشتر شعراء

آزاد اور پابند نظموں میں فنکارانہ طرز اظہار کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ حنیف اسعدی نے پابند نظمیں لکھی ہیں اور ان نظموں میں ان کے تخلیقی خلوص نے ان کے تاثرات کو بہت کامیاب طریق سے اجاگر کردیا ہے۔ میں نمونے کے طور پر آپ ﷺ میں شامل ایک نظم "مونسِ انس و جاں" کا حوالہ دینا چاہوں گا جس میں انہوں نے قادرالکلامی سے تاریخی شعور کو لفظوں میں قید کیا ہے لیکن ان کی نظم محض تاریخ نویسی نہیں ہے۔ بلکہ دورِ جاہلیت سے اسلام کے زیرِ احسان دور علم و آگہی اور اصلاحِ احوال کا فنکارانہ اظہار ہے۔

وہ عرب کا دور ستم گراں وہ گماں پرستوں کی بستیاں
جہاں سب ہی خستہ و خوار تھے جہاں سب ظلوم و جہول تھے

کہیں کاہنوں کی تھی پیروی، کہیں ربط لات و منات سے
نہ عبادتوں کا ثواب تھا نہ کسی کے سجدے قبول تھے

نہ مواخذہ کسی ظلم کا نہ کسی کے خون کا خوں بہا
نہ کسی کا عدل سے واسطہ کہ یہ فلسفے ہی فضول تھے

جنہیں راہ حق کی تلاش تھی انہیں راہ حق کا پتا نہ تھا
جنہیں ادعائے شعور تھا وہ سبھی ظلوم و جہول تھے

زہے آمد شہہ دوسرا کہ نظام شر ہی بدل گیا
جہاں سنگ تھے وہاں رنگ تھے جہاں دھول تھی وہاں پھول تھے

وہ ہوائے لطف و عطا چلی کہ کھلی چمن کی کلی کلی
وہ جو خار تھے وہی خاراب سبدِ رسولؐ کے پھول تھے

وہ ہجوم راہ رواں اٹھا وہ گروہ راہبراں چلا
وہ گرفتہ دل وہ شکستہ پا وہی کل جو راہ کی دھول تھے

زہے فیض مونس انس و جاں فقط اک نگاہ میں طے ہوئے
وہ تمام وقت کے فیصلے جو میان رد و قبول تھے

اس نظم میں تاریخی حوالے تو موجود ہیں لیکن نظم کا انداز بیانیہ (Narrative) نہیں ہے بلکہ تاثراتی ہے۔ پھر ردیف و قافیہ کی قید میں اس قدر رواں دواں نظم کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

چنانچہ یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حنیف اسعدی کو شعری جمالیات سے بھی اتنی ہی آگاہی ہے جتنی تاریخ سے ہے۔

جن لوگوں کے نعتیہ مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں ان میں بیشتر شعراء تو روایت سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں لیکن بعض غیر معمولی شعری صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ جمیل نقوی کا مجموعہ نعت ارمغان جمیل کے نام سے طبع ہوا۔ اس مجموعے میں روایتی اور کلاسکی مزاج کی شاعری ہے ان کی بعض نعتیں بہت مشہور بھی ہیں۔ ان کی ایک نظم جدت کے حوالے سے مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ اس نظم کی اٹھان حمدیہ ہے اس میں صوفیانہ احساس کار فرما ہے اور تخیل کا سفر نعت شریف پر ختم ہوا ہے۔ نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

رقص کرتی ہوئی اٹھتی ہیں نگاہیں پیہم
جانب گنبد خضرا ھنا ہاہا ہو
بس گئی ہے مری نس نس میں براہ انفاس
نکہت گلشن طیبہ ھنا ہاہا ہو
من بے چارہ و ناکارہ و بیتاب و حزیں
اور دربار مدینہ ھنا ہاہا ہو
حال اس درجہ دلآویز و دل آرا ہے جمیل
بے اثر ہے غم فردا ھنا ہاہا ہو

جمیل نقوی نے فارسی کے معروف شعر ۔

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کو اپنے شعر میں ترقی دی ہے۔ روایت کو ترقی دے کر آگے بڑھانے کا عمل کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شعر ۔

آپؐ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار
حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا کے سوا

سعید وارثی کا نعتیہ مجموعہ "ورثہ" لے کر دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان کا لہجہ بھی عصری ادبی رجحانات سے ہم آہنگ ہے اور غزل کی فارم میں نعت گوئی کی خوبصورت مثال اور

نظم میں جمالِ فن کا حسین نقش پیش کرتا ہے۔ دیکھئے سعید وارثی نے طویل بحر میں خالص غزل کے لہجے میں نعتیہ مضامین کو کس خوبی سے سمویا ہے ؎

کل جواں رات تھی اور حسیں چاندنی ہم نے ایسے میں دل کو جلایا بہت
جب ستارے بجھے داغ لودے اٹھے کوئے طیبہ ہمیں یاد آیا بہت

بے عمل روسیہ پر یہ چشمِ کرم دل نوازی تریؐ مہربانی تریؐ
ہے عجب بخششوں کی کہانی تری ہم نے مانگا تھا کم اور پایا بہت

کج روی کب مری آشکارا نہ تھی پھر بھی رسوائی میری گوارا نہ تھی
بے عمل تھا مگر انؐ سے نسبت تو تھی میرے آقاؐ نے اس کو نبھایا بہت

زندگی کا بھروسہ کہاں دوستو! اب نہ جانے حضوری میسر ہو کب؟
کیوں چلے آئے آخر مدینے سے ہم اس تصور نے دل کو دکھایا بہت

یہ سعید حزیں یہ بھکاری ترا رسم و راہ بلالیؓ پہ چلتا رہا
استقامت میں لغزش نہ آئی کبھی اہلِ دنیا نے یوں آزمایا بہت

آپ نے دیکھا اس نعت میں سارے تلازمے غزل کے ہیں۔ آہنگ اور اسلوب بھی جدید غزل ہی کا ہے لیکن سعید وارثی نے اس انداز میں بھی نعتیہ تاثر پوری طرح قائم رکھا ہے۔ جدید نعت میں کہیں کہیں نعت کے اشعار پر بھی غزل ہی کا گمان ہونے لگتا ہے کیونکہ شاعر جدیدیت کے شوق میں اور تازہ کاری کی رو میں کچھ اس طرح بہہ جاتے ہیں کہ تصور مدحت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اجاگر ہونے کے بجائے محض تغزل رہ جاتا ہے۔ نعت نبی میں عجز کا تاثر کم و بیش ہر شاعر نے اپنے اشعار سے ظاہر کیا ہے۔ دیکھئے "ورثہ" کے شاعر نے یہ تاثر کس طرح ابھارا ہے ؎

بس اے ملال عجز فن اور نہ خوں رلا مجھے
کرنی ہے حرف حرف آج مدحت مصطفےٰؐ مجھے

دیکھئے نعت میں تغزل کو کس خوبی سے سمویا ہے ؎

یہ تو بجا وہ شہر گل رشک بہشت ہے مگر
مژدہ اذن حاضری موج صبا سنا مجھے

اب ایک چھوٹی سی نظم بھی دیکھئے جس کی ہیئت بھی نئی ہے اور احساس بھی تازہ ہے۔

جب بھی دشتِ طلب شہرِ اسیرانِ وفا
ابرِ کرم کو ترسا
اے سمندر کے سکوں تو بھی گواہی دے گا
کہ سرابوں کو نہ تھا
تشنہ لبی کا شکوہ
اس طرح انؐ کی عنایات کا
بادل برسا

(دشتِ طلب)

اسی طرح سعید وارثی نے چار مصرعی بندوں والی طویل نظم "محبت" میں بھی جدیدیت کی قلمیں لگائی ہیں اور طرزِ احساس کی تازہ کاری کو بھرپور انداز سے اجاگر کیا ہے۔ نعتیہ غزل کے ایک خوبصورت شعر پر سعید وارثی کے ذکر کو اختتام سے ہم کنار کرتے ہیں ۔

یہ مجال میری کہاں کہ میں ترےؐ قرب کی کروں آرزو
یہ کرم بہت ہے خدا کہ تو مجھے نقشِ پا کا وصال دے

ہر عہد کی اپنی حسیاتی لہریں ہوتی ہیں جو ادب میں اپنی نمود پاتی ہیں کسی عہد کے تمام ادب میں یہ لہریں مشترک لہجوں اور خاصی حد تک ہم آہنگی کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اپنی بات کے بہتر ابلاغ کے لیے شعراء نئی نئی تشبیہات نئے نئے استعارات اور نئی نئی علامات تراشتے ہیں۔ مجرد خیال کو تشبیہاتی پیکروں اور علامتی شکلوں سے مزین کر کے جب شاعر قرطاس پر بکھیرتا ہے تو قاری ان تشبیہات اور علامتوں کے راست استعمال کی وجہ سے شعر کو تصویری آئینے میں دیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ شاعر کا کام بکھری ہوئی اشیاء میں تلازمات (Associations) تلاش کرنا ہوتا ہے کیونکہ ان تلازمات کی بنیاد پر ہی وہ اپنے احساس کو زبان اور زبان کو ابلاغ کی صلاحیت سے ہم کنار کرتا ہے۔ شاعر کا مشاہدہ جس قدر وسیع ہوتا ہے اور جس قدر خوبصورت تلازمات تلاش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قدر حسن و خوبی سے بیان میں نکھار اور شعر میں خوابناک حسیاتی فضا قائم ہوتی ہے۔ اس طرح لفظ لفظ میں معانی کا ایک جہان سمٹ آتا ہے اور شعر گنجینۂ معنی کا طلسم کدہ بن جاتا ہے۔ اب نعتیہ شاعری میں بھی ایسے ایسے باشعور شعراء بھی لپکے گئے ہیں جو اپنے تخلیقی تجربوں کو بھرپور طریقے سے نئے تلازمات اور جدید حسیات کے

کینوس پر بکھیرنے پر قادر بھی ہیں اور شعوری طور پر نعت کو جدید شعری جمالیات سے ہم آہنگ کرنے کی کاوشوں میں مصروف بھی نظر آتے ہیں۔

مدینے پہنچنے کی تڑپ کا اکثر نعتوں میں اظہار ملتا ہے۔ نیاز بدایونی نے بھی اس تڑپ کا اظہار کیا ہے لیکن دیکھئے کس رخ سے بات کی ہے کہ یہی پرانا مضمون بالکل نیا نیا سا لگتا ہے ؎

اس کے قدموں کی مجھے خاک ہی کردے یا رب!
سوئے بطحا کوئی جاتا نظر آتا ہے مجھے

یا

زائروں میں کل مدینے کا بڑا چرچا رہا
ہو کرم آقاؐ کہ میں ان سب کا منہ تکتا رہا

مدینے کے گلی کوچوں کا اور وہاں کی فضاؤں کا ذکر بھی ہزار ہا نعتوں کا موضوع بن چکا ہے لیکن دیکھئے انجم نیازی نے اس ذکر کو محض اپنے اسلوب سے کس قدر خوبصورت بنا دیا ہے ؎

زمیں ایسی کہ جس پر آسماں قربان ہوجائے
ستارے گرد چو میں کہکشاں قربان ہوجائے
گلی کوچوں کی دیواروں پہ برسے نور کی بارش
مکاں ایسے کہ جن پر لامکاں قربان ہوجائے
وہ رستہ ایسا رستہ ہے وہ منزل ایسی منزل ہے
کہ جس پر آنکھ رکھے اور جاں قربان ہوجائے
وہ صحرا جس کے ذروں میں چمک اجلی شعاعوں کی
وہ ٹھنڈی دھوپ جس پر سائباں قربان ہوجائے
کھلے ماحول میں وہ بولتے منظر کھجوروں کے
کہ جن کے حسن پر باغ جناں قربان ہوجائے
یہی سب سے بڑی انجم سعادت ہے کہ تو ان پر
جہاں موقع میسر ہو وہاں قربان ہوجائے

انور سدید بھی دیگر نعت نگاروں کی طرح خود کو گدائے مدینہ کہتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کی قوی امید رکھتے ہیں۔ دیکھئے کس خوبصورت انداز سے اپنا احساس لفظوں میں پروتے ہیں۔ ؎

میں خزاں دیدہ شجر ہوں یہ یقیں ہے مجھ کو
مجھ پہ برسے گا کرم ان کا گھٹا کی صورت
کاسۂ جسم کو انوار سے اپنے بھر دے
میں کہ ہوں شہر مدینہ کے گداء کی صورت

حامد یزدانی کا لہجہ اور شدت احساس ملاحظہ ہو۔

آپؐ چاہیں تو مرے حرف بھی روشن کر دیں
آپؐ چاہیں تو میں خورشید نوا ہو جاؤں
روشنی میرے مقدر پہ سدا رشک کرے
کاش گرد رہ مہتاب حرا ہو جاؤں

آج کی شاعری میں غیر مانوس قوافی کو برتنے اور ان سے نئے معنی نکالنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ یہ کاوش کم و بیش ہر شاعر کر رہا ہے حالی نے عربی کی دو متناقض مثلیں لکھ کر ان میں تطبیق کا نکتہ نکالا ہے۔ ایک یہ ہے کہ "کم ترک الاول لالاخر" (یعنی اگلے بہت کچھ پچھلوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں) اور دوسری مثل یہ ہے کہ "ماترک الاول لالاخر" (یعنی اگلوں نے پچھلوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا)۔ حالی لکھتے ہیں کہ ان دو مثلوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اگلے بہت سی ادھوری باتیں چھوڑ گئے ہیں تاکہ پچھلے ان کو پورا کریں لیکن انہوں نے پچھلوں کے لیے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا نمونہ موجود نہ ہو۔ آج کی شعری کاوشوں میں ہمیں ایسی شعوری کوششوں کا سراغ ملتا ہے جن میں پچھلے لوگوں کی ادھوری باتوں کو پورا کرنے کا عمل ہو یا سامنے کے ایسے الفاظ استعمال کرنے کا رجحان ملتا ہے جو پچھلے غزل گویوں نے لائق اعتنا نہ سمجھے۔ لیکن اب وہی NEGECTED WORDS غزل میں نئے انداز نظر کا تعارف بن رہے ہیں۔
دیکھیے رسید کا کاروباری سا لفظ خالد اقبال یاسر نے نعت میں کس خوبی سے برتا ہے ۔

عجب اک ربط میرے اور اس کے درمیاں ہے
مجھے میرے درودوں کی رسید اسؐ سے ملی ہے

آپ نے ملاحظہ فرمایا درود بھیجنے پر سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے الطاف و کرم کی بارش کا اظہار کس سادہ سے لفظ کے ذریعے کیا گیا ہے۔
ایک اور قافیہ ملاحظہ فرمایئے ۔

مجھے ریگزاروں، جلتے انگاروں سے پیار

پیادہ پا گزرنے کی کلید اسؐ سے ملی ہے

خورشید رضوی نے پوری نعت میں قوافی کا بڑا فنکارانہ استعمال کیا ہے اور جمالیاتی اظہار کی حدوں کو چھولیا ہے۔ پوری نعت میں نظم کا سا تسلسل بھی ہے اور دلی کیفیات کا بھرپور عکس بھی موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجائیے
سونپ دیجیے دیدۂ تر کو زباں کی حسرتیں
اور اس عالم میں جتنا بن پڑے رو جائیے
یا حصارِ لفظ سے باہر زمینِ شعر میں
ہوسکے تو سرد آہوں کے شجر بو جائیے
اے زہے قسمت کسی دن خواب میں پیشِ حضورؐ
فرط شادی سے ہمیشہ کے لیے سو جائیے
اے زہے قسمت اگ دشت جہاں میں آپؐ کے
نقش پا پر چلتے چلتے نقش پا ہوجائیے

نعت کو جس سنجیدہ زبان متین لہجے اور شدت تاثر کی ضرورت ہے وہ خورشید رضوی کی نعت میں موجود ہے۔

قوافی کو نعتیہ مضامین کے ساتھ خوبی سے بنا نے اور جمالیاتی اظہار سے ہمکنار کرنے کی اور مثالیں بھی دیکھیے۔

خلق کی خوشبو سے وادی زندگی کی بھر گئی
تیری ہی تہذیب نے پر نور ہر آنگن کیا
دھوپ رحمت کی عطا کردی ٹھٹھرتی زیست کو
حبس جاں جب حد سے گزرا تو اسے ساون کیا

(امان اللہ خاں اجمل)

جو دیکھ پاتے انھیں ہم تو حال کیا ہوتا

نہ دیکھنے پہ یہ عالم کہ جیسے دیکھا ہے
پڑھو درود تو ہوتا ہے یہ خیال کہ اب
حجاب فاصلہ وقت اٹھنے والا ہے

(امجد فاضلی)

شبوں کی جاگتی نیندیں ہیں اعتکاف ترا
حرا کے سوچ لمحے عبادتیں تیری
پگھل گئے تری گرمی سے منجمد لمحے
رگِ وجود میں اتریں حرارتیں تیری
خدا کا آخری منشور ہے تری آواز
ابد تلک ہوئیں معیار عادتیں تیری

(انور جمال)

ہوائے صبحِ مدینہ کرم کیا تو نے
امیدِ شوق کا صحرا ارم کیا تو نے
یہ سچ کہ دل متقل رہے یارب
بتوں کے گھر کو اگر اب حرم کیا تو نے
اگر میں بخت پہ نازاں ہوں تو نہیں بیجا
میں اک سفال تھا اور جامِ جم کیا تو نے

(شریف کنجاہی)

کتنی ہی تصور کرتا ہے
جاگتا رات بھر مدینے میں
کتنی صدیوں پہ ہو گئے ہیں محیط
میرے شام و سحر مدینے میں
تو نے کچھ بھی تو دیکھنے نہ دیا

اے مری چشم تر مدینے میں

(عطاء الحق قاسمی)

ایسے قوافی جو عموماً" لوگ استعمال نہیں کرتے ہیں بعض اوقات کسی ماہر فن اور باشعور فنکار کی نوک قلم پر آکر ہیرے کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔ غزل میں تو قافیہ نباہنے کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں لیکن نعت میں غیر مانوس قوافی کو موضوع کی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ فنکارانہ چابکدستی سے نباہنا ہر شاعر کے بس میں نہیں ہے۔ دیکھئے ڈاکٹر ریاض مجید نے درج ذیل اشعار میں قوافی کو کس خوبصورتی سے برتا ہے۔

رسائی میں نہیں تخلیق نعت کا لمحہ
یہ سدرہ وہ ہے کہ جبریل لفظ تھک جائے

ٹھہر ٹھہر کے مدینے کا راستہ طے کر
کچھ اور بھی ثمر اشتیاق پک جائے

میں دیکھتا رہوں جالی کو حیرتی ہوکر
مجال کیا جو ذرا بھی پلک جھپک جائے

کہیں رہوں، مری ہجرت نصیب آنکھوں سے
وداع طیبہ کا منظر چھلک چھلک جائے

دکھائی دے پس الفاظ نعت نور انؐ کا
جو دل سے پردہ غفلت کبھی سرک جائے

آپ نے ملاحظہ فرمایا تھک' پک' جھپک' چھلک' اور سرک کے قوافی "جائے" کی ردیف کے ساتھ ڈاکٹر ریاض مجید نے کس خوش اسلوبی سے اپنے اشعار میں برتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ محض قافیہ پیمائی نہیں ہے۔ یہ تو لفظوں کا فنکارانہ استعمال ہے۔ ان اشعار میں قوافی کے نادر استعمال کے علاوہ دوسری خوبیاں بھی ہیں جو اشعار کو حسین بنا رہی ہیں۔ مثلاً" نادر تراکیب جیسے جبریل لفظ' ثمر اشتیاق' ہجرت نصیب' وداع طیبہ وغیرہ۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی شاعری تفصیلی مطالعے کی متقضی ہے۔ جو بشرط فرصت و صحت بعد میں کسی وقت پیش کیا جائے گا۔

مظفر وارثی بھی ندرت قوافی میں کسی سے کم نہیں ہیں دیکھئے انہوں نے کس اسلوب سے بات کی ہے

جزو ایماں مطالعہ جس کا
دیں کی وہ کلیات آپؐ کی ذات

ترے خیال میں رہتا ہے گم وجود میرا
مقام کی نہیں محتاج شہرت میری

جو وقت صرف ہو اپنے لیے وہی گھاٹا
جو سانس خرچ ہو تجھ پر وہی بچت میری

چل پڑیں لوگ بھٹک کر نہ جدا رستوں پر
اس لیے دین میں دنیا کو بھی ضم تو نے کیا

تجر ہے سماعت ہی ترے امتیوں کی
لپٹے تو ہر اک سے تری آواز کا جھونکا

مظفر وارثی نے خالص جدید لہجے میں نعتیہ شاعری کی ہے اور اس میدان میں ان کی انفرادیت مسلم ہے۔

نامانوس اور معمولی قوافی کو نعت میں برتنے اور ان میں تازگی اور زندگی آمیز حرارت پیدا کر دینے کا ذکر نکلا ہے تو مجھے مرحوم اختر لکھنوی بھی یاد آ گئے ان کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ۔

مری معراج ہے میری دعا کا تیر ہو جانا
مقدر میں حضوری کا شرف تحریر ہو جانا

ہمیں بخشا گیا وہ غم جو دنیا بھی ہے دیں بھی ہے
کوئی دیکھے ہمارا صاحب جاگیر ہو جانا

اختر لکھنوی کی نعتیہ شاعری میں دھیمہ لہجہ ہے اور ان کا جو تخلیقی رویہ ان کی غزل میں کارفرما نظر آتا ہے کم و بیش وہی تخلیقی رویہ نعت کی آبیاری میں نظر آتا ہے ان کی نعتیہ شاعری کے چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

ان کے در پر گئے گرد راہ سفر جسم پر رکھ کے ہم
اور پھر یہ ہوا" بس یوں روتے رہے دہلیز پر سر رکھ کے ہم

راستوں کی ہوا رہنما بن گئی ساربان بن گئی
جب چراغ ان کی چاہت کا لے کر چلے ہاتھ پر رکھ کے ہم
اپنی ہر رات رکھتے ہیں روشن بہت اور معطر بہت
اک چراغِ وفا ان کی یادوں بھرے طاق پر رکھ کے ہم
آگ والوں کو گلوں کی ڈالیاں سونپی گئیں
مستحق کس کے تھے لیکن چیز کیا بخشی گئی
سرکارؐ کے در پر پہنچا تو سب پیچ گئے سب خم نکلے
رنگین بہاروں سے بچ کر مرے اندر کے موسم نکلے
دل پہلے جیسا دل نہ رہا جاں پہلے جیسی جاں نہ رہی
جب ان گلیوں سے ہم گزرے جب ان گلیوں سے ہم نکلے
جب انؐ کے در کی دید ہوئی تو جسم و جاں کی عید ہوئی
خوشبو کی ادائیں اوڑھے ہوئے ہر خانۂ دل سے غم نکلے

تاجدار بطحا کے بیکسوں کے والی کے در پہ حاضری کے بعد
سب حروف روشن ہیں سب ورق سنہرے ہیں زیست کی کتابوں کے
لوٹ کر مدینے سے سوچتا ہوں پہروں میں یہ ہوا چلی کیسی!
خار چن لیے کس نے کون لے گیا پتھر میری رہگزاروں کے
آپ کے غلاموں کو غور سے جو دیکھے گا اس پہ منکشف ہوگا
جسم آئینہ صورت چہرے اس طرح جیسے پھول ہوں گلابوں کے
یاد شہر آقاؐ کے موسموں کی کیفیت کیا بیاں کی جائے
جیسے شب ڈھلے اختر تار چھیڑ دے کوئی ان گنت ربابوں کے

میرے نصیب دیکھئے انؐ کے دیار کا طواف
صبح سے شام تک کیا شام سے تا سحر کیا

اختر لکھنوی قبیلہ سخن وراں کے وہ شاعر تھے جو نعت کو عصری ادبی تقاضوں سے قریب تر کرنے میں ہمہ تن کوشاں رہے ان کے دونوں نعتیہ مجموعے "حضور ﷺ" اور "سرکار ﷺ" ان کی شاعرانہ

جینیس (Genius) کے مظہر ہیں۔

عاصی کرنالی کا نام علمی و ادبی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے' ان کی کلیات شعر سے تین نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کا پتہ چلتا ہے جو پہلے الگ الگ شائع ہوئے اور اب "تمام و نا تمام" کا حصہ ہیں۔ مدحت (۱۹۷۶) "نعتوں کے گلاب" (۱۹۸۶) اور حرف شیریں (۱۹۹۳)۔ عاصی کرنالی ایک قادر الکلام شاعر ہیں ان کا مزاج نظم سے قریب تر ہے۔ وہ بڑی روانی سے نظمیں کہہ جاتے ہیں اور بڑے سے بڑے پیچیدہ مضمون کو بڑی خوبی سے الفاظ کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری میں بھی جدت طبع اور خلوص فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہاں ان کی نعت گوئی پر تفصیلی گفتگو تو ممکن نہیں ہے مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق صرف ایک نعتیہ نظم کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ "عجز بیان" نعت کا خاص موضوع رہا ہے کم و بیش ہر نعت گو یہی کہتا ہے کہ نعت کہنے کا حق ادا کرنا میرے بس کی بات نہیں اس میدان میں تو بڑے بڑے جغادریوں کا سانس پھول جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ...... لیکن عاصی نے اس عجز بیان کو مکالماتی انداز میں لکھ کر اپنے فن کا کمال بھی دکھا دیا ہے اور خلوص دل سے عجز کلام کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ میرا مطالعہ بڑا محدود ہے لیکن اس کے باوصف مجھے یقین ہے کہ اردو نعتیہ شاعری کے سرمائے میں عجز بیان کے حوالے سے اتنی مدلل' جامع اور فنی خوبیوں سے لبریز نظم عاصی کرنالی سے قبل کسی نے نہیں لکھی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے نظم۔

ثنائے خواجہ میں اے ذہن! کوئی مضمون سوچ!
جناب! وادی حیرت میں گم ہوں' کیا سوچوں؟
زبان! مرحلہ مدح پیش ہے کچھ بول......!
مجال حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں؟
قلم! بیاض عقیدت میں کوئی مصرع لکھ!
بجا کہا' سر تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟
شعور! ان کے مقام پیمبری کو سمجھ!
میں قید حد میں ہوں' وہ بیکراں ہیں کیا سمجھوں؟
خرد! بقدر رسائی تو ان کے علم کو جان!
میں نارسائی کا نقطہ ہوں ان کو کیا جانوں؟
خیال! گنبد خضرا کی سمت اڑ' پر کھول!

یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں کیا کھولوں؟
طلب! مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ!
یہاں یہ رخت سفر ہی نہیں ہے' کیا باندھوں؟
نگاہ! دیکھ کہ ہے روبرو دیار جمال!
ہے ذرہ ذرہ یہاں آفتاب' کیا دیکھوں؟
دل! ان سے حرف دعا' شیوہ تمنا مانگ
بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
حضورؐ! عجز بیاں کو بیاں سمجھ لیجے!
تہی ہے دامن فن' آستاں پہ کیا لاؤں؟

آپ نے ملاحظہ فرمایا کس خوبی سے انسانی قویٰ اور اعضاء سے مکالمہ کیا گیا ہے اور کس ستھرے انداز سے سوالات مرتب کئے گئے ہیں اور کتنی ذہانت سے جوابات دیئے گئے ہیں انسانی قویٰ سے باہر کی چیز صرف "قلم" ہے جس کا سر ہمیشہ خم ہی رہتا ہے چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قلم نے کس سادگی سے جواب دیا ہے۔ سر تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟ اس طرح کے بالکل راست تلازمات (Associations) (Appropriate) بھی موجود ہیں اور پھر شاعری میں کلاسیکی مزاج کی پختگی بھی ہے۔

کلاسیکی مزاج کی شاعری میں بیان کی طرفگی اور فکر کی ندرت کا اعلیٰ نمونہ اس نظم کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ فی الحال عاصی صاحب کی ایک ہی نظم کے نمونے پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ ان کی شاعری میں ہرجا جہان دیگر نظر آئے گا اور سلسلہ گفتگو دراز ہوتا جائے گا۔

کلاسیکی مزاج کی شاعری کرنے والے بعض بزرگ شعراء نے بھی نعت میں اچھے اچھے مضامین کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً "صبا اکبر آبادی' تابش دہلوی وغیرہم نے جو نعتیں کہی ہیں ان میں مضامین کا شوع نظر آتا ہے چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

کس نور کی شمع جل رہی ہے
سائے سے بھی لو نکل رہی ہے
ابھرے گا ابھی حرا کا سورج
اب کفر کی رات ڈھل رہی ہے
ہے کتنی کشش رہ نبیؐ میں

خود زندگی رخ بدل رہی ہے

(صبا اکبر آبادی)

میں عاصی آپؐ سرتاپا شفاعت

یہ رشتہ آپؐ سے محکم بہت ہے

نظم ہستی میں توازن کے لیے

ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ (تابش دہلوی)

دراصل بزرگ شعراء کے نعتیہ کلام کی خوبیاں تلاش کرنا اور ان کی شاعری کے رموز و نکات صحیح طور پر سمجھنا ایک خاص قسم کی مہارت (Skill) چاہتا ہے۔ اس لیے فی الحال میں کلاسیکی مزاج کے شعراء کے کلام پر تفصیل سے کچھ نہیں لکھ سکتا مضمون کی محدودات اور متقضیات کے پیش نظر اتنے ہی حوالے پر اکتفا کرنا ہوگا۔

بعض شعراء نے لفظوں کو جدت کے ساتھ برتنے کا ہنر کچھ اس انداز سے متعارف کرایا ہے کہ محض ان کا لہجہ ہی ان کی شناخت کے لیے کافی ہے ایسے شعراء میں ڈاکٹر اجمل نیازی محمد فیروز شاہ اور ریاض حسین چوہدری کے اسمائے گرامی بڑے نمایاں ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

تری نظر خارزار شب میں گلاب تحریر کر چکی ہے

اجاڑ نیندوں کے خواب میں انقلاب تحریر کر چکی ہے

کبھی مرے ذہن کے فلک پر سوال چمکے تو میں نے دیکھا

ترے زمانے کی خاک ان کے جواب تحریر کر چکی ہے

وہ حرف جو تیرے دل پہ اترے وہ میرے دل میں بھی گونجتے ہیں

تری محبت مرے لہو میں ثواب تحریر کر چکی ہے

تری جدائی میں رونے والے ہی میری بستی میں بچ رہے ہیں

مری زمیں پر ہوائے عالم عذاب تحریر کر چکی ہے

ترے لیے سر کٹانے والوں کا نام ہے یا نہیں ہے اجمل

لہو کی رشنائی تیرے کتنے خطاب تحریر کر چکی ہے

(محمد اجمل نیازی)

تیری یاد کو ترے خواب کو میری آنکھ رکھے سنبھال کے
مری زندگی کا جواز ہیں یہی عکس تیرے جمال کے
میرے عہد کو بھی نصیب ہوں تری ذات سے وہی نسبتیں
وہ جو عظمتیں تھیں اویسؓ کی وہ جو رابطے تھے بلالؓ کے
ہمیں منزلوں کی نوید دے، ہمیں خیر و شر میں تمیز دے
کہ ہم اپنے ہاتھ سے لکھ رہے ہیں جو زائچے ہیں زوال کے
مری سر زمین پہ تاابد ہو تری دعاؤں کا سائباں
مرے شہر شہر دیے جلیں تری آرزوئے وصال کے
مجھے اذن دے یہ عقیدتیں میں جبین دہر پہ لکھ سکوں
تری روشنی میں سفر کریں سبھی قافلے مہ و سال کے
یہ جہان بھی مری جان بھی ترے عشق ہی کی ہے سلطنت
مرے لمحے یا بگزار ہیں ترے شہر حسن و کمال کے

(محمد فیروز شاہ)

مرے نطق کے قفل کھولے ہیں تو نے مجھے اذن اپنی ثنا کا دیا ہے
مرے زنگ آلود افکار لے کر مجھے تو نے ہی حرف تازہ دیا ہے
مجھے روشنی کا صحیفہ ملا ہے ترے گھر کے نکھرے ہوئے آسماں سے
بجھی ساعتوں کو چراغ تمنا کی کرنوں کا تو نے اثاثہ دیا ہے
ترا نام طاق دعا میں ہے روشن ازل سے ابد تک یہ روشن رہے گا
کہ تو نے رسولؐ خدا، ہر صدی ہر زمانے کے انساں کو چہرہ دیا ہے
حرا کی طرف جانے والی گزرگاہ پر بیٹھ کر میں یہی سوچتا ہوں
یہ کس کے نقوش قدم نے کڑی دھوپ میں آسمانوں کو سایہ دیا ہے
جسے کوئی نسبت نہیں تیرے در سے اسے کیسے سورج میں تسلیم کرلوں
وہی معتبر ہے حوالہ سحر کا ترے پاؤں کو جس نے بوسہ دیا ہے

یہ تشکیک کے اژدھے میرے خوں کی حرارت میں پلتے رہیں غیر ممکن
ہمیشہ ہی تیرے تصور نے شہر اماں کی فصیلوں پہ پہرہ دیا ہے
بڑی تلخ اپنی حکایت ہے آقا بیاں کے لیے لفظ ملتے نہیں ہیں
شب و روز کی ناروا الجھنوں نے مجھے غیر مانوس لہجہ دیا ہے
ریاض آج پھر سرد ی ساعتوں نے لبوں پر بنائے ہیں عکس تمنا
ریاض آج پھر ذکر خیر البشرؐ نے مرے دامن دل کو مہکا دیا ہے

(ریاض حسین چودھری)

درج بالا تینوں نعتیں مختلف آہنگ اور نامانوس لہجے کی نمائندہ نعتیں ہیں۔ دراصل شعری دنیا میں فکری اور اسلوبی دونوں طرح کے اجتہاد ہوتے رہتے ہیں اور جہاں کسی بھی قسم کا چھوٹے سے چھوٹا اجتہاد ہوگا وہاں لہجے کا نامانوس ہونا لازمی ہے۔ زبان کا استعمال بھی اسی اجتہاد کے زیر اثر بالکل ویسا نہیں رہتا جیسا قدما نے کیا تھا۔ اس لیے جدید شعری تخلیقات کی تحسین (Appreciation) کے معیارات بھی فراخ دلی سے بدلنے پڑتے ہیں۔ اور قابل قبول حد تک اجتہادی کوششوں کو سراہنا پڑتا ہے۔ نامانوس لہجوں کی بات چلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں جاذب قریشی کی شاعری کا بھی اجمالاً ذکر کردوں۔ جاذب قریشی نے اپنی شاعری کو علامتی طرز اظہار سے سجایا ہے علامت توسیع معانی (Expansion Of Meaning) کی ایک کوشش ہوتی ہے جیسے علمی دنیا میں نعت کے کسی لفظ کو اصطلاح (Terminology) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور وہ لفظ لغت کے محدود مفہوم سے کہیں زیادہ وسیع معانی سمیٹ لیتا ہے۔ اسی طرح تخلیقی ادب میں علامت کا استعمال اپنے اندر ایک جہان معانی سمیٹ لیتا ہے۔ اسی لیے ناقدین نے علامتی طرز اظہار کو بڑی اہمیت دی ہے۔ جاذب قریشی نے نعت میں بھی یہی طرز اظہار اپنایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نعت بھی اسی تخلیقی جذبے سے کہتے ہیں جس تخلیقی جذبے کے تحت وہ عام شاعری کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں ۔

ہوا کے دوش پر روشن پرندے اڑتے رہتے ہیں
مدینے کا اجالا ہے کہ عکس طور ہے لوگو
سیہ پرچھائیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جس نے
زمین و آسماں نے ایک ایسا بھی دیا دیکھا
میں اپنے عہد کا صحرا ہوں مجھ کو حسرت ہے

ترے حضور گروں آبشار ہوجاؤں

عصری ادبی رجحانات میں انشاء اور مصحفی کی طویل ردیف استعمال کرنے کی روایت کا احیا بھی ہوا ہے اور بہت سے شعراء طویل طویل ردیفوں کو بڑے سلیقے سے اپنی غزلوں اور نعتوں میں برت رہے ہیں۔ قمر وارثی بھی سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنے کے عادی ہیں اور طویل ردیفو کو بھی بڑی خوبی سے نباہتے ہیں۔ ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے "کہف الوریٰ" میں شامل ایک نعت یہاں درج کرتا ہوں۔

لاکھ تھے ضوفشاں پھر بھی ایسے نہ تھے قلب و جاں کے دیئے
عشق سرکارؐ نے معتبر کردیئے قلب و جاں کے دیئے

اوج پر تھا غم دوری مصطفےٰؐ اور پھر یہ ہوا
بجھتے بجھتے بیاد نبیؐ جل اٹھے قلب و جاں کے دیئے

آندھیوں کا ہنر اس حقیقت کی رکھتا نہیں ہے خبر
کتنے مربوط ہیں مرکز نور سے قلب و جاں کے دیئے

راہ طیبہ ملی، جلوہ گاہ نبیؐ میں ہوئی حاضری
رشک اپنے مقدر پہ کرنے لگے قلب و جا کے دیئے

جالیوں سے ہوا چھن کے آئی تو چھائی کچھ ایسی فضا
اشک بن بن کے پلکوں پہ روشن ہوئے قلب و جاں کے دیئے

قرب کی انتہا نے کیا وہ کرم کر کے آنکھوں کو نم
رکھ دیئے میں نے قدموں میں سرکارؐ کے قلب وجاں کے دیئے

سبز گنبد کو دیکھا ہی تھا اک نظر دیکھتے ہی قمر
جلوہ دید کی موج میں بہہ گئے قلب و جاں کے دیئے

اس نعت میں قمر وارثی نے ردیف کی طوالت کو نہ صرف سلیقے سے نباہا ہے بلکہ انہوں نے پوری نعت کو وحدت تاثر (Unity Of Impression) کا مرقع اور غزل مسلسل کا نمونہ بنا دیا ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ ردیف کی طوالت ترسیل جذبات میں بھرپور معاونت کررہی ہے پھر حاضری اور حضوری کی ایک پوری مربوط داستان شروع سے آخر تک مرحلہ وار بیان ہوگئی ہے اور اس داستان کو بیانیہ (Narrative) انداز کے بجائے تخلیقی (Creative) موڈ کے ساتھ رقم کیا گیا ہے۔

جدید نعت میں ایک لہر تو خود آگاہی کے کرب کی محسوس کی جاتی ہے اور ایک خود آگہی کی آرزو جھلکتی

ہے۔ خود آگہی کی آرزو کے حوالے سے کچھ اشعار پہلے آچکے ہیں ایک شعر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی صاحب کا بھی ملاحظہ فرمالیجیے ۔

عثمانؓ و ابوبکرؓ و علیؓ کی تجھے سوگند
مل جائے مجھے میری خبر سید عالمؐ

خود آگاہی کا کرب محسوس کرنے والے بھی بہت سے شعراء ہیں لیکن اس گروہ کی نمائندگی پروفیسر عنایت علی خاں عنایت کے درج ذیل اشعار سے بھرپور طریقے سے ہوجاتی ہے۔ ان اشعار میں شاعر کی اپنی ذات کی فردیت کا خصوصی حوالہ معاشرے کی عمومی فضا کا عکاس بن گیا ہے۔

ترے حسن خلق کی اک رمق مری زندگی میں نہ مل سکی
پہ میں مطمئن ہوں کہ شہر کے درو بام کو تو سجا دیا
میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا
یہ مری عقیدت بے بصر یہ مری ارادت بے ثمر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جدید اسلوب اور تازہ لہجے کا اضافہ کرنے والوں میں ایک نام صبیح رحمانی کا بھی ہے۔ صبیح رحمانی نے تجریدی (Abstract) جذبوں کو ٹھوس (Concrete) تشبیہات سے مزین کیا ہے اس طرح شاعرانہ تخیل کو بصری (Visval) تجسیم مل گئی ہے۔ خوب صورت تشبیہات اور موزوں تلازمات (Appropriate Associations) نے صبیح کی شاعری کو جمالیاتی اظہار کا نمونہ بنا دیا ہے چند نمونے ملاحظہ ہوں ۔

اتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اسؐ نے
شکستِ شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ
صبیح ان کی نگاہ اور تو کہ جیسے برف کی کشتی
کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ
میں نوائے شب میں بھٹک گیا نئے سورجوں کی تلاش میں
کوئی روشنی کہ بدل سکے مری شب کا حال مرے نبیؐ
اتارے جسم و جاں پہ سارے موسم شادمانی کے

بدل دی شہرِ ہستی کی فضا اول سے آخر تک
انکی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ ملتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم
لکھے سب پھول جیسے لفظ سوچے چاند سے مضموں
صبیحؔ نعت گو کو نعت کا لہجہ نیا دے دو

جدید عہد میں جدید طرزِ اظہار اور فکر کے نئے زاویوں کے ساتھ نئے نئے پیرایہ ہائے بیان بھی اختیار کئے جا رہے ہیں جن میں آزاد نظم نثری شاعری (نثری نظم نہیں) اور جاپانی صنفِ سخن ہائیکو بھی شامل ہیں۔ دنیائے نعت میں بھی بہتیرے تجربے ہوئے ہیں جن میں ہائیکو لکھنے کے تجربات بڑے نمایاں ہیں۔ صبیحؔ نے بھی بڑے خوبصورت ہائیکو کہے ہیں مثلاً"

صرف مدینے میں
اور کہاں پر اگتے ہیں
سورج سینے میں

سیرت کے انوار
سورج بن کر ابھرے ہیں
انؐ کے پیروکار

اردو نعتیہ شاعری میں جدید اسالیب تلاش کرنے کا کام ابھی تو صرف شروع ہوا ہے۔ اس چھوٹے سے مضمون میں تمام شعراء کا تذکرہ کرنا اور تمام اچھی شاعری کے نمونے دینا ممکن نہیں ہے۔ بہت سارے اہم نام باقی رہ گئے ہیں جن کا احاطہ کرنے کے لیے دوسری قسط لکھنا ہوگی چنانچہ اس مضمون کو سلسلے کی پہلی کڑی تصور کیا جائے۔ باقی۔ باقی

کتابیات

۱ - کلیات اقبال' لاہور۔

۲ - حدائق بخشش۔ احمد رضا خان بریلوی مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی ۱۹۷۶ء

۳ - بے مثال' عارف عبدالمتین' کاروان ادب' ملتان ۱۹۸۵ء

۴ - جمال' احمد ندیم قاسمی بیاض' لاہور ۱۹۹۲ء

۵ - اساس سرشار صدیقی ظہور کشفی میموریل سوسائٹی' کراچی ۱۹۹۰ء

۶ - وسلموا تسلیما ○ حفیظ تائب مقبول اکیڈمی' لاہور ۱۹۹۰ء

۷ - صلو علیہ وآلہ حفیظ تائب سیرت مشن لاہور ۱۹۷۸ء

۸ ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنیف اسعدی ' اقلیم نعت ' کراچی ۱۹۹۶ء

۹ ۔ "ورثہ" سعید وارثی ' کراچی

۱۰ ۔ بہارِ نعت ' حفیظ تائب ' پاکستان رائٹرز گلڈ ' لاہور ۱۹۹۰

۱۱ ۔ اللھم صلی علی محمدؐ ریاض مجید ' فیصل آباد ۱۹۹۳ء

۱۲ ۔ نورِ ازل مظفر وارثی ' ماورا پبلشرز ' لاہور ۱۹۸۳ء

۱۳ ۔ سرکار ' اختر لکھنوی ' قلم نشاں پاکستان ' کراچی ۱۹۹۵ء

۱۴ ۔ تمام و نا تمام ' عاصی کرنالی ۵ ۳ شالیمار کالونی ' بوسن روڈ ' ملتان ۱۹۹۳ء

۱۵ ۔ ایوانِ نعت ' صبیح رحمانی ' ممتاز پبلشرز ' اردو بازار ' کراچی ۱۹۹۳ء

۱۶ ۔ نعت رنگ ۔ ۲ ۔ صبیح رحمانی ' اقلیم نعت ' کراچی

۱۷ ۔ نعت رنگ ۔ ۱ " " " "

۱۸ ۔ جواہر النعت ' عزیز (صابری) احسن ' کراچی

۱۹ ۔ جادۂ رحمت صبیح رحمانی ' ممتاز پبلشرز ' کراچی ۱۹۹۳ء

۲۰ ۔ مجموعہ محمد حسن عسکری ' سنگ میل پبلی کیشنز ' لاہور ۱۹۹۳

۲۱ ۔ شعر شور انگیز (جلد سوم) شمس الرحمن فاروقی ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۹۳ء

۲۲ ۔ ارمغان جمیل ' جمیل نقوی ' الیٹ پبلشرز لمیٹڈ ' کراچی ۱۴۰۵ء

○

اُردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار

ڈاکٹر عصمت جاوید (بھارت)

ما قبل تاریخ کے دور میں مذہب صرف مظاہر فطرت سے خوف زدہ ہو کر انھیں رام کرنے، رجھانے اور ان کے آگے سرنیاز خم کرنے سے عبارت تھا، کیونکہ ابتدائی انسان کی نظر میں ہر مظہر فطرت رب النوع کی حیثیت رکھتا تھا، وہ مصوری ہو، مجسمہ تراشی ہو، فن تعمیر ہو، تمثیل ہو، رقص و سرود ہو، یا شاعری، یہی وہ انسان کے حواس خمسہ کو تیزی سے متاثر کرنے والے ذرائع اظہار تھے، جن کے توسط سے ابتدائی انسان مظاہر فطرت کو ارباب فطرت سمجھ کر ان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ آج بھی جب انسان نے مظاہر فطرت پر بڑی حد تک قابو لیا ہے، اس سرزمین پر ایسی قوموں کا وجود باقی ہے جن کے مذاہب۔ اگر انھیں مذہب کا نام دیا جائے۔ صرف رسوم عبادات (RITUALS) کا مجموعہ ہیں جن میں فنون لطیفہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اسلامی عقیدہ کے مطابق اس سرزمین پر ہبوط آدم کے بعد ہی سے بنی آدم کو نغمہ توحید سنایا گیا تھا لیکن انسان کی محدود عقل پیکر محسوس کی اس قدر خوگر تھی کہ وہ پتھروں، درختوں، سمندروں، سانپوں اور اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویروں اور مورتیوں سے بلند اٹھ کر اس بلند و بالا قوت کے تصور تک پہونچنے کے لئے تیار نہ تھی جس نے اپنے اثبات کے لئے انبیائے کرام وقتاً فوقتاً مبعوث کئے، جب انسانی فکر کے بالغ ہونے کا وقت آیا، تو مشیت ایزدی نے دین کی تکمیل کے لئے "اکمل البشر" کا انتخاب کیا جس نے دنیا کے سامنے وہ ضابطہ حیات پیش کیا جسے اسلام کہتے ہیں، اسلام نے دنیا کی تمام معاشی، معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے جو نسخۂ حیات تجویز کیا، اس میں عقیدۂ توحید اساسی حیثیت رکھتا ہے، جس میں شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور نہ کوئی مفاہمت ہے۔ بقول اقبالؒ

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے   شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اسلام کی نظر میں وہ اصنام مادی ہوں یا اصنام خیالی، ان کی پرستش چاہے وہ کسی شکل میں ہو شرک کا حکم رکھتی ہے، اس لئے دنیائے اسلام میں بعض فنون لطیفہ تو بالکلیہ مطرود قرار دیئے گئے اور بعض کے وہ تمام پہلو ممنوع قرار پائے جن میں نفسانی خواہشات کے مشتعل ہونے "ظلم پرور اور باطل پرست قوتوں کے آگے سر جھکانے، جادۂ حق سے منحرف ہونے اور بلند اخلاقی قدروں کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے امکانات ہیں، یہ فن تعمیر اور فن خطاطی کو اسلام کے زیر سایہ جو فروغ حاصل ہوا وہ فنون لطیفہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ شاعری میں بھی اسلام نے حدود مقرر کئے، صرف وہی شعراء تلامیذ الرحمن کہلانے کا حق رکھتے ہیں

جو انسانیت دوستی بلند اخلاقی کردار اور مطہر و منزہ جذبات کے اظہار کے لئے اپنی اپنی فنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امرؤ القیس کے بارے میں یہ ارشاد مبارک کہ "اشعر الشعراء وقائدھم الی النار" شاعری کی موثر قوت کا اعتراف بھی ہے اور اس کی تحدید بھی۔

اسلامی ادبیات میں خدائے بزرگ و برتر کی حمد اور اس کے حضور مناجات کو جو مرتبہ حاصل ہے وہی مرتبہ نعت کو بھی حاصل ہے' کیونکہ اہل ایمان کے نزدیک خدا کے بعد جو سب سے زیادہ تعریف کا مستحق ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے جنھوں نے عالم انسانیت کو خدا کے صحیح تصور' کائنات کی غایت تخلیق اور دنیائے اخلاقیات میں خدا کی طرف سے طے کئے ہوئے اوامر و نواہی سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ اس کا عملی نمونہ تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دیا' جس سے انکار صرف متعصب دین ہی کر سکتا ہے' دنیا بھر کے مسلمان جو جو زبانیں بولتے ہیں ان میں نعتیہ ادب کا وجود ایک فطری امر ہے' اردو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں' نعت گوئی کے دو امکانی پہلو ہیں' ایک پہلو تو وہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ظاہری "کمالات باطنی" آپ کی زندگی کے اہم واقعات' غزوات اور تاریخ عالم میں آپ کے بے مثال دین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا پہلو وہ ہے جس میں نعت گو شاعر آپؐ کی بے مثال شخصیت سے اپنی بے پناہ عقیدت و محبت کی ترجمانی کرتا ہے' ظاہر ہے کہ نعت کے ان دونوں پہلوؤں کو آب بند خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا' ایک عنصر دوسرے عنصر میں اس حد تک گھلا ملا ہوتا ہے کہ اس نامیاتی اکائی کو ایک دوسری سے الگ کرنا ممکن نہیں' پھر بھی چونکہ بعض نعتیہ اشعار یا نظموں میں وصف نگاری کا پہلو غالب ہوتا ہے اور بعض میں عقیدت و محبت کا' اس اعتبار سے ان پہلوؤں کے بارے میں الگ الگ گفتگو کی جا سکتی ہے۔ مقالۂ ہٰذا میں اردو نعت کے صرف اسی پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی جس میں عقیدت و محبت کا عنصر نمایاں ہے اور وصف نگاری کی بنیاد بھی اس عقیدت و محبت پر قائم ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے

با چنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم　　　　در جنوں از خود نرفتن کار ہر دیوانہ نیست

نعت کی دنیا ایسی ہے جس میں ہر دیوانہ کے لئے لازمی ہے کہ وہ جوش عقیدت میں ان حدود سے تجاوز نہ کر جائے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں' نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے' یہاں عالم جوش جنوں میں بھی ارتکاب شرک کسی صورت میں روا نہیں' کیونکہ شرک سے تصور توحید کی نفی ہوتی ہے جس پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے اور نعت میں ارتکاب شرک کا قدم قدم پر خطرہ ہے' کیونکہ خالق اور اس کی بزرگ ترین مخلوق کے درمیان اس قدر کم فاصلہ ہے کہ جوش عقیدت میں اس فرق مراتب کو قائم رکھنا ایسے شاعر کے لئے بدرجہا مشکل ہو جاتا ہے جس کی زبان نعت گوئی میں کھلی ہے' اگر ایک خالق دو عالم ہے تو دوسرا وجہ تخلیق دو عالم' اگر ایک خالق کائنات ہے تو دوسرا سرور کائنات' اگر ایک رب العالمین ہے تو دوسرا رحمۃ للعالمین' اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک خدا

ہے تو دوسرا محبوب خدا۔ یہ فرق جتنا باریک ہے اتنا بنیادی بھی ہے، عبد و معبود کا یہ باہمی اختلاف ایک نا قابل عبور خلیج ہے اسے اس طرح سمجھئے کہ اگرچہ انسان حیوان ہی کی ایک نوع ہے لیکن اس کے اور حیوان کے درمیان ناقابل عبور باب حائل ہے، جن قوموں نے خالق و مخلوق کے درمیان اس نازک فرق کو ملحوظ نہیں رکھا وہ گمراہ کن عقائد، فسق و فجور، ظلم و تعدی اور اصنام پرستی کی آڑ میں نفس پرستی کا شکار ہو گئیں اور آج بھی ہیں، ہندوستان کے نام نہاد توحید پرستوں میں اس خطرناک رجحان کی طرف حالیؔ نے مسدس حالی میں جہاں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے وہاں یہ بھی کہا ہے

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

جہاں تک اردو کے نعتیہ ادب کا تعلق ہے، کچھ نعت گو ایسے ضرور ہیں جنھوں نے حاشا و کلا اس قسم کی گستاخی کر کے "ولم یکن لہ کفوا احد" کے بنیادی عقیدے سے انحراف کیا ہے، لیکن مستثنیات سے قطع نظر ہمارے نعت گو شعرا نے جوش عقیدت میں بھی نعم العبد والمعبود کے درمیان جو قاب قوسین سے بھی کم کا فاصلہ ہے، اسے ملحوظ رکھا ہے، اور جہاں بھی حدود شریعت کے متجاوز ہونے کا خطرہ محسوس کیا ہے وہاں یا تو خاموشی اختیار کر لی ہے یا پھر اس سے بچ نکلنے کی کوئی دوسری صورت نکالی ہے، مثلاً" حفیظ جالندھری کہتے ہیں

بہ صورت نور سبحانی بہ معنی ظل روحانی نشان حجت حق مظہر تائید ربانی!!
وہ جس کو فاتح ابواب اسرار قدم کہئے بنائے عرش و کرسی، باعث لوح و قلم کہئے
علی الاعلان سر کنت کنزا مخفیا" کہئے مگر اس کو شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہئے

دیکھئے اصغر گونڈوی نے وفور شوق میں شرک سے بچنے کی کیا صورت نکالی ہے

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں نہ دیں جو اہل شریعت جبیں کو اذن سجود

اصغر گونڈوی نے اکثر مقامات پر نعم العبد اور معبود کے اس لطیف فرق کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے مثلاً۔

عظمت تنزیہ دیکھی، شوکت تشبیہ بھی ایک حال مصطفیٰ ہے ایک قال مصطفیٰ
بجلی ہو، مہوشہ ہو، یا شمع حرم ہو ہے سب کے جگر میں رخ تابان محمد
اے حسن ازل اپنی اداؤں کے مزے لے ہے سامنے آئینۂ حیران محمد
وہ راز خلقت ہستی، وہ معنی کونین! وہ جان حسن ازل، وہ بہار صبح وجود!

بقول اقبالؔ

نگاہ عشق و مستی میں، وہی اول وہی آخر وہی قرآں، وہی فرقاں وہی ۔یٰسیں وہی طٰہٰ

ایک شاعر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کیا خوب کہتا ہے

بات یہ کیا ہے خدا کو جو پکارا میں نے نام لب پر مرے بے ساختہ آیا تیرا (بدیع الزماں خاور)

تو کوئی شاعر و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ کے حوالے سے اس طرح کہتا ہے

سر ہوتے نہ کیوں بدر و احد، خندق و خیبر — جب دست خدا آپ ہو بازوئے محمدؐ (عشق نقوی)

اس قبیل کے کچھ اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

حقیقت میں رجبہ آب و خاک — مجسم ہوا نور یزدان پاک (صبا لکھنوی)

نبی کا نطق ہے نطق الٰہی — کلام حق ہے فرمان محمدؐ (دلو رام کوثری)

ترا دیدار ہو دیدار الٰہی مجھ کو!! — تری الفت مرا ایمان رسول عربیؐ (بیدم شاہ وارثی)

جو یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ ہوتا کوئی بھی پیدا — خدا کی شان بھی گویا خدائی ہے محمدؐ کی (بسمل الہ آبادی)

غالب نے مشاہدۂ حق کی گفتگو کے سلسلے میں بادہ و ساغر کے استعاروں کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، نظریۂ وحدت الوجود کو تسلیم کرنے والے صوفی شعرا نے ان استعاروں کا استعمال فراخدلی سے کیا ہے اور کہیں کہیں تو معشوق مجازی اور معشوق حقیقی میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے نعت گو شعراء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور، قدِ رعنا، خد و خال، گیسو، وغیرہ کی بھی جی کھول کر تعریفیں کی ہیں، لیکن جوش محبت میں ایسے انداز بیان سے گریز کیا ہے جن کا اطلاق معشوق مجازی پر بھی ہو۔ ایک نعتیہ قصیدے میں سودا عاشقانہ تشبیب ضرور استعمال کرتے ہیں لیکن بہت جلد یہ کہ کر مدح کی طرف گریز بھی کر لیتے ہیں

کچھ اے ناقباحت فہم کب تک یہ بیاں ہو گا — ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

آپ کے قدِ رعنا کی تعریف میں دیکھئے ایک شاعر کیا شاعرانہ توجیہ پیش کرتا ہے

ممتاز الیس بنا کر صورتیں آدمؑ سے تا عیسیٰؑ — تب آیا راست نقشہ کلک قدرت سے ترے قد کا

دیکھئے ہمارے نعت گو شعرا نے حضورؐ کے رخ پر نور، خد و خال، گیسو و رخسار کی تعریف میں کس حد تک محبت کے اظہار کے ساتھ ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔

والیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا — والشمس ہے ترے رخ پر نور کی قسم (بہادر شاہ ظفر)

شکن در شکن وہ محمدؐ کے گیسو — محیط دو عالم وہ رحمت کے سائے (خمار بارہ بنکوی)

ہے یاد رخ پر نور نبیؐ، ہے تذکرہ گیسوئے نبیؐ
آئے تو ہماری صبح نہیں، گذرے تو ہماری شام نہیں (دل لکھنوی)

سونگھ کر بھینی بھینی وہ خوشبوئے تن — دیکھ کر رنگ رحمت چمن در چمن
کر کے انت نبیؐ پڑھ کے صل علیٰ — بلبل خوشنوا چہچہانے لگا (اکبر وارثی)

وہ خط، وہ چہرہ، وہ زلف سیاہ تو دیکھو — کہ شام صبح کے بعد آئی، صبح شام کے بعد (آسی غازیپوری)

سرو خراماں، چہرہ گلستاں، جبہ تاباں، مہر درخشاں
سنبل پیچاں، زلف معنبر، صلی اللہ علیہ وسلم (امیر مینائی)

عام طور پر ہمارے شعرانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی تعریف میں عمومی انداز اختیار کیا ہے
ایک نعت میں اصغر گونڈوی فرماتے ہیں

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود!

محسن کاکوروی فرماتے ہیں

گل خوش رنگ رسول مدنی و عربی زیب دامان ابد طرۂ دستارِ ازل!

اختر شیرانی کہتے ہیں

شادابیِ صنوبر و نسریں تمہیں سے ہے بوئے گل و بہارِ گلستاں تمہیں تو ہو

بقول احمد رضا خان بریلوی

انہیں کی بو مایۂ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

متین سروش کہتے ہیں

تخلیق ازل خود ہی جس حسن پہ نازاں ہو اے کاش کوئی دیکھے وہ جلوۂ انسانی

تو بقول معین ادیبی

پھیلی ہوئی تنویر ہے سرکار جہاں کی جس سمت بھی دیکھو نگہ حسن یقیں ہے

نعت کا ایک اور موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ختم النبین اور سرتاج انبیاء ہیں دیگر انبیائے کرام سے مقابلہ و موازنہ کر کے آپ کی افضلیت و برتری کا اظہار کرنا ہے، اس لئے نعت میں اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں جوش عقیدت میں دیگر انبیائے کرام کی تحقیر کا کوئی پہلو نہ نکلے از رفئے اسلام تمام انبیائے کرام کا احترام بھی مسلمانوں کا جزو ایمان ہے، مثنوی "سحر البیان" میں میر حسن اسی بے احتیاطی کا شکار ہو جاتے ہیں جب وہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ دیگر انبیائے کرام سے اس انداز میں کرتے ہیں جو ان کی شایان شان نہیں، مثلاً" فرماتے ہیں

کروں اس کے رتبہ کا کیا میں بیاں کھڑے ہوں جہاں باندھے صف مرسلاں
مسیح اس کی خرگاہ کا پارہ دوز!!! تجلی طور اس کی مشعل فروز!!!
خلیل اس کے گلزار کا باغباں!!! سلیماں سے کئی مہردار اس کے یاں
خضر اس کی سرکار کا آبدار!!! زرہ ساز داؤد سے دس ہزار !!!

پارہ دوز خیمہ سینے والے کو کہتے ہیں۔ مہردار اس شاہی ملازم کو کہا جاتا ہے، جس کی تحویل میں بادشاہ کی مہر خاص ہوتی ہے، آبدار اس ملازم کو کہتے ہیں جسکے ذمہ بادشاہ اور امراء کے لئے پانی مہیا کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اردو کے نعت گو شعرانے اس باب میں احترم کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ صرف چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

تھا خضر ہی تشنہ شوق لقا نہیں
یوسف بھی ہے پیا سا مدام اس کی چاہ کا (غلام امام شہیدی)

نبی کتنے گئے اس غم میں روتے
کہ اے کاش! ہم ان کی امت میں ہوتے (سعادت یار خان)

آدم صفی اللہ ہیں موسیٰ کلیم اللہ ہیں
عیسیٰ بھی روح اللہ ہیں لیکن تو چیزے دیگری (الم مظفر نگری)

خلیل اللہ ہے کوئی، کلیم اللہ ہے کوئی
مگر آقا مرے آئے ہیں محبوب خدا بن کر (احسن مارہروی)

عظمت نوح و خلیل ناز مسیح وکلیم!
سینہ آدم کا راز دیدہ یزداں کا نور (روشن صدیقی)

چاند ہو تم تو رسولان سلف تارے ہیں
سب نبی دل ہیں تو تم جان رسول عربی (بیدم شاہ وارثی)

نعت کا ایک اور موضوع شہر مدینہ کی تعریف ہے، یہی وہ موضوع ہے جس نے اسلام کی تاریخ میں ایک انقلاب پرور کردار ادا کیا ہے، اس شہر کو اس بات کا بھی شرف حاصل ہے کہ یہاں گنبد خضراء ہے جو زیارت گاہ عاشقان رسول ہے، ہمارے نعت گو شعرا نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "سرکار مدینہ" "تاجدار مدینہ" اور سلطان مدینہ کہہ کر مخاطب کیا ہے، وہیں اس شہر کی گلیوں کی تعریف کر کے اس عقیدت و محبت کا بھی اظہار کیا ہے جو انھیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اکثر نعتیہ نظموں کی ردیف ہی "مدینہ" ہے جیسے "تمنائے مدینہ" "قربان مدینہ" "گھٹا مدینہ سے" "مدحت سلطان مدینہ" "دولت سلطان مدینہ" "تاجدار مدینہ" وغیرہ۔۔۔ کوئی شاعر چاہتا ہے کہ جب اسے موت آئے تو اس کا طائر روح گنبد خضرا پر جا بیٹھے

تمنا ہے درختوں پہ ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا (کرامت علی شہیدی)

تو کوئی موت کو کچھ دیر رک جانے کے لئے کہتا ہے تاکہ وہ دیدار مدینہ کی حسرت پوری کر لے۔

پھر لوٹ کے آنا ذرا اے موت ٹھہر جا! باقی ہے ابھی حسرت دیدار مدینہ! (سلام سندیلوی)

کبھی کوئی شاعر اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ جب کعبہ میں اسے موت آئے تو اس کا منہ مدینہ کی طرف

ہو'

جان کی طرح یہی دل میں تمنا ہے ریاض مروں کعبہ میں تو منھ سوئے مدینہ ہو جائے (ریاض خیر آبادی)

تو کسی شاعر کو سرزمین مدینہ میں سجدوں کی لذت حاصل ہوتی ہے اور وہ پے بہ پے سجدہ کرنا چاہتا ہے

مدینہ کی زمیں پر لذت سجدہ کوئی دیکھے کہ فرض اک سجدہ کر دیتا ہے ہر سجدہ ادا ہو کر (بسمل الٰہ آبادی)

کوئی حضرت خضر کو مدینہ میں عمر جاوداں کے مزے لوٹنے کی تلقین کرتا ہے تو کوئی مدینہ کی ہواؤں میں شراب کی تاثیر محسوس کرتا ہے

اے بادہ کشو تم کو مبارک مے و ساغر میں بے مے و ساغر بھی ہوں سرشار مدینہ (سلام سندیلوی)

زندگی وادی یثرب میں بسر کرنا تھی! حضرت خضر کو جی کر بھی نہ جینا آیا! (نوح ناروی)

کوئی شاعر سنگ اسود کی اس حسرت کی ترجمانی کرتا ہے کہ اسے کعبہ کے بجائے روضۂ اقدس میں جگہ کیوں نہ ملی۔

رہا کعبہ میں، تیرے روضے کے در پر نہ جا پایا اسی اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگ اسود کا (کرامت علی شہیدی)

مندرجہ ذیل اشعار میں ذوق و شوق کی والہانہ کیفیت کا اظہار بڑی کامیابی سے ہوا ہے

روضۂ مصطفیٰؐ کو دیکھیں گے قبۂ پر ضیا کو دیکھیں گے

صبح کی شبنمی فضاؤں میں رقص موج صبا کو دیکھیں گے (انور صابری)

اللہ اللہ ان کا کرم دیکھنا ہم تصور میں روضے پہ جانے لگے!

پھر دل جتلا کیف پانے لگا، پھر مدینے کے دن یاد آنے لگے!

دیدہ روح و دل کھوئے کھوئے سے تھے، دوری و ہجر میں روئے روئے سے تھے!

جب وہاں کی بہاریں نظر آگئیں، دیدہ وروح و دل مسکرانے لگے! (بہزاد لکھنوی)

ذیل کے اشعار سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضورؐ تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں (حسن بریلوی)

کہتی ہے خلق مجھ کو خراباتی نبیؐ! اچھا کوئی خطاب نہیں اس خطاب سے (عرش ملسیانی)

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا، فروغ وادی سینا!!! (اقبالؒ)

خدا منھ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا (کرامت علی شہیدی)

دل نثار مصطفیٰؐ، جاں پائمال مصطفیٰؐ! یہ اویس مصطفیٰؐ ہے، وہ بلال مصطفیٰؐ! (اصغر گونڈوی)

ارے مجنوں ہوا بدنام تو لیلیٰ کو دل دے کر اگر میرے نبیؐ کو دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا! (فراقی بیجاپوری)

اپنے کسی محبوب یا بزرگ ہستی کے آگے اپنا دکھ درد بیان کر کے اس سے مدد طلب کرنا بھی اس ہستی

سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے' اردو کے نعتیہ ادب میں کچھ ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ان سے اپنی امت کے حال زار پر نظر کرم کرنے کی درخواست کی گئی ہے' مثلاً حالیؔ اپنی ایک نظم میں حضور پاک کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے — امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں — بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی — ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزت کے ہیں خواہاں — پر فکر ترے دین کی عزت کی سدا ہے

اس نظم میں حالی نے اپنی قوم کی ابتری' خستہ حالی' اور تباہی کی داستان اجمالاً بیان کی ہے' یہ وہی درد ناک داستان ہے جس نے پھیل کر مسدس حالیؔ کی شکل اختیار کی ہے اقبال کی نظم "حضور رسالت مآب میں" اردو ادب کا شاہکار ہے' اس نظم میں مسلمانوں پر ہونے والے سیاسی مظالم' مسلمانوں کے جذبہ شوق شہادت اور حضور سے استمداد کو صرف ایک مصرعہ میں جو نظم کا آخری مصرع ہے ایسی فنکارانہ چابکدستی سے پیش کیا ہے کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی' نظم کے آخری مصرعے کو پڑھ کر قاری کے سامنے نظم کا مرکزی خیال ایک بجلی کی طرح کوند جاتا ہے' نظم کے آخری بند کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو' وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں! — جو چیز اس میں ہے' جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

پاکستان کے ایک مشہور شاعر نے جن کا مسقط الراس یہی شہر اورنگ آباد ہے' اپنی ایک نظم "اعتراف بحضور سرور کائنات" میں اپنے وطن کے مسلمانوں کے اخلاقی بحران کا نقشہ بڑے موثر انداز میں کھینچا ہے' اس کا اطلاق ہندوستان کے کیا تقریباً" ہر ملک کے مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے' حمایت علی شاعر کی اس شاہکار نظم سے صرف چند اشعار پیش کرکے میں اپنا مقالہ ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا

حضور آپ کی امت کا ایک فرد ہوں میں — مگر خود اپنی نگاہوں میں آج گرد ہوں میں
میں کس قلم سے لکھوں سرخیٔ حکایت عشق — کہ رنگ دیکھ کے اپنے لہو کا زرد ہوں میں
فقط تلاوت الفاظ میرا سرمایہ — پس حروف ہے کیا کب مجھے نظر آیا
کھلے تو کیسے کھلے مجھ پہ معنی اقراء — کہ میرے علم پہ ہے میرے جہل کا سایہ
میں بت پرست نہیں ہوں پہ بت شکن بھی نہیں — وہ مرد تیشہ بکف ہوں جو کوہ کن بھی نہیں
میں فکر بوذرؓ و صبر حسینؓ کا ورثا! — گنوا چکا ہوں تو ماتھے پہ اک شکن بھی نہیں

کہا گیا جسے قرآں میں بندۂ مومن وہ میں تو کیا کہ مرا کوئی ہم وطن بھی نہیں

ہر امتی کی یہ فرد عمل ہے کیا کیجے
حضور! آپ ہی ہم سب کا فیصلہ کیجے

○

امام احمد رضا اور محسن کاکوروی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

محسن کاکوروی اور امام احمد رضا تاریخ نعت گوئی کے دو اہم اور درخشاں نام ہیں۔ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے۔ البتہ محسن کا دور دور رضا سے ۳۰ سال قبل شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی سید محسن کاکوروی کی تاریخ پیدائش ۱۲۴۲ھ ہے اور امام احمد رضا کی تاریخ پیدائش ۱۲۷۲ھ ہے۔

سید محسن کاکوروی : علوی سید ہیں۔ قصبہ کاکوری، ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مذہبی رنگ بچپن سے غالب تھا۔ نو سال کی عمر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار نصیب ہوا۔ انہوں نے سب سے پہلی فارسی نظم لکھی، وہ اسی مبارک خواب کی خوشی میں تھی۔

حضرت محسن ابتداء میں مین پوری میں عہدہ نظارت پر فائز ہوئے۔ بعد میں قانون کا امتحان پاس کر کے آگرہ میں وکالت شروع کر دی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں آگرہ چھوڑ کے کاکوری آگئے۔ شورش کے فرو ہونے کے بعد مین پوری میں وکالت شروع کی۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو وصال فرمایا۔

محسن کا عہد لکھنؤ کی شعری صنعت گری کے شباب کا عہد ہے۔ انہوں نے نعت کے توسط سے لکھنؤی ماحول کے بگاڑ اور نری لفظی صنعت گری میں اصلاح کی راہیں ہموار کیں۔

محسن کے کلیات میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مسدس، قطعہ اور رباعی وغیرہ اصناف سخن پائے جاتے ہیں۔ غزلیات کی تعداد کم ہے۔

امام احمد رضا کے "دیوان حدائق بخشش" ہر دو حصص میں غزل، قطع بند، مستزاد، منظومات، قصیدہ مثنوی، مخمس، ترجیع بند، قطعہ اور رباعی وغیرہ اصناف سخن موجود ہیں۔ غزلیات کی تعداد زیادہ ہے۔

محققین نعت اور ناقدین ادب کی آراء کے مطابق جناب محسن کی دو مثنویاں (۱) صبح تجلی (۲) چراغ کعبہ اور ایک قصیدہ "مدیح خیر المرسلین یعنی قصیدہ لامیہ" ہی خامے کی چیزیں ہیں اور ادبی اہمیت و عظمت کی حامل ہیں۔ جب کہ جناب "رضا" کی متعدد غزلوں کے علاوہ ــــ ان کے مندرجہ ذیل منظومات قصائد ــــ سلام، درود، قصیدہ نور ـ ـ ـ قصیدہ معراجیہ، قصیدہ مبنی بر اصطلاحات نجوم و ہیئت، بہاریہ، تشبیب درمیان آمد بہار ماہ ربیع الاول شریف اور کئی رباعیاں از حد مقبول و مشہور ہیں اور تقریباً "پورا دیوان ادبی اہمیت و عظمت کا حامل تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ سید محسن صرف شاعر تھے جب کہ امام احمد رضا نے پچاس سے زائد نقلی و عقلی علوم و فنون میں تصنیفات عطا کرنے کے باوصف عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں کئی ہزار نعتیہ اشعار بھی عطا کیے ہیں اور اگر تمام علوم و فنون کو ان کی پوری

زندگی پر تقسیم کیا جائے تو شاعری کو ان کی حیات کا صرف ایک سال ملتا ہے اور چونکہ اردو شاعری بہ نسبت عربی و فارسی کے مقدار میں زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے صرف چھ ماہ کا حصہ ملا۔

اب ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے محسن و رضا کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا۔ ان دونوں کے جذبہ عشق رسول کی حدت و شدت و التہاب و ارتعاش کو ناپنے کی کوشش البتہ نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ دونوں بہرحال عاشق رسول ﷺ تھے۔ البتہ اشعار یا دوسرے امور خود بخود اس بات کی وضاحت کردیں گے کہ کس کے ہاں اس عشقِ رسالت مآب کی تب و تاب اور توانائی زیادہ ہے۔

نعت نگاری کے جائزے میں یہ بات بھی دیکھنی ضروری ہوتی ہے کہ آیا کلام دائرہ شریعت میں ہے یا اس سے باہر ہے۔ اس کے بعد علمی، ادبی اور فنی محاسن کا نمبر آتا ہے۔ اب علمی، ادبی اور فنی محاسن کی روشنی میں محسن اور رضا کا تقابلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(ا) سراپا نگاری : محسن کاکوروی کے دو سراپا بہت ہی مشہور ہیں۔

(الف) سراپائے رسول اکرم (مسدس میں) (ب) مثنوی چراغ کعبہ

امام احمد رضا نے التزام کے ساتھ ایک سراپا قصیدہ سلامیہ میں رقم کیا ہے۔ بقیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف و رخ، چشم و لب اور قد و قامت وغیرہ کا بیان مختلف نعتیہ غزلوں میں متفرق اشعار کی شکل میں بیان کیا ہے۔

جناب محسن کے پہلے سراپا "سراپائے رسول اکرم" کی طرف ناقدین نے خاص توجہ نہیں دی ہے۔ دراصل رعایات لفظی، صنعت گری اور تلمیحات و اقتباسات کے زیادہ استعمال اور رچاؤ نے مضامین کو گنجلک کردیا ہے اور سراپا کا حسن کچھ سے کچھ ہو کر رہ گیا ہے۔ البتہ یہ مسدس محسن کی صناعی اور قوت شاعری کا نمونہ ضرور مانی گئی ہے۔

محسن نے "مثنوی چراغ کعبہ" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سراپا رقم کیا ہے اس میں زبان و بیان میں سلاست بھی ہے اور مضمون آفرینی بھی۔ البتہ شرعی اعتبار سے چند اشعار قابل گرفت ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

حقا کہ وہ جسم سر سے تاپا
ہے شاہد غیب کا سراپا
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم
آئینہ بنا کے قد آدم
کھینچی بکمال حسن تدبیر
نقاش ازل نے اپنی تصویر

تینوں شعروں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے جلوہ حق کہنے کے خدا کی تصویر اور اس کی شبیہ کہا ہے جب کہ خدا جسم، شبیہ اور تصویر و سراپا سے پاک ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "من رانی راء الحق" فرمایا ہے یعنی جس نے مجھ کو دیکھا حق کا جلوہ دیکھا نہ کہ خدا ہی کو دیکھا۔

ابرو، چشم، گیسو اور جبیں کی تعریف خوب ہیں۔ تشبیہات خوبصورت ہیں اور حوالہ جات بجاو درست۔ البتہ اس شعر میں شرعی خطا موجود ہے

خلوت گہ کبریا کو دیکھا　　　آنکھوں کی قسم خدا کو دیکھا

کلیات محسن کے حاشئے ص ۱۴۳ پر اس شعر کے لیے اشارہ رقم ہے۔ "حضرت کی آنکھیں خلوت گہ کبریا ہیں۔ جس نے ان کو دیکھا۔ خدا کو دیکھا۔"

اولاً تو "خلوت گہ کبریا" ہی قابل گرفت ہے۔ اس لیے کہ خدا مکان سے پاک ہے اور اگر تاویل کر کے "جلوہ گہ کبریا" مان لیا جائے تب بھی ان چشمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار...... دراصل دیدار رب نہیں۔ قسم علاوہ خدا کے کسی اور کی کھانا جائز نہیں۔ البتہ علاوہ انسان کے کوئی اور غیر خدا کی قسم کھائے تو جائز ہے۔ جیسا کہ امام احمد رضا نے لکھا ہے ۔

یہی کہتی ہیں بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ تجھے شوخی طبع "رضا" کی قسم

امام احمد رضا نے محسن والے مضمون کو اس طرح پیش فرمایا ہے۔

ہے جلوہ گہہ نور الٰہی وہ رو
قوسین کے مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں سبزہ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لا مکاں میں آہو

اور دوسرے مقام پر اس طرح فرماتے ہیں۔

سر گمیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

شرعی گرفت سے مبرا اور حسن و تاثیر سے پر ہیں یہ اشعار رضا۔ فرق اہل نظر پر خوب واضح ہے۔
رضا نے سلام میں جو سراپا رقم کیا ہے' اس کا یہ شعر دیکھئے۔ قرآنی حوالہ سے لکھتے ہیں۔

معنی قد رائی مقصد ما طغی
نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام

سلاست زبان و بیان اور معنی آفرینی .... دونوں موجود ہیں۔
محسن کے مزید اشعار ملاحظہ کریں ۔

اسرار دہن میں وحی منزل

اور حامل وحی ریش مرسل
احباب میں لب مسیح تقریر
اعداء میں لیے کلیم شمشیر
کیا ذکر تبسم نہیں ہے
گل کی گلشن میں جو ہنسی ہے
کانوں کی سنی ہے کیا روایت
جو سرد ہے قطب کی ولایت
جوہر کا بھرا ہوا خزینہ
آئینہ بے مثال سینہ
اسرار نہ آسماں نظر میں
ڈوبے ہوئے ہفت بحر و بر میں
اس گردن صاف کی بلندی
تکبیر فریضہ سحر کی

علم ہیئت کی اصطلاحات، قطب شمالی و جنوبی وغیرہ کا استعمال، رعایت لفظی کے ذریعہ پھیلائے گئے۔ خیال میں لطف زبان اور سحر طرازی بیان موجود ہے۔ مگر اصلیت کی چمک اور اثر پذیری کم ہے۔

"اسرار دہن میں وحی منزل، احباب میں لب مسیح تقریر" وغیرہ کہنے میں جدت و ندرت اور فکر کی رفعت تمام و کمال موجود ہیں۔ لیکن جو تقریر احباب میں لب مسیح کی طرح حیات بخش ہے، وہی اعداء میں کلیم کی شمشیر ہے۔ یعنی کاٹ دار تقریر یا مانند بد دعا۔ بر قیاس! جب کہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں سے بھی سخت کلامی کا برتاؤ نہیں کیا اور نہ ہی ان کے لیے بد دعا کی۔

اب دہن، ریش اور لب و اعداء کی سرکوبی کے متعلق رضا کے اشعار ملاحظہ کریں

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزہ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام
ہے لب عیسیٰؑ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

دہن کے متعلق شعر میں محسن و رضا کا انداز ملتا جلتا ہے مگر دہن کو چشمۂ علم و حکمت کہہ کر جو بات رضا نے پیدا کر دی وہ محسن کے ہاں نہیں ملتی۔

ریش مبارک کو ریش دل کا مرہم اور ماہ ندرت کا ہالہ کہنے میں "رضا" کی قوت شاعری کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ریش سے متعلق جو دوسرا شعر رضا نے کہا ہے' اس میں جو ندرت اور معنی آفرینی ہے' اس کی مثال نہ محسن کے ہاں ملتی ہے' نہ ہی کسی اور شاعر کے یہاں۔

اس شعر میں حضور کی صورت کے ساتھ ساتھ سیرت کا بھی بیان ہے۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم اس کی تشریح کرتے ہوئے رضا بریلوی کی شاعرانہ عظمت کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

"ایک شعر پڑھتا ہوں' میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ نے کسی زبان کی شاعری میں سرکار ختمی مرتبت کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہو گی۔ ذرا تصور کیجئے۔ ایک نہر ہے۔ اس کے اردگرد سبزہ ہے۔ اس سبزے سے نہر کا حسن دو بالا ہو گیا ہے۔ نہر عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں۔ آپ کے دہن مبارک کو نہر رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن اقدس سے موجزن ہے۔

یہ دہن اقدس' یہ نہر رحمت کہ سفر طائف میں پتھروں کی بارش ہوئی۔ سر مبارک سے خون بہا' نعلین مبارک تک آ گیا مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے ہوئے عرض کیا "اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما کہ یہ لوگ نہیں جانتے' علم نہیں رکھتے"۔ تو اس دہن اور اس کو نہر رحمت کہا اور ریش مبارک کیا ہے۔ اس دریائے رحمت کے گرد لہلہانے والا سبزہ جس نے نہر رحمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اب شعر ملاحظہ فرمایئے۔

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لب جاں بخش سے متعلق بھی رضا اور محسن کے اشعار میں فرق واضح ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداء کی سرکوبی کی ہے۔ میدان جہاد میں وہ بھی جب کہ کفار گناہ مجسم بن گئے اور انسانیت کے لیے ناسور بن گئے' تب رضا بریلوی ادھر بھی اشارہ کرتے ہیں اور سرکار کی جمالی و جلالی شان کا اظہار کرتے ہیں۔ (شعر نمبر ۵)

تبسم سے متعلق رضا کہتے ہیں۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

اور ایک مقام پر والہانہ فریفتگی کے ساتھ کہتے ہیں۔

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

رضا اور محسن کا مضمون قریب قریب ایک ہے لیکن جو والہانہ پن رضا کے ہاں ہے' وہ محسن کے یہاں نہیں۔

اس گردن صاف کی بلندی...... تکبیر فریضہ سحر کی

محسن کا یہ شعر صنعت گری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

رعنائی قامت مناسب + روزے میں اذان وقت مغرب

بہت خوبصورت شعر ہے۔ رمزیت میں اشاریت اور اشاریت میں رمزیت ہے۔

اب رضا کے اشعار دیکھیں۔

ترا قد تو نادر دہر ہے' کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں پھولوں کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

طائران قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

قامت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہی سرو کہہ کر اور فرشتوں کو طائران قدس اور پھر اس سہی سرو کی قمریاں کہہ کر فنی نزاکتوں کا اظہار کیا ہے اور شاعرانہ حسن بھر دیا ہے۔

محسن کے ہاں اسی طرح دست' انگشت' صورت وغیرہ کی تعریف ہے اور پھر حسن رسول او حسن یوسف کا تقابل بھی ہے۔ اشعار دیکھئے۔

حاضر تھے مہ منیر کنعاں
فرزند جوان پیر کنعاں
گل جن کے تھے مصر کے چمن میں
کانٹے کنعاں کے پیر ہن میں
یعقوب تھے جن کے ناز بردار
تھا جن کا دلوں میں گرم بازار
آنکھوں میں سمائی تھی وہ بجلی
جو خواب میں تھی کبھی نہ دیکھی
یوسف ہوئے جان و دل سے شیدا
منہ دیکھ کے رہ گئی زلیخا

یہ تلمیحاتی اشعار رواں دواں ہیں' صنائی کا اعلیٰ نمونہ بھی ہیں مگر اصلیت سے ایک دم قریب نہیں

ہیں۔ معراج میں سب انبیاء موجود تھے۔ یوسف علیہ السلام سے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ وہ حسن حضور دیکھ کر شیدا ہو گئے لیکن وہاں غیر نبی کا گزر کہاں تھا اور اس طرح حضرت زلیخا کہاں موجود تھیں جو وہ منہ دیکھ کر رہ گئیں۔

اب اس قبیل کے جناب رضا کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

حسن یوسفؑ پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب
کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستان ہے ہر گوشہ کنعان عرب

یوسفستان اور گوشہ کنعان عرب کی ترکیب میں کیسی جدت و ندرت ہے!

امام احمد رضا نے متفرق اشعار کی شکل میں بھی نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال، صورت، زلف، رخسار اور چشم وغیرہ کا شاعرانہ مگر صحیح روایات اور حوالہ جات کے ساتھ والہانہ بیان کیا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسو، عارض اور ایڑیوں کی تعریف میں علیحدہ علیحدہ نعتیں بھی کہی ہیں جو مضمون آفرینی، پیکر آرائی، جمالیات اور دیگر ادبی محاسن سے پر ہیں۔ صرف تین مطلع دیکھیں ۔

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو
عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
نار دوزخ کو چمن کر دے بہار عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے نہار عارض

محسن اور رضا نے اپنے اپنے انداز سے سراپا نگاری کی ہے لیکن رضا کے یہاں مضامین کی وسعت اور رنگارنگی روایات کی صداقت، معنویت کی تہداری، سلاست زبان و بیان بدرجہ اتم موجود ہیں۔ محسن نے مثنوی چراغ کعبہ میں واقعہ معراج کا تفصیلی بیان بھی کیا ہے لیکن اپنے مخصوص انداز بیان سے بھی ہوئی تصوراتی وادیوں میں ڈھال دیا ہے۔ وہ فکر کا پرواز اور لفظوں کی تراش خراش اور تشبیہات و استعارات کی آرائش پر صرف کرتے ہیں جس کے سبب بیان کا آرائشی حسن تو دوبالا ہو جاتا ہے لیکن نفس مضمون کی روح ان کے دبیز پردوں میں روپوش ہو جاتی ہے۔ انہوں نے رات کی جو منظر کشی کی ہے، اس نے اسے پر اسرار طلسمی رات میں ڈھال دیا ہے۔ لفظوں کے سامنے جو فضا ہے، وہ حسین اور خواب گوں تو ہے لیکن واقعیت و اصلیت سے قریب تر نہیں ہے اور نہ ہی لمحہ فکریہ عطا کر کے اذہان کو بیدار کر سکتی ہے۔

محسن کو تشبیہات و استعارات کے برتنے میں بڑا کمال حاصل ہے۔ لیکن ایک مقام پر یہ نازک آبگینہ

ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے۔ شب معراج کی منظر کشی میں فرماتے ہیں۔

انجم کا یہ آسماں میں نقشہ
سوسن کی زمین میں بنفشہ

سوسن کی زمین تو سمجھ میں آتی ہے لیکن انجم کا بنفشہ سے تعلق عقل میں نہیں آتا۔ فکر محسن جب آسمانوں کی سیر سے کامیابی سے گزر کر مقام اعلیٰ پر پہنچتی ہے تو بے اختیاری میں دست فکر سے دامن احتیاط چھوٹ جاتا ہے۔

ذات احمد تھی یا خدا تھا
سایہ کیا میم تک جدا تھا
عرفاں کے مقام کی کریں سیر
دیکھیں کہ صفت عین ہے یا غیر
کیا ہوگئے حد سے بڑھنے والے
سجدے میں درود پڑھنے والے

رضا بریلوی کا قصیدہ معراجیہ جس کا عنوان ہے "تہنیت شادی اسری" خطابیہ قصیدہ ہے اور شب معراج کا تہنیت نامہ ہے۔ مطلع اس طرح ہے۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اب دیگر اشعار ملاحظہ کریں۔

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آئے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
وہ جوت پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی پھیلی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمہ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے
وہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے
دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں کے

غلاف مشکی جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں وہ اونچی چوٹی و ناز و تمکیں
صبا کے سبزے سے لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نما کے نہروں نے وہ دمکتا لباس آب رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حباب تاباں کے تھل نکلے تھے
پرانا پر داغ ملگجا تھا اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تارنگاہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

رضا کی یہ منظر کشی کس قدر فطری ہے۔ تخیل کی پرواز کا انداز حد درجہ سنبھلا ہوا اور متوازن ہے۔ جو بیل بوٹے سجائے گئے ہیں۔ ان میں مقامی بو باس ہے اور س طرح ان کی ایمجری میں ملکی رنگ نمایاں ہے جو اردو شاعری کا اپنا مزاج ہے۔

یہ نظم موسیقیت اور شاعرانہ نکتہ سنجی کا مرقع ہے۔ باجود تبحر عالم دین ہونے کے رضا نے کمال قرب کے ذکر میں قرآن واحادیث کے الفاظ کے استعمال یا اقتباسات کے بجائے ریاضی کی اصطلاحات پر مبنی شعر کہے ہیں تاکہ اس نازک مضمون کو نبھا بھی سکیں اور شرعی پاس وقار بھی برقرار رہے اور قارئین کو معانی کی بھول .ھلیوں میں گم نہ کر کے ان کے اذہان میں مضمون میں باآسانی اتار بھی سکیں۔

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجب چکر میں دائرے تھے
کمان امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے؟

محسن کی "مثنوی صبح تجلی" میں سرکار ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا ذکر بہت حسین اور شاعرانہ انداز میں کیا گیا ہے

بیضاوی صبح کا بیاں ہے — تفسیر کتاب آسماں ہے
سبزہ ہے کنار آب جو پر — یا خضر ہے مستعد وضو پر
غنچے میں خامشی کا عالم — یا صوم سکوت میں ہے مریم

وغیرہ اشعار میں منظر کشی اور مصوری کا عروج کمال ظاہر ہے۔ تشبیہات واستعارات نہایت متحرک اور کیف آور ہیں اور الفاظ میں بڑا پیچ و تاب ہے۔ البتہ سبزہ کو خضر سے اور غنچہ کو مریم سے تشبیہ دینا قطعاً" نامناسب ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا ایک اولوالعزم رسول کی مقدس والدہ۔

امام احمد رضا نے سرکار کی ولادت مبارکہ پر کوئی تفصیلی نظم نہیں لکھی ہے۔ البتہ مختلف نعتوں میں

یہ مضمون ضرور ملتا ہے۔ محسن کی منظر نگاری اور علم بیان کی آرائش و زیبائش کے تقابل سے کلام رضا میں اس طرح کی منظر کشی کے عناصر زیادہ ہیں اور جذبات نگاری میں ان کے خامہ کا کمال لائق دید ہوتا ہے

شب اسریٰ قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر
بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیر منازل کا

ٹپکتا رنگ جنوں عشق شہ میں ہر گل سے
رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے!

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے نکلی دعائے محمدؐ

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمدؐ

ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جنبش ہوئی کس مہر کی انگلی کو "رضا"
بجلی سی گری شیشہ مہ ٹوٹ گیا

بیداغ لالہ یا قمر بے کلف کہوں
بے خار گلبن چمن آرام کہوں تجھے

تاب مراۃ سحر گرد بیابان عرب

غازہ روئے قمر دود چراغان عرب
عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

یہ شام مدینہ نہ سمجھنا اے دل
آہ دل عاشق کا دھواں چھایا ہے

بزم ثنائے زلف میں میری عروس فکر کو
ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطردان ہے

محسن کے کلام کا سب سے خوبصورت نمونہ اور ان کا شہکار ہے۔ قصیدہ لامیہ۔(مدیح خیر المرسلین)
اس قصیدہ کی تمہید محسن کے فکرو تخیل کی رفعت اور شعری توانائی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس قصیدہ کی دو غزلیں جو قصیدہ کی معنوی فضا سے پوری طرح مربوط ہیں اور اس کا جزو نظر آتی ہیں۔ بلاشبہ نعت خالص کا پاکیزہ پیکر ہیں

گل خوش رنگ رسول مدنی العربی زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

امام احمد رضا کا قصیدہ سلامیہ اور قصیدہ درودیہ پورا کا پورا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی پر ہے۔ ان کے علاوہ غزلیات میں بھی خوب صورت نمونے ہیں۔ رضا کی وہ نعت جو صنعت ملمع (چار زبانوں میں ہے) جس کے ہر مصرع کا پہلا ٹکڑا عربی' دوسرا فارسی اور مصرعہ ثانی کا پہلا ٹکڑا ہندی اور دوسرا اردو میں ہے۔ نعت خالص کی منفرد غزل ہے۔ مطلع اس طرح ہے

لم یات نظیرک فی نظر' مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگراج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

لیکن غزل محسن کے تقابل میں دو نعتیہ غزلوں کے چند اشعار پیش ہیں

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول' دہن پھول' ذقن پھول' بدن پھول
صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایماء ہو کہ بن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

یہ پوری غزل ایک لفظ "پھول" سے مختلف مضامین پیدا کرنے کا بے مثل نمونہ بھی ہے۔ پھول سے اس غزل میں حقیقی پھول، ہلکا، گھمنڈ، کرن پھول یعنی زیور وغیرہ معانی پیدا کیے گئے ہیں۔ مقطع بھی بہت جاندار ہے۔

کیا بات "رضا" اس چمنستان کرم کی
زہراؓ ہے کلی جس میں حسینؓ اور حسنؓ پھول

دوسری غزل کا مطلع اور چند اشعار حسب ذیل ہیں

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کے زلف دو تا کی قسم

ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

اس طرح یہ غزل جس کا مطلع ہے

سرور کہوں یا مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

حضرت رضا بریلوی کا سارا دیوان نبی کریم کی بے مثال عظمت و رفعت اور محبت و عقیدت کے پر کیف نغموں سے بھرا پڑا ہے۔ صرف تین اشعار مزید پیش ہیں

نہ رکھا گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

انہیں کی بو مایہ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

کلام محسن میں ناقدین نے جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب

(۲) پاکیزہ اور تازہ کار تشبیہات واستعارات

(۳) تلمیحات اور حسن تعلیل کا وقار اور حسن (۴) منظر نگاری

بلاشبہ مندرجہ بالا اوصاف کلام محسن میں موجود ہیں لیکن امام احمد رضا کے یہاں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں اور بدرجہ اتم موجود ہیں۔

تشبیہ و استعارہ، تلمیحات اور حسن تعلیل کے موازنہ کے سلسلے میں کلام رضا سے اشعار پیش ہیں

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

رنگ مژہ سے کر کے خجل یاد شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطر جمال گل

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

شبنم باغ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

رومی غلام دن حبشی باندیاں شبیں
گنتی کنیز زادوں میں شام و سحر کی ہے

تب زر بنتا ہے عارض پہ پسینہ نور کا
مصحف اعجاز پہ چڑھتا ہے سونا نور کا
ان کے قصر قدر سے خلد ایک کمرہ نور کا
سدرہ پائیں باغ میں ننھا سا پودا نور کا
ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص
کہیعص ہے ان کا چہرہ نور کا
گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف
لا کے تہ تیغ لام تم پہ کروروں درود

یا رب ہرا بھرا رہے داغ جگر کا باغ
ہر مہ مہ بہار ہو ہر سال سال گل

مشکبو زلف رخ چہرے سے بالوں میں شعاع
معجزہ ہے حلب زلف و تتار عارض

مشک سا زلف شہ و نور فشاں روئے حضور
اللہ اللہ حلب جیب و تتار دامن

عرش سے مژدہ بلقیس شفاعت لایا
طائر سدرہ نشیں مرغ سلیمان عرب

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتہً منہ پھر گیا

زبان خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشت طیبہ میں جگر افگار فرقت کا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

سبزہ گردوں جھکا تھا بہر پا بوس براق
پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
سجدہ شکر کا کرتے ہیں اشارے گیسو

ہر اک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کیا سونے کا پانی ہے

جس نے بیعت کی بہار حسن پر قرباں رہا
ہیں لکیریں نقش تسخیر جمالی ہاتھ میں

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

کلام رضا میں عام فہم اور ادق عالمانہ...... دونوں طرح کی تلمیحات موجود ہیں۔ صنعت تلمیح اور اقتباسات یعنی قرآن و احادیث کے حوالے بکثرت ہیں بلکہ ہر شعر ان پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ کلام رضا

میں ایک غزل صنعت واسع الشفتین میں بھی ہے۔ یعنی ہر شعر میں ایسے لفظ لائے گئے ہیں جنہیں پڑھنے پر ہونٹ آپس میں نہیں ملتے ہیں

سید الکونین سلطان جہاں
ظل یزداں شاہ دیں عرش آستاں
کل سے اعلیٰ کل سے اولیٰ کل کے جاں
کل کے آقا کل کے ہادی کل کی شاں

بیان و بدیع میں بھی رضا کا انداز نادرہ کاری کا نمونہ ہے۔ شکوہ الفاظ، سہل ممتنع، لکھنؤ کی ٹکسالی اور بیگماتی زبان کے نمونے بھی موجود ہیں۔ محاورات کی بھی کثرت ہے۔ رضا نے متروک الفاظ کو زندہ کیا ہے۔ انہیں رواج دیا ہے، غیر سامعہ نواز لفظوں کو اپنے غیر معمولی لسانی تجربے سے حسن صوت عطا کیا ہے۔ انہوں نے ساختیاتی تجربے بھی کیے ہیں

ان کا مستزاد اس کی مثال ہے
وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

قصیدہ درودیہ 'ذوقافیتین' میں ہے اور ہر قافیہ میں حروف ہجا کی ترتیب کا التزام ہے۔ صنعت ملمع والی نعت بھی اولیات رضا میں ہے۔

محسن نے صرف نجوم و ہیئت کی کچھ اصطلاحات پیش کی ہیں لیکن رضا نے متعدد نعتوں میں انہیں ماہرانہ انداز میں برتا ہے اور ایک نعتیہ قصیدہ پورا کا پورا انہیں فنون پر مبنی ہے۔ علاوہ ان کے فلسفہ، منطق، ریاضی، سائنس، معانی و نحو وغیرہ علوم و فنون کے اصطلاحات و نظریات کو اپنی نعتوں میں تخلیقی انداز میں تحلیل کیا ہے۔

محسن کے ہاں شرعی خامیاں ہیں مگر کلام رضا اس خامی سے پاک ہے۔

خلاصہ کلام : سید محسن کاکوروی نے بلاشبہ نعت کو فن و ادب کے مقام پر پہنچا کر اسے ایک اعلیٰ شاعری کا درجہ دیا۔ یہ فن پہلی بار انہیں کے یہاں تکمیل آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے نعت کو نئی سمتوں اور جہتوں سے آشنا کیا۔ اسے علمی اور شرعی وقار کا حامل بنا دیا۔ مضامین و موضوعات کی وسعت، تکنیک، ساختیات و لسانی تجربے وغیرہ کے اعتبار سے وہ محسن سے کہیں آگے ہیں۔ محسن کی زبان بھی حسین اور دیرپا ہے لیکن رضا کی زبان ہر دور کی زبان معلوم ہوتی" اور ان کے یہاں ایسی بھی نعتیں ہیں جن پر آج کی شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ ان کا دکشن نرالا ہے۔ ان کا کلام وہبی اور الہامی ہے۔ فرمان فتح پوری لکھتے ہیں: "جہاں تک خاص نعتیہ شاعری کا تعلق ہے، اردو میں جو قبول عام مولانا احمد

رضا خان صاحب بریلوی کی شاعری کو ملا' کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کے ہم عصروں میں محسن کاکوروی کا نام یقیناً" ایسا ہے جن کا معیار نعت گوئی کم و بیش وہی ہے جو رضا بریلوی کی نعتوں کا ہے لیکن محسن کاکوروی کے مجموعہ نعت میں سے صرف ایک قصیدہ لامیہ اور ایک "مثنوی صبح تجلی" ہی کو مقبولیت حاصل ہو سکی ہے۔"

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں "تجر علمی' زور بیان اور وابستگی و عقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتا۔"

اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی نے .... ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔

فرمان فتح پوری اور ریاض مجید کی آراء سے ظاہر ہے کہ امام احمد رضا کا پورا پورا کلام ادبی' فنی' فکری' علمی اور شعری اعتبار سے گرانقدر اور مقبول ہے جب کہ محسن کے یہاں یہ گرانقدری اور قبولیت جزوی طور پر ہے۔ نعت کی تاریخ میں از ابتداء تا دور رضا بلکہ تا عصر حاضر' نعت کی ترویج و اشاعت' اس کو ادبی و علمی مقام عطا کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ امام احمد رضا کا ہے اور چرخ نعت گوئی پر ان کی حیثیت آفتاب عالم تاب کی مانند ہے۔ جب کہ دوسرے نعت نگار ماہتاب و نجوم کی مثل ہیں۔

بانگِ درا کی نعتیہ تب و تاب

پروفیسر محمد اقبال جاوید

بانگ درا ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والا' اقبال کا وہ پہلا اردو مجموعہ کلام ہے جس نے اقبال کو عوام الناس میں متعارف بھی کرایا اور ان کے پیغام کی عظمت و رفعت کے لیے اساسی حیثیت کا کام بھی دیا۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر شعر اقبال کا رفیع الشان قصر وجود میں آیا۔ اس میں نظمیں زیادہ اور غزلیں کم ہیں۔ لسانی شکوہ' اہل نظر اور تماشائی ہر دو کے لیے معتبر دلآویزیوں کا حامل ہے۔ اس کتاب میں پیغام اقبال' اس شاہین کے مانند ہے جو اپنے نشیمن میں مقیم اور پرواز کے لیے بے چین ہو' اور اس کی نگاہ دور بہت دور آفاق کی لافانی وسعتوں پر لگی ہوئی ہو' یا پھر اس دیو کی طرح جو انگڑائی لیا چاہتا ہو۔ بانگ درا میں وطن دوستی کا رنگ بھی ہے اور غیر مسلم شخصیات کی مداحی بھی' داغ کی شستگی زبان بھی ہے اور امیر کا رنگ تغزل بھی۔ انگریزی شعر و ادب سے استفادہ بھی موجود ہے اور منظر نگاری کے دلکش نمونے بھی۔ البتہ خیالات کی گہرائی اور فکر کی سنجیدگی کے مقابلے میں مشاہدے کی گہرائی اور اسلوب و ادا کی رعنائی نمایاں ہے۔ اس میں وہ نظمیں بھی ہیں جو زبان کے اعتبار سے آسان ہیں اور جنہیں بچوں کے ادب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ گویا ابتدائی نوعیت کے اس کلام میں فکری اعتبار سے وہ پختگی نہیں ہے جو بعد میں اقبال کا طرۂ امتیاز بنی' اس میں مشاہداتی نظموں کی بھرمار ہے جب کہ ضرب کلیم میں اس نوع کی کوئی نظم بھی نظر نہیں آتی اور نہ الفاظ و تراکیب کا کوئی ایسا شکوہ دکھائی دیتا ہے۔ وہاں فکر کی عظمت غالب ہے۔ اور زبان و ادا ثانوی ہو کر رہ گئے ہیں اور شاعر اقبال' حکیم الامت کی مفکرانہ شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اقبال کے اپنے الفاظ میں "بانگ درا کی بیشتر نظمیں میرے طالب علمی کے زمانہ کی ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مسلمان دل کا سرمایہ ایمان ہے۔ مولا کریم نے اقبال کو اس سرمائے سے حصۂ وافر عطا کیا تھا۔ اور یہ اس کریم کا کرم خاص بھی ہے اور بڑے نصیب کی بات بھی

دہد حق عشق احمدؐ بندگان چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ بادۂ نوشیدۂ خود را

گو بانگ درا اقبال کا ابتدائی کلام ہے۔ مگر اس میں بھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا ہے۔ اقبال کا قلم آنسوؤں کے گوہر لٹانے کے ساتھ ساتھ' محبت کے پھول برسانے کے لیے بھی بے

چین نظر آتا ہے۔ نعت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ بھی ہے اور ان کی ذاتی پسندیدگیوں کا شعری بیان بھی۔ یہ پسند اشخاص سے لیکر اعمال تک اور مقامات سے لیکر آثار تک پھیلی ہوئی ہے۔ نعت گو کا قلم ان خوش نصیب اصحاب کے حضور میں بھی سجدہ نیاز پیش کرتا ہے۔ جنہوں نے انوار رسالت کو چشم سر سے دیکھا۔ وہ ان فضاؤں کو بھی سلام کہتا ہے، جن میں ممدوح کے سانسوں کی مہک رچی ہوئی ہے۔ وہ ریت کے ان ذروں کو بھی اپنی بھیگی ہوئی پلکوں سے چومتا ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خرام ناز کی وجہ سے ریشم کا لوچ عطا ہو چکا ہے۔

جاوید ہمیں باش بایں نعت وبایں وصف
پاکیزہ با خلاق و پسندیدہ بہ افعال
وصفش ہمہ تقدیس زپیوند و زفرزند
نعتش ہمہ تنزیہہ زامثال و ز اقوال

نعت کی اس تعریف کی روشنی میں، بانگ درا کی نعتیہ رنگ و آہنگ کی ایک اجمالی کیفیت یوں ہے۔

بلالؓ بانگ درا کی ۷۳ویں اور اس اعتبار سے پہلی نظم ہے کہ اس میں نعت کا رنگ بھی ہے اور بلالؓ کے پردے میں خود اقبال کے اپنے دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور نگاہوں کی تمنائیں بھی شعر کے پیرہن میں انوار بکھیرتی محسوس ہوتی ہیں۔ یہ نظم ۱۹۰۴ء میں مخزن میں شائع ہوئی تھی۔ بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ ان کے مالک کا نام امیہ بن خلف تھا۔ بلالؓ قبول اسلام میں سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ اس بنا پر وہ ناقابل برداشت ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ تپتی ریت اور جلتے سنگریزوں پر گھسیٹے گئے، دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے، لوہے کی زرہ پہنا کر سورج کی آتشیں کرنوں میں بٹھائے گئے۔ مگر ان کی زبان "احد، احد" کے ترانے الاپتی رہی۔ جرم کتنا حسین ہے اور سزا کتنی دردناک، اور مقصود کتنا ارفع و اعلیٰ۔

اس جرم میں پہنچے ہیں سردار کہ ہم لوگ
اس قامت زیبا کو بھلا کیوں نہیں دیتے

حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا جبکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم خریداری میں شمولیت کی آرزو فرمائی۔ اسلام کے پہلے مؤذن بلالؓ ہی تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہی کی زبان سے کعبے کی چھت پر توحید کا نغمہ گونجا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام کی طرف، جہاد کی غرض سے گئے ۲۰ھ میں دمشق کے مقام پر فوت ہوئے۔ حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو "سیدنا" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ قلبی تعلق اور روحانی نسب بھی کتنی عظیم نعمت ہے، استوار ہو جائے تو زندگی مقصود مہر و ماہ بن جاتی ہے، کٹ

جا۔ئے تو در بدر بے آبرو ہو کر رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔ اس نظم کا عنوان بظاہر بلالؓ ہے مگر حقیقتاً" اس نظم کا ہر شعر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاب وتب لیے ہوئے ہے۔۔۔۔۔ اقبال اپنے مکاتیب میں شعر کی دربائی سے بہت ہی کم کام لیتے ہیں مگر انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں اس نظم کے آخری شعر کو ان الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے۔

"میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں۔ مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرون اولیٰ کی سیر، مگر خیال کیجیے جس زمانے کی تخیئل اس قدر حسین وجمیل و روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہو گا۔

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا

یہ نظم بتاتی ہے کہ کسی وجود رعنا کے عشق میں ہونے والا ستم، لطف و راحت کی تمہید ہوا کرتا ہے۔ عشق کے مرحلے بھی عجیب ہیں اور انداز بھی نرالے۔ اویس قرنیؓ ترستے رہے کہ رخ خیرا لبشر صلی اللہ علیہ وسلم چشم سے دیکھا بھی جا سکے گا یا نہیں، وہ کاسہ ہائے چشم کو شفاف بنانے ہی میں تڑپتا گئے۔ بلالؓ جی بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے باوجود، دیکھتے ہی رہے کہ انھیں دیکھنا عین عبادت تھا اور عبادت بھی ایسی جس سے دل کبھی سیر نہ ہو۔۔۔۔ عادت، عبادت ہو جائے تو سراپا کیف ہو جاتی ہے مگر عبادت، عادت بن جائے تو لطف نیاز کھو دیتی ہے۔ لمحات دید میں حسرت دید قائم رہے تو شوق جوان رہتا ہے بلالؓ کی نگاہیں رخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مچل مچل کر "نماز نیاز" ادا کیا کرتی تھیں۔ ان کی اذان عشق کا ترانہ تھی اور ان کی آواز، قلب رسالت مآب کے لیے موجب فرحت

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا بھی طور تھا گویا
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

اس نظم میں جہاں لفظی شکوہ اور قلبی ناشکیبائی کا ایک حسین امتزاج ہے وہاں فنی حسن بھی تشبیہات کی شکل میں موجود ہے۔

نظر تھی صورت سلمانؓ ادا شناس تری ‏ شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا ‏ اویسؓ طاقت دیدار کو ترستا تھا
گری وہ برق تری جان نا شکیبا پر ‏ کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موسیٰؑ پر

عشق کی برق آشامی نے بلالؓ کی سیاہ فامی کو' موسیٰ کے ید بیضا کے لیے وجہ رشک بنا دیا تھا' مدینہ انوار کی بستی تھی! اور بلالؓ اسی طور کے کلیم تھے۔ اور ادا شناسی نبوت کے لیے سلمان فارسیؓ کو بطور تشبیہ لانا بھی چند لفظوں میں تاریخ کی وسعتوں کو سمیٹ دینا ہے کہ سلمانؓ ہر دنیاوی تعلق سے کٹ کر "ابن اسلام" ہو گئے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اہل بیت میں سے قرار دیا تھا۔ سلمان ساوجی کا مصرع ہے' ع چوں محمد گفت' "السلمان من اہل بیت"

بانگ درا حصہ اول کے آخر میں دی گئی غزلوں میں سے نویں غزل جنوری ۱۹۰۴ء کے مخزن میں چھپی تھی۔ گو غزل کا ہر شعر مختلف الاحوال ہوتا ہے۔ مگر اس غزل میں فکری تسلسل اس نوع کا ہے کہ شروع میں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو پا کر خود عظیم ہو جانے کا ذکر ہے۔ درمیان میں' اللہ کے ان بندوں کا تذکرہ ہے جن کی موج نفس بجھتے ہوئے' دیوں کو روشن کر دیا کرتی ہے اور آخر میں چھ اشعار نعتیہ انداز لیے ہوئے ہیں۔

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو ‏ کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں
سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق ‏ بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا ‏ یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں
بھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے "ما عرفنا" پر ‏ ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں
نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا ‏ بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں
خموش اے دل' بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا ‏ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

وہ شرر' جو خرمن دل کو یوں پھونک دے کہ خورشید محشر بھی اس کا خوشہ چیں ہو جائے' جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہی شرر' مقصد زندگی ہے۔ اور یہ محبت انہی دلوں میں انوار برساتی ہے۔ جو سوز و گداز کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ گویا اس شرر کے حصول کے لیے صلاحیت اور ظرف لازم ہے۔ اور اقبال کا یہ کہنا نہ معلوم ان کے دل کی کس کیفیت طلب کا آئینہ دار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حسین سے دل لگانے والا خود سراپا حسن بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس حسن کا طواف تو خود حسن آفرین کرتا ہے۔ بقول حافظ مظہرالدین"

جو حسن میرے پیش نظر ہے اگر اسے جلوے بھی دیکھ لیں تو طواف نظر کریں

اور یہی وجہ ہے کہ جب اس حسین کامل کی زبان فصاحت نثار سے خالق حسن نے یہ سنا کہ "ہم نے تجھے اس طرح نہ پہچانا جسطرح پہچاننے کا حق تھا" تو اس ادائے ناز پر وہ اس قدر پھڑک گیا کہ انھیں معراج کی شکل میں دید کی سعادت بھی عطا ہوئی اور اجمل و احسن ہونے کا شرف بھی ملا' عرفان کامل کے باوجود' اعتراف نارسائی' شان عبودیت بھی ہے اور شوق طلب کی بے پایانی بھی۔ اقبال یہ تمنا بھی کرتے ہیں کہ کاش' عقل کے پرستار اس حسن کا ایک جلوہ دیکھ لیں تو ان کی بصارت' بصیرت کے نور سے مستنیر ہو جائے۔ اور آخر میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضور ناز میں سکوت بولتا' آنسو چھلکتے اور دھڑکنیں حال دل کہتی ہیں۔ اور ادب ہی وہ قرینہ ہے جس سے محبت بال و پر لیتی اور انتہائے عشق کو چھو کر کیمیا ہو جاتی ہے۔ اس غزل میں اقبال نے پہلے عاشق کا' پھر عشق کا پھر محفل محبوب کا اور پھر خود محبوب کا ذکر کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس' کائنات کا مقصود اور محبت کی معراج ہے۔

گیارھویں غزل جون ۱۹۰۳ء میں لکھی گئی۔ اس کے آخری شعر میں اقبال' غبار راہ حجاز ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں۔

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال اڑا کے مجھکو غبار رہ حجاز کرے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے الفاظ میں "اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اقبال کے دل میں جوانی ہی سے کار فرما تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ حجاز نہ جا سکے لیکن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لاکھوں مسلمانوں کے محبوب ضرور بن گئے۔ اگر انہوں نے اپنے آپ کو سرکار دو عالم کے عشق میں فنا کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں زندہ جاوید کر دیا"۔

بانگ درا کے آخر میں دی گئی غزلوں میں' پہلی غزل کا پہلا شعر ہے۔

اے باد صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا قبضے سے امت بیچاری کے' دیں بھی گیا' دنیا بھی گئی

گویا امت نے اتباع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑا تو دنیاوی اعتبار سے بھی ذلت اس کا مقدر بن گئی۔ کیونکہ

ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

اسی طرح تیسری غزل کا چوتھا شعر بھی نعتیہ رنگ لیے ہوئے ہے

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

گویا حضرت ابوبکرؓ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اور اختصار پر یہی کہا کہ "محمدؐ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ

نہیں ہو سکتا" دوسری طرف ابو جہل عقل عیار کا شکار رہا اور خاسر و نامراد ہوا اور نہ سمجھ سکا

رو و آواز پیمبرؐ معجزہ است

اقبال نے ۱۹۰۸ء میں میونخ (جرمنی) کے مقام پر وصال کے عنوان سے ایک نظم لکھی، گو یہ نظم مجازی نوعیت کی ایک متغزلانہ سعی ہے۔ مگر اس سے ان کے دل کے گداز، روح کی پیاس اور نظر کی تمنا کا ضرور پتہ چلتا ہے۔ کہ کیسے ان کے دل کے گوشے گوشے میں آتش غم شرارہ بار ہے۔ اور اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں اقبال کا دل عشق کے جس سوز سے آتش کدہ بنا ہوا تھا۔ وہ سوز جب مجاز کی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہوا ہو گا تو پھر کیا سے کیا ہو گیا ہو گا۔ تابش خورشید سے تو ذرے بھی ٹکرا جائیں تو ماہتاب ہو جاتے ہیں۔ اور جو پہلے ہی ماہتاب ہو اس کے رشک صد طور ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ اس دور کی اس نظم کے چند شعر ہیں۔

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے مرے ۔۔۔ کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے

غازۂ الفت سے یہ خاک سیہ آئینہ ہے ۔۔۔ اور آئینے میں عکس ہم دم دیرینہ ہے

ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے ۔۔۔ چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے

یک نظر کر دی و آداب فنا آموختی ۔۔۔ اے خنک روزے کے خاشاک مرا واسوختی

اس دور کی ایک نظم "پیام عشق" میں اقبال، مجاز سے حقیقت، فرد سے ملت، صحرانوردی سے محفل آرائی، فرقہ سازی و طریق آزری سے قومی یک جہتی تک پہنچ چکے ہیں اور بتوں سے دامن بچا کر، غبار راہ حجاز ہونے کے شرف سے مشرف ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وہ فکری ارتقاء ہے۔ جس نے اقبال کو نہ صرف حکیم الامت بنایا بلکہ دو قومی نظریے کی اساس کو بھی مستحکم کیا، اقبال کے جسم خاکی نے ۱۹۰۸ء میں اس دیار ناز میں سراپا نیاز بننے کی تمنایوں کی تھی۔

وجود افراد کا مجازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زن طلسم مجاز ہو جا
یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آزری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہو جا

اور یوں لگتا ہے کہ انیسوی صدی کے اوائل ہی میں خالق آرزو نے اقبال کے دل میں لگن پیدا کر دی تھی کہ اس نے خود تڑپنا بھی ہے اور اوروں کو تڑپانا بھی ہے۔ اور یہ طے ہو چکا تھا کہ شعر اقبال نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حرارت لے کر، ایک عہد کے عروق مردہ کو خون زندگی دینا ہے اور نقش پائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تابانیاں سمیٹ کر دلوں کی وادیوں میں نور بکھیرنا ہے۔ تاریخ شاہد

ہے کہ مارچ ۱۹۰۷ء میں اقبال نے ٹھیک کہا تھا۔

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا

نظم بلادِ اسلامیہ میں اقبال نے مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد دلانے کی ایسی سعی کی ہے جس میں جذبہ، جنوں آفرینیوں کے جلو میں انگڑائی لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظم تاریخی حقائق کا ایک شاعرانہ اظہار ہے اور تاریخ کا مقصود ہی یہ ہے کہ گرے ہوئے دل و دماغ ہمیشہ کے لیے گرے ہوئے نہ رہیں بلکہ وہ ابھریں، بلند ہوں اور یہاں تک بلند ہو جائیں کہ عزت کی سب سے اونچی سطح پر پہنچ جائیں۔ اس نظم میں اقبال، دلی، بغداد، قرطبہ، قسطنطنیہ اور مدینہ منورہ کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ علاقے ہماری شوکت دیرینہ کے مظہر ہیں آخری بند میں جب مدینہ منورہ کا ذکر آتا ہے تو اقبال کے دل میں چھپا ہوا نعت گو، مچل مچل کر سامنے آتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ذکر اس "خنک شہر" کا ہے جو دو عالم سے خوشتر بھی ہے اور دو عالم کی عقیدتوں کا مرکز بھی۔ اقبال کے نزدیک یہی وہ سرزمین پاک ہے جو احساسات و کیفیات کی جملہ شعاعوں کا نقطۂ جاذب ہے۔ مدینہ صبح دل نواز ہے تو ہم قطرات شبنم وہ مرکز ہم دائرہ۔

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہِ مصطفیٰ — دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں — اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی — جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے — جانشیں قیصر کے، وارث مسند جم کے ہوئے
ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام — ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام
آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو — نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں — صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

نظم ترانۂ ملی کا نواں، دسواں شعر بھی خاک بطحا کے لیے بہنے والے خون مسلم کی رعنائیوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قلبی عقیدتوں کا اظہار ہیں۔

اے ارض پاک، تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں۔ ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال اپنے عہد کے سب سے بڑے سیاسی کرب کو اس بارگاہ بندہ نواز میں پیش کرتے ہیں کہ وہی ایک دیوار ہے جس سے دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے انگریز کی ایما و اعانت سے طرابلس پر حملہ کیا۔ اور اس پر قبضہ کر

لیا۔ طرابلس سلطنت عثمانیہ کا حصہ بلکہ صوبہ تھا' ترک اس کی مدد کے لیے مصر کے راستے آسکتے تھے مگر انگریز نے اس راستے کو روک دیا تھا۔ جبکہ مسلمان بحری طاقت سے محروم تھے۔ ترک غیر معروف راستوں سے طرابلس پہنچے' عربوں اور مصریوں نے بھی اعانت کی۔ اور یوں مسلمانوں نے طرابلس کو بچانے کے لیے لیبیا کے ریگزار کو لہو سے سرخ کر دیا' انگریز نے جنگ کا رخ موڑنے کے لیے بلقانی ریاستوں سے ترکی پر حملہ کرا دیا۔ اور یوں وہ اپنی سیاست اور شرارت میں کامیاب رہا۔ اقبال نے یہ نظم شاہی مسجد لاہور میں ۱۹۱۲ء میں پڑھی تھی یہ جلسہ ترک بھائیوں کی مالی امداد کے لیے مولانا ظفر علی خاں کی کوشش سے منعقد ہوا تھا۔

اس تصوراتی نظم کا آخری بند نعتیہ آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس میں جہاں غم زمانہ کی ایک خوبصوت آمیزش ہے وہاں شاعر کے درد دل کا ایک بے ساختہ اظہار بھی ہے۔

حضورؐ ' دہر میں آسودگی نہیں ملتی ‏ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں ‏ وفا کی جس میں ہو بو' وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں ‏ جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں ‏ طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

شفا خانہ حجاز' ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال حجاز کے ذروں میں تحلیل ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک دیار محبوب میں موت کو لبیک کہنا اور انہی راستوں کا غبار بن جانا' زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ کہ یہ حیات عارضی ہے اور موت' صبح دوام زندگی ہے۔ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں نثار کہ یہی موت زندگی کی دلیل اور حریم ناز تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ حجاز میں شفاخانہ بنا کر' اس کے لیے چندہ جمع کرے' آپ کم نظر لوگوں کو تو پیغام زندگی دے سکتے ہیں مگر میں تو اس دیار خنک آثار میں مٹنا اور یہیں کی مٹی بن جانا چاہتا ہوں۔ کہ اس مٹی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم چومنے کا شرف مل چکا ہے' شمس و قمر کی درخشانیاں' ان کے نقوش پا کی تابانیوں پر نثار۔

اوروں کو دیں حضورؐ' یہ پیغام زندگی ‏ میں موت ڈھونڈتا ہوں دیار حجاز میں

جواب شکوہ' بظاہر اللہ پاک کی طرف سے' قبل ازیں کیے جانے والے شاعرانہ شکوے کا جواب ہے' یہ نظم ۱۹۱۳ء میں بیرون موچی دروازہ لاہور' بعد نماز مغرب پڑھی گئی۔ یہ جلسہ مولانا ظفر علی خاں کی سعی سے ترکوں کی مالی امداد کے لیے منعقد ہوا تھا۔ یہ نظم مومنانہ گداز کا ایک شاعرانہ اظہار ہے۔ مقصود یہی ہے کہ مسلم' پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیگانہ ہو گیا۔ نتیجہ معلوم کہ نہ اس کے دل میں سوز ہے نہ روح میں احساس' ہولے ہولے وہ پتھروں سے بھی سخت ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کرے یعنی ان کی اطاعت کا حق ادا کرے اور ان کی اتباع سے اپنی زندگی کو نور بنالے تو آج بھی وقت کی ہر قوت' اس کے قدموں تلے ہوگی۔ اور اس کی ہر تدبیر' تقدیر کے سانچے میں ڈھل کر اعجاز ہو جائے گی

۔ نتیجہ معلوم کہ وہ اس کائنات ارضی میں ایک چلتی پھرتی آیت الٰہی بن جائیگا۔ اس طویل نظم کے آخری پانچ بند، اپنے اندر نعتیہ جمال کا کمال لیے ہوئے ہیں۔ کہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہمارے ایمان کی شرعی اساس ہے۔ ہماری دنیاوی کامرانیوں کی تمہید بھی ہے، یہ بنیاد اگر قائم ہو تو پھر اسلام کو پھلنے اور پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ حب رسولؐ اور ارتقائے ملت دونوں ہم رشتہ ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جو اقبال جاں پر بنی ہوئی ہے، حقیقت بکھر نہیں سکتی مگر چاہیے کہ مسلمان خود کو بکھرنے سے بچائے۔

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا — رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ، تو ذرے سے بیاباں ہو جا — نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے — بحر میں، موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے — رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

مردم چشم زمیں، یعنی وہ کالی دنیا — وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا — عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح — غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش، خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم ترے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ایک دائمی رفعت اور وسعت کا حامل ہے۔ یہ سائنسی حقیقت ہے کہ زمین گول ہے۔ سورج مختلف اوقات میں، مختلف مقامات پر طلوع ہوتا ہے، دنیا میں اوقات مختلف ہیں۔ ہماری دنیا میں ایک منٹ نہیں۔ ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا، جب کہیں نہ کہیں نماز کا وقت نہ ہو اور کوئی نہ کوئی مسلمان نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ اور اپنے آقا پر درود نہ بھیج رہا ہو اور یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے صدیوں پہلے فرما دیا کہ "ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا" اور مندرجہ بالا اشعار اسی حقیقت کا مظہر ہیں۔

نظم "ارتقا" کا پہلا شعر ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یہ شعر اس نوع سے نعتیہ ہے کہ اسے پڑھتے ہی وہ پورا دور تصور میں گھوم جاتا ہے کہ کس طرح اہل مکہ 'حرف حق کے خلاف یکجا ہو گئے تھے۔ اور کیسے حرف حق' بلند ہوتے ہوتے' دار کی بلندیوں تک آگیا تھا۔ اہل باطل نے شمع صدق کو ہر انداز سے گل کرنا چاہا تھا۔ مگر انکی پف زنی ناکام رہی اور اس شمع کا نور مکمل ہو کر رہا اور یہ شعر اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ حق و باطل ازل ہی سے دست و گریباں رہے ہیں۔ اور زندگی کا سارا حسن' سعی مسلسل میں مضمر ہے۔

۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندے کی اپیل فرمائی اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے گھر کی ہر شے' پیش فرمادی' اقبال۔ نظم صدیقؓ میں اسی واقعہ کو بیان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب استفسار فرمایا کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے تو اس رفیق نبوت اور مرد وفا سرشت نے جو جواب دیا۔ اس میں ایک شعر خالص نعت کا ہے۔

بولے حضورؐ چاہیے فکر عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذاتؐ باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے' بلبل کو پھول بس صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

دوسرے شعر پر غور کیجیے۔ نعت کے کتنے ہی مضمون اس ایک شعر میں ضوریز ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل کائنات رنگین و رعنا ہے' ان کے تبسم سے کلیاں چٹکتی تھیں ان کے گرد سفر سے کہکشاں کو لباس نور ملتا تھا ان کے قامت زیبا سے کہسار سربلندی پاتے تھے اور ان کی تشریف فرمائی سے فرش کو عرش کی رعنائی نصیب ہوتی تھی۔ جود و کرم کا یہ ہر لحظ برستا ہوا بادل نہ ہوتا تو کائنات' سراب ہوتی۔ دوسرا مصرع اس نکتے کو واضح کر رہا ہے کہ آپؐ ہی کی ذات' وجہ وجود کائنات ہے۔ ہماری ہر آبرو' اسی نام کے طفیل ہے اسی ذات گرامی قدرؐ کا عشق تابندگی و پائندگی کی دلیل ہے۔ اس صداقت کو اقبال' قبل ازیں اپنی نظم بلالؓ میں واضح کر چکے ہیں۔ کہ سکندر رومی عظیم فاتح ہو کر بھی وقت کی گردش میں گم ہو گیا۔ مگر نور نبوت سے مستنیر 'بلالؓ حبشی' زندہ جاوید ہے کہ ان کے ذہن سے ابھرنے والے کلمات' اذان کی صورت میں لحہ لحہ اور قریہ قریہ گونج رہے ہیں اور اقبال اس استفہامیہ انداز میں کہتے ہیں۔

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟ رومی فنا ہوا' حبشی کو دوام ہے

گویا عشق ہی چمن بے نظیر ہے جس کے پھول مرجھانے کے لیے نہیں کھلتے' یہ ایک بہار بے خزاں ہے اور اس جذبے کی چاندنی سے لحد کی تاریکیاں بھی روشن ہو جاتی ہیں۔

عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے

شب معراج پر اقبال کے دو شعر اپنے اندر اس رات کی فضیلتوں کے ساتھ ساتھ اس عزم صمیم کا ذکر بھی لیے ہوئے ہیں جو فکر اقبال کا خاص جوہر ہے۔ اور جس کے سامنے آسمان' ردائے نیلگوں سے

زیادہ وقیع نہیں اور جس کے طفیل 'گردوں' عالم بشریت کی زد میں ہے۔

دختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز — سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں — کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

میں اور تو ایک ایسی نظم ہے جس میں اقبال نے اپنے دردِ دل کو شعر کے رنگ میں یوں پیش کیا ہے کہ وہ ہر دل کی تڑپ بن گیا ہے۔ اس میں ملت اسلامیہ کی پریشاں حالی کا ذکر ہے کہ شیوہ آزری ہمارا شعار ہے۔ ہم ایک بے کیف نغمہ اور بے رنگ و بو پھول ہیں۔۔۔ ایسے میں اقبال کی نظر اسی آستاں کی طرف اٹھتی ہے اور وہیں تک جاتی ہے حق یہ ہے کہ اس نقش پا کی تابانیوں کو پالینے کے بعد' کسی اور منزل کی تلاش توہین جستجو ہے۔ یہ تعلق استوار ہو جائے تو نان جویں' قوت حیدری بن کر ابھرتی ہے اور فقر غیور' غنا کے سانچے میں ڈھل کر' وقت کے ہر سکندر کا سرمایۂ استحقار سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اس نظم کا آخری شعر۔ نعت کے ایک ایسے مضمون کو لیے ہوئے ہے کہ اگر دنیائے نعت میں اسی سے پھوٹنے والی بہاروں اور ابھرنے والے ستاروں کو یکجا کیا جائے تو اس سے ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ شعر ہے۔

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

طلوع اسلام' وہ آخری طویل نظم ہے جو اقبال نے (اپریل ۱۹۲۳ء) حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی تھی۔ اقبال نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جو خواب ۱۹۰۷ء میں دیکھا تھا۔ وہ اب پورا ہوتا نظر آرہا ہے۔ اس لیے اس نظم میں اقبال اظہار مسرت بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے ایک روشن مستقبل کی پیش گوئی بھی کرتے ہیں۔ دنیائے اسلام ابھر اور نکھر رہی ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا' ترکی میں' رضا شاہ پہلوی' ایران میں' شاہ امان اللہ' افغانستان میں سعد زغلول' مصر میں اور غازی عبدالکریم' مغرب اقصیٰ میں' طلوع اسلام کا نشان امتیاز بنے ہوئے ہیں۔ اقبال ان تمام کامرانیوں کو حضورؐ ہی کی نگہ کرم کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اور اسی ذکر سے لبوں کو آراستہ اور اسی محبت سے دلوں کو پیراستہ کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کہ اس ذات اطہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پوشیدہ تصرفات' شاعر کی چشم باطن پر روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس نظم کے آخری بند کا یہ فارسی شعر' نعت سرائی میں تازہ گوئی کی ایک اساس ہے۔

بہ مشتاقاں حدیث خواجہ بدر و حنین آور — تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد

اور بانگ درا کے بعد کی شاعری' رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی پنہاں تصرفات کی ایک نغماتی تشکیل ہے۔

حافظ منیر الدین احمد منیر سندیلوی کی نعتیہ شاعری

سلیم فاروقی

محبوب رب العالمین افضل الانبیاء، خیر البشر، محسن انسانیت، ختمی المرتبت، حضرت محمد مصطفا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے محامد و محاسن کے اظہار بیان کے سبب "نعت شریف" اردو شاعری کی ایک مبارک اور "زرخیز"، قوت نمو کے لحاظ سے ایک سدا بہار صنف سخن بن چکی ہے۔ اس چمنستان سدا بہار میں گل ہائے مشک بو کی خلد بریں سجی ہے اس جنت سخن کا ہر گل اپنی جگہ حسن و جمال کی تصویر نظر آتا ہے۔

عربی میں صحابی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر اعظم حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت کعب بن زہیرؓ۔ حضرت امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ صاحب "قصیدہ بردہ شریف"، فارسی میں رودکیؒ، "قدسیؒ" "سنائیؒ" اور امیر خسروؒ نعتیہ شاعری کے منارہ نور ہیں۔ اردو میں یوں تو قلی قطب شاہ اور ولی اورنگ آبادی سے لے کر میر تقی میر، غالب، مومن، حسرت، جگر تک سب ہی نے نعتیں کہی ہیں لیکن جن شعرا نے جذبہ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر بالالتزام نعتیہ شاعری کی ان میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، کافی مراد آبادیؒ، لطف بریلوی، کرامت علی شہیدی، محسن کاکوروی، امیر مینائی، احمد رضا خاں بریلویؒ، حسن بریلوی، بیدم شاہ وارثیؒ، ضیاء القادری، حمید لکھنوی، اقبال عبدالعزیز خالد کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس کے بعد جن شعراء نے نعت شریف کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھا ان میں ظفر علی خاں، منور بدایونی، ماہر القادری، اقبال سہیل، حفیظ جالندھری، سیماب اکبر آبادی، بابا ذہین شاہ تاجی، اقبال عظیم ادب سیمابی، حنیف اسعدی، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، عزیز حاصل پوری، اختر الحامدی، وقار صدیقی، رفیق عزیزی، شمس وارثی، حاصل مراد آبادی، کوثر نیازی، مظفر وارثی، نصیر الدین گولڑوی کے علاوہ بے شمار نام ہیں۔

اب جو نعت گو شعرا گوشہ گمنامی میں چلے گئے انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ جو زندگی بھر نعت کہتے رہے اور بیاضوں میں لکھتے رہے۔ ان کو کلام سننے سنانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ان کی وفات کے بعد بیاضیں نکلیں تو پتا چلا کہ وہ بڑے قادر الکلام نعتیہ شاعر تھے، دوسرے وہ جو شعری نشستوں میں اپنا کلام پڑھتے لیکن چھپنے چھپانے کا انھیں کبھی خیال نہ آیا، تیسرے وہ جن کا کلام کئی کئی حصوں میں

شایع ہوا' رسالوں اخباروں اور شعری گل دستوں میں چھپا' مقامی طور پر بھی مشہور ہوا پھر وقت کے ساتھ ساتھ لوگ اسے بھول گئے حالانکہ ان میں بعض کا شمار اس عہد کی نمایاں شخصیات میں بھی ہوتا تھا لیکن آج انھیں کوئی جانتا بھی نہیں حیرت تو اس بات پر ہے کہ پاک و ہند کے بڑے بڑے کتب خانے تک ان نعت گو شعرا کے مجموعوں سے بے خبر ہیں جو نامی گرامی پریسوں میں چھپ چکے تھے' اب ایسی بیاضیں اور نعتیہ مجموعے ان اہل علم و ادب کے ذاتی کتب خانوں میں محفوظ ہیں جو ان چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں ان حضرات کی کاوشیں ہر لحاظ سے قابل تحسین و آفرین ہیں۔

آج ہم آپ کا بحیثیت شاعر نعت و منقبت جس ہستی کا تعارف کرا رہے ہیں اس کا شمار اس عہد کی ممتاز شخصیات میں ہوتا تھا جس کی شاعری کے چار مجموعے شائع ہوئے' اس ممتاز ہستی کا نام نامی حافظ منیر الدین احمد منیر سہروردی سندیلوی تھا۔

حافظ منیر الدین احمد بن حافظ نذیر الدین احمد سہروردی سندیلوی ۱۸۶۴ء میں ساگر (مدھ پردیش بھارت) میں پیدا ہوئے ان کے والد گرامی ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے سبب اپنے وطن مالوف سندیلہ ضلع لکھنؤ (اس زمانے میں قصبہ سندیلہ لکھنؤ کے ضلعے میں شامل تھا عہد فرنگی میں یہ ضلع ہردوئی میں شامل ہوگیا) حافظ نذیر الدین احمد اپنے عہد کے نامی گرامی وکلا میں شمار ہوتے تھے وہ نسباً "صدیقی اور حسباً" سید السادات بنی ہاشم تھے ان کے مورث اعلیٰ سرزمین عرب سے ہجرت کر کے سہرورد (ایران) آئے نسباً" ان کا سلسلہ صوفی کامل حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ صاحب "عوارف المعارف" سے ملتا ہے۔

حافظ منیر الدین احمد منیر نے ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ صرف چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد علمائے فرنگی محل سے علوم دین کی تحصیل کی' ان کے والد گرامی انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے اس لیے ان کی انگریزی تعلیم کا آغاز بیس سال کی عمر میں ہوا۔ انھوں نے مڈل کا امتحان تین سال میں اور انٹرنس کا امتحان دو سال میں پاس کیا۔ یہ تعلیم انھوں نے ساگر جبل پور اور لکھنؤ میں حاصل کی۔

۱۸۹۱ء میں وہ لندن روانہ ہوئے اور ۱۸۹۳ء میں بیرسٹری میں سند حاصل کر کے ساگر آگئے جہاں کچھ عرصے چھاؤنی مہو (وسطی ہند) میں بیرسٹری شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شہرت عطا فرمائی' گورنر جنرل نے انھیں سینٹرل انڈیا ایجنسی کا "پبلک پراسیکیوٹر" مقرر کیا جو اس زمانے کے لحاظ سے بڑی بات تھی خصوصاً ایک مسلمان کے لیے چند سال گزرنے کے بعد مہاراجہ ہلکر نے انھیں اپنی ریاست کا "پبلک پراسیکیوٹر" اور "قانونی مشیر" مقرر کیا' چونکہ ان کی شخصیت صلاحیتوں کے اعتبار سے غیر معمولی عزت و شہرت کا سبب بن چکی تھی اس لیے اس عہد کی کئی ریاستوں نے انھیں بڑے بڑے عہدوں کی پیش کش کی

لیکن انھوں نے اپنے وقار و آزادی کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں قبول نہیں کیا۔ نوابین، راجا، مہاراجہ ان کے مشوروں سے مستفید ہوتے مگر وہ ان کی مصاحبت سے دور رہتے۔

حافظ منیرالدین احمد منیر کو اللہ تعالیٰ نے عزت، دولت اور شہرت کی بے کراں نعمتوں سے نوازا تھا اس کے باوجود توکل و درویشی ان کے کردار کا خاص وصف تھا، پابند شریعت انسان تھے، مسائل تصوف سے خاص شغف تھا اس ضمن میں کتب زیر مطالعہ رہتیں، صوفیائے عظام سے گہری عقیدت اور خصوصاً خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے روحانی نسبت تھی، اپنے جد بزرگ حافظ کرم احمد سندیلوی رحمتہ اللہ علیہ (پیدائش ۱۲۲۹ھ ر ۱۸۱۴ء، وفات ۱۳۰۶ھ ر ۱۸۸۹ء) سے بیعت تھے اپنے فارسی قطعے میں پیرو مرشد کی تاریخ پیدائش و تاریخ وفات الگ الگ کہی ہے۔

جنابِ جدّ امجد قبلۂ من
کہ از فقر و تصوّف داشتے گنج
ظہور حق برائے سالِ میلاد
۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء

بنوکِ خامہ آمد از سخن سنج
چو زیں عالم بآں عالم رواں شُد
نوشتم از سرِ زاری غم و رنج

نہایت کشادہ دل، بامروت اور بااخلاق انسان تھے عزیزوں اور ضرورت مندوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے اولادیں اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند (مجید الدین) عطا کیا جسے اعلیٰ تعلیم دلوائی وکالت کا پیشہ اختیار کرایا، وہ ساگر کی مجلس مقننہ کے ممبر تھے افسوس کہ عین عنفوان شباب میں اپنے والد گرامی کی وفات کے صرف چار سال (۱۹۳۷ء) بعد واصل بہ حق ہوگئے کل من علیہا فان۔

جب حافظ منیرالدین احمد منیر کی صحت خراب رہنے لگی تو علاج کے لیے لکھنؤ آئے وہاں ان کے بھتیجے ڈاکٹر کے علاج سے بیماری میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی ۱۹۳۳ء میں یہیں انتقال ہوا میت سندیلے لائی گئی جہاں ان کی وصیت کے مطابق انھیں ان کے پیرو مرشد حافظ کرم احمد قدس سرہ العزیز کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ان للہ وانا الیہ راجعون

حافظ منیرالدین احمد منیر کو شعر و سخن سے فطری لگاؤ تھا وہ عربی، فارسی، ہندی اور اردو میں شعر کہتے تھے

شاعری میں انھیں کسی سے شرف تلمذ حاصل نہ تھا ابتدا میں چند غزلیں حضرت امیر مینائی علیہ الرحمتہ کو بھیجیں لیکن کوئی جواب نہ آیا اس کے بعد کسی سے رجوع نہیں کیا۔ وہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود علمی و ادبی دلچسپیوں کے لیے وقت نکال لیتے تھے انھوں نے عربی فارسی ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا فارسی شاعری ان کی رگ و پے میں رچی بسی تھی' ان کا زیادہ کلام فارسی میں ہے' حافظؒ' سعدیؒ' جامیؒ' قدسیؒ' سنائیؒ' رومیؒ' امیر خسروؒ کی زمینوں میں انھوں نے بلند پایہ غزلیں کہی ہیں' انھوں نے فارسی' ہندی اور اردو میں فکر سخن کے گلستان سجائے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر درویش منش انسان تھے عشق حقیقی ان کا وظیفہ حیات تھا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد انھیں رسول گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صوفیائے کرامؒ سے قلبی لگاؤ تھا اس لیے ان کے کلام کا زیادہ حصہ نعت و منقبت پر مشتمل ہے وہ فارسی' اردو اور ہندی کے قادر الکلام شاعر تھے آج سے ستر اسی برس پہلے ان کا کلام بلاغت نظام روحانی مجلسوں اور قوالی کی محفلوں میں پڑھا جاتا تھا ان کے کلام کی افادیت تو مسلمہ تھی ہی لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ان کی بعض فارسی و اردو غزلیں اور نعتیں دوسرے شعراء سے منسوب ہو گئیں مثلاً "گیارہ نومبر ۱۹۶۹ء کو روزنامہ "حریت" کراچی میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ پر طاہر نصیر صاحب کا مضمون شایع ہوا انھوں نے اس میں ایک غزل نقل کی جو ان کے خیال میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کی تھی اس کا مطلع یہ ہے۔

آمادہ بہ قتل من آں شوخ ستم گارے
ایں طرفہ تماشا بیں ناکردہ گنہ گارے

یہ غزل اس زمانے کی محفل سماع میں اکثر پڑھی جاتی تھی لیکن یہ غزل منیر الدین احمد منیر کی ہے جو نہ صرف یہ کہ ان کے چوتھے مجموعے میں چھپ چکی ہے بلکہ ان کے قلمی نسخے میں بھی درج ہے راقم الحروف کے ملاحظے سے گزری ہے غزل کا مقطع ہے۔

از کوچۂ محبوباں باساز منیر آید
سرکف و جاں برلب دل دادہ بہ عیارے

یہ غزل بجا طور پر حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے رنگ میں ہے اس لیے یہ اشتباہ پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف نے "ہمیکز لمیٹڈ" کے شائع کردہ "کلیات غزلیات خسرو" کی چاروں جلدیں دیکھیں جن کی جمع و تصحیح اقبال صلاح الدین اور تجدید نظر سید وزیر الحسن عابدی نے کی ہے اس میں [illegible] غزلیں شامل ہیں ان میں سے کسی جلد میں مذکورہ غزل نہ تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ غزل حافظ منیر الدین احمد منیر کی ہے۔ اسی طرح ان کی مشہور نعت جو ان کے مجموعے اور قلمی نسخے

میں درج ہے ریڈیو پاکستان کراچی سے شعری بھوپالی کے نام سے نشر ہوتی رہی ملاحظہ ہو۔

والشمس رخ زیبا ہے ترا تو نور فشان عالم ہے
واللیل ہے تیری زلف دوتا تو راحت جان عالم ہے

مے خانے سے ہم کو کام نہیں کچھ حاجتِ بادۂ جام نہیں
پھر نعت لکھے یہ منیر بھلا جو ہیچ مدانِ عالم ہے

ان مثالوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حافظ منیر الدین احمد منیر کا کلام اس زمانے میں مقبول تھا۔ ان کے کلام کے چار مجموعے "سراج المنیر" کے نام سے ان کی زندگی میں شایع ہو چکے تھے ان کے علاوہ چھپن بندوں پر محیط "مسدس نعتیہ" علیحدہ کتابی صورت میں شایع ہو چکا ہے ان سب کا مختصر بیان درج ذیل ہے۔

سراج المنیر حصہ اول مرتبہ' مولانا ابو الامجد سید احمد صاحب ویلیوویشن کمیشن افسر ایجنسی سردار پور سن طباعت ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء معین الہند پریس اجمیر میں شایع ہوا۔ مولانا ابو الامجد سید احمد نے درج ذیل تاریخ طباعت کہی۔

سید پئے سال طبع ہجری
اسرار کلیدِ معرفت گو

(۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء)

مولوی محمد عبد الحکیم مضطرؔ کی تاریخ طباعت یہ ہے۔

تاریخ لکھ مضطرؔ یہی مخزن صفات اولیا

۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء

کتاب کے صفحات ۶۰ ہیں ۲۰x۳۶ کے مسطر پر چھپی ہے۔

سراج المنیر حصہ دوم مرتبہ مولانا ابو الامجد سید احمد صاحب۔ طابع معین الہند پریس اجمیر۔ منشی معشوق حسین سرشار سندیلوی نے'

گنجینۂ خورشید جہاں

۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء

مرزا عبد الحمید مرزا نے'

کرامت لطف و عنایت

۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء

منشی محمد ہاشم اجمیری نے '

سعادتِ دو جہانی مجمع الحسنات

سید نظیر حسین سارن پوری نے '

ظہورِ اہلِ یقیں

۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء

اور قاضی حمید الدین حمید کوٹلی نے "غنچۂ نطق" (۱۳۱۷ھ) سے طباعت کی تاریخیں نکالیں۔ اس کا سن طباعت ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء ہے یہ مجموعہ بھی ۲۰×۲۶/۸ کے مسطر پر چھپا ہے۔ صفحات ۵۶ ہیں۔

طابع: انصاری پریس دہلی۔

کتبہ: محمد شریف غفرلہ '

قطعہ تاریخ محمد کفایت اللہ برقؔ نے کہا۔

منیر الدین احمد صاحبِ فضل
سخن سنج و سخن دان و سخن ور

ادیب لاجواب و علم پیشہ
فصیح بے مثال و نکتہ پرور

بہ نظم و نثر سعدیؒ و نظامیؒ
باوصاف ازہمہ موصوف و برتر

چو مدحیہ رقم فرمود دیواں
پئے فیضان عالم صاف منظر

دل برق از لب اعجاز و اعجب
شنید آوازِ ختم اش خیر منظر

(لیکن "خیر منظر" سے سن تاریخ ۱۳۱۷ھ یا ۱۹۰۰ء برآمد نہیں ہوتا۔ (سلیم فاروقی))

اس کا سن طباعت ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء ہے یہ دیوان بھی ۲۰×۲۶/۸ کے مسطر پر چھپا ہے۔ صفحات ۳۰ ہیں

سراج المنیر حصہ چہارم راقم الحروف کے پیش نظر نہیں ہے۔

مسدس نعتیہ:۔ یہ طویل مسدس محمد عبدالوہاب خاں کلکٹر کسٹم اینڈ اکسائز دربار جاورہ کے زیر اہتمام دارالطبع دربار جاورہ سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ۲۷×۱۷/۸ کے مسطر پر ہے قطعہ تاریخ محمد لطف علی خاں

صاحب سہیلؔ نے سپرد قلم کیا۔

صد شکر نعتِ سیدِ کونین چھپ گئی
جس کا جہاں میں مثل ہے کوئی نہ ہے نظیر
ہے اس کے مصرعے مصرعے سے عشقِ نبیؐ عیاں
ہر بیت فیض مدح سے ہے آسماں نظیر
لکھی ہے خوب نعتِ پیمبرؐ منیرؔ نے
زیبا ہے کیسے حضرت حسّانؓ کا ہم صفیر
اللہ فیض مبدعِ فیاّض اے سہیلؔ
اظہارِ دردِ دل ہوئی تاریخ بے نظیر
۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

"مسدس نعتیہ" ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کا کلامِ بلاغت نظام جن موضوعات پر مبنی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

- حمد و مناجات ○ نعت
- مناقب
- عشقیہ کلام (غزلیں)
- تضمین

انھوں نے جن بزرگان دین کے بارے میں منقبتیں لکھی ہیں ان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مخدوم صابر کلیریؒ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ، حافظ کرم احمد سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ جن صحابہ کرامؓ اور بزرگوں کے کلام کی تضمین کی ہے ان میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق خلیفۃ الرسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جناب سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان بزرگوں کے علاوہ شیخ سعدیؒ، حافظؒ، قدسیؒ، جامیؒ، طوطیٔ ہند، شاعر شیریں مقال حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی شامل ہیں۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کے کلام میں حمد و مناجات کی تعداد کم نعت و منقبت اور غزلوں کی تعداد زیادہ

ہے اکثر منقبتیں سلطان الہند رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں ہیں جن کی ذات والا صفات سے انھیں غیر معمولی عقیدت تھی عشقیہ کلام جو زیادہ تر فارسی زبان میں ہے مجاز سے کہیں زیادہ حقیقت کا رنگ لیے ہوئے ہے اور ان کے مزاج سے خصوصی مطابقت رکھتا ہے۔

ان کا "مسدس نعتیہ جو علیحدہ کتابی صورت میں شایع ہوا تھا چھپن بندوں پر مشتمل ہے ان میں سے تین بند اللہ جل شانہ کی شان و قدرت کے بیان میں ہیں چار بند ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہیں باقی سارے بند جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کے تحت ہیں اس کے بعد پانچ بندوں پر مشتمل مناجات بصورت مثلث ہے پھر سات بندوں میں "عرض منیر" کے عنوان سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد و توسل کی التجا کی گئی ہے اس کے بعد مناجات کے پانچ بند بشکل مسدس پھر مخمس بر مناجات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اس کے بعد سلام بحضور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہے۔

جیسا کہ دنیا کی ہر زبان میں دستور ہے کہ اس کی منظوم و منثور تخلیقات' مضامین و مقالات پر اہل نقد اپنے خیالات و آرا کا اظہار کرتے ہیں جس سے ان چیزوں کو درجہ استناد حاصل ہوتا ہے مقدمہ' تقریظ' پیش لفظ وغیرہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ چونکہ حافظ منیر الدین احمد منیر اپنے دور کی معروف شخصیت ہونے کے علاوہ قادر الکلام شاعر بھی تھے' اس لیے ان کے کلام پر جن حضرات نے رائے دی وہ صاحب ذوق و صائب رائے تھے لہٰذا ان کی آرا ملاحظہ ہوں۔

منشی حافظ نور اللہ تحصیل دار "سینٹرل پراونس" لکھتے ہیں۔

> "مصنف کے کلام سے ان کی حسن عقیدت' اسلام کے ساتھ خلوص پیشوایان دین متین خصوصاً" حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن چشتی ثم اجمیری' رحمتہ اللہ علیہ کی جناب میں صاف ہویدا ہے وہ جیسا ختہ پن' سادگی جو حسن کلام کا زیور ہے از سر تا سر پیدا ہے گویا اہل عرفان کے مذاق کا ایک سچا مشغلہ و سخندانان نازک خیال کی تفریح طبع کا ایک اچھا سلسلہ ہے۔
>
> (سراج المنیر حصہ اول صفحہ ۴۹'۵۰)

ڈاکٹر محمد کاظم دہلوی لکھتے ہیں۔

"کچھ کلام نہیں کہ بیرسٹر صاحب کے قلبی تعلقات عالم بالا سے ضرور وابستہ ہیں اور آپ کا قلب کدورت دنیا اور آلائش ہوا و حرص سے بالکل پاک ہے آپ کا ایک شعر بے خود بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

(ایضاً صفحہ ۵۲)

مولوی حکیم محمد مظہرالہادی امروہوی لکھتے ہیں۔

"حافظ صاحب کا کلام مذاق عارفانہ اس قابل ہے کہ صوفیوں کی صف اولیٰ میں جگہ دی جائے زبان فارسی میں آپ نے وہ دستگاہ پیدا کی ہے کہ آپ کے کلام میں حافظ شیراز کی عذب اللسانی کا لطف آتا ہے سلاست اور رنگینی کی نظر سے سعدی کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے' حقایق و معارف کے اعتبار سے مغربی اور عراقی کی نظم کا مغالطہ ہوتا ہے...

نعت رسول مقبولؐ کی گل کاری کی گئی ہے.... عاشقانہ غزلوں میں شوق اور تمنا و وصال و فراق کے دفتر کھلے ہیں۔

(ایضاً" صفحہ ۵۴)

عبدالوہاب خاں کلکٹر کسٹم واکسائیز دربار جاورہ لکھتے ہیں۔

"اکثر واردات قلبی یا گرد و پیش کے تاثرات سے متاثر ہوکر الفاظ نظم کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور چونکہ آمد ہوتی ہے اس لیے آپ کا کلام سامعین میں علی العموم اور طبقہ صوفیا میں علی الخصوص مقبول و مرغوب ہے۔

(مسدس نعتیہ صفحہ ۴)

ماہنامہ نگار کے محسن اول اور نیاز فتحپوری کے دست راست ضیاء عباس ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں۔

"آپ کے خاندانی ماحول اور ابتدائی تعلیم اور لطیفہ قدرت کا یہ فیض تھا کہ آپ ہمہ ذات واجب الوجود سے پیوستہ اور صفات رحمۃ للعلمینؐ سے سرشار اور اولیائے کرامؒ

سے والہانہ جذبہ محبت سے مست رہتے تھے......

مجھے تو اس مجموعہ میں ایک شعر بھی ایسا نظر نہ آیا

جو کسی خارجی اثر کا نتیجہ ہو۔

حافظ منیر الدین احمد منیر بنیادی طور پر نعت و منقبت کے شاعر تھے لہٰذا اس مضمون میں ہم صرف ان کی نعتیہ شاعری کا تعارف کرائیں گے جو فارسی' ہندی اور اردو زبان میں ہے جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا جا چکا ہے کہ انھیں فارسی زبان و ادب پر کامل عبور تھا اس زبان میں وہ ان شعراء سے متاثر تھے جن کا کلام عارفانہ خیالات سے معمور تھا اس لحاظ سے حافظ" سعدی" عراقی" قدسی" جامی" امیر خسرو" اور عارف رومی" 'زیادہ نمایاں ہیں ان کی فارسی شاعری میں انھیں شعرائے کے کلام کی تاثیر و تابانی اپنی آب و تاب دکھا رہی ہے۔ پہلے حمد کے چند شعر تبرکا" پڑھ لیجئے اس کے بعد ان کے نعتیہ اشعار کے نمونے درج کیے جائیں گی۔

یا الٰہ العالمیں یا ذوالجلال
ذات پاک تو بری از قیل و قال
تو زلفظ کن کنی کون و مکاں
ذات تو پنہاں و کار تو عیاں
ز آب و گل تصویر آدم کردہ
روح را در مشت خاک اگمندہ
صورت معشوق گا ہے جلوہ گر
گہ لباس عاشقی داری بہ بر

نعتیہ اشعار:۔

عرش را یک شب منور مہر سیما کردہ
بہ جمال خویش شیدا خود خدارا کردہ
شرح عارض والضحیٰ واللیل شرح گیسوت
معنی قرآں زروئے خود ہویدا کردہ

نعت یاسیں توئی زیبائش طٰہٰ توئی
صاحبؐ معراج سبحان الذی اسریٰ توئی
مرحبا صل علیٰ روشن جہان از نور تو

خسرو شہر مدینہ، رونق کعبہ توئی

حضرت مولانا جامی کی مشہور نعت شریف کے رنگ میں۔ جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

بلبل زتو آموختہ شیرین سخنی را

یہ نعت شریف ام حبیبہ نے بڑے دل کش ترنم میں پڑھی ہے اسی ردیف و قافیے میں منیر سندیلوی کی نعت ملاحظہ ہو۔

بیند چو گلے خوبیٔ گل پیرہنی را
ہر گز نہ کند دعویٔ نازک بدنی را
از عالمِ بالاست بے افضل و بالا
اوج شبِ معراج رسولِ مدنیؐ را
از شوقِ جمالِ شہٗ لولاک چو موسیٰ
ہر موئے تنم گفت کہ ربِّ ارنی را

مولانا قدسی کی مشہور نعت شریف کی تضمین کے دو بند ملاحظہ ہوں۔

چوں سراپائے تو نقاش ازل کرد رقم
خود بہ صناعیٔ خود ناز کنددست رقم
گہ بہ رقص آمد و گاہے بہ زبانش پیہم
منِ بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو العجبی

الفصیح الفصحا ناسخ توریت و زبور
سینۂ پاک تو از علمِ لدنّی معمور
تو حبیب صمدی خاطرت او را منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

..........☆☆☆..........

روشن دو جہاں از رخ تابانِ محمدؐ

فردوس بریں عکس گلستانِ محمدؐ
جانست منوّر زضیائے خط و عارض
در سینۂ من شمع شبستانِ محمدؐ
در چشم منِ خاک نشیں جاہ و حشم ہیچ
ہستیم غلامے ز غلامانِ محمدؐ

.........☆☆☆.........

جاں بردہ ز من نرگس جادوئے محمدؐ
دل کردہ مسخّر خمِ گیسوئے محمدؐ

.........☆☆☆.........

فانظرو حالنا' فانظرو حالنا یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا
فاسمعو قالنا' فاسمعو قالنا یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا
رحمتؐ العالمین رحمتؐ العالمین خاتم المرسلینؐ خاتم المرسلینؐ
رہبر اولیاؑ ہادیؐ انبیاؑ یا حبیب خدا یا حبیب خدا
حل سخت تر بار عصیاں بسر المدد بسرِ حسنینؓ نورِ نظر
مشکل راکشا مشکل راکشا یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا

.........☆☆☆.........

قاب قوسین مقام فتدلیٰ گشتم
نورِ معراج شدم برق تجلّا گشتم
جلوہ گاہ قمر یثرب و بطحا گشتم
نہ گرفتار خم زلف چلیپا گشتم
گاہ جبریلؑ امیں گاہ براق بدور
گاہ رفرف شدہ ام طائر سدرہ گشتم
شان محبوبؐ کے گاہ نشان عاشق
شمع محفل کہ پروانہ سراپا گشتم

در لباس بندہ حق را دیدہ ام
بو العجب نادر تماشا دیدہ ام
بے احد احمدؐ نہ تنہا دیدہ ام
در عرب بے عین حق راہ دیدہ ام

..........☆☆☆..........

رحمتِ عالم رحیمؐ احمدی
زینتِ معراج نورِ سرمدی
صاحبِ جود و کرم خیرالامم
خسروِ دارین شان ایزدی

حافظ منیرالدین منیر کی فارسی نعتیہ شاعری کے یہ چند جواہر پارے اپنی پوری آب و تاب دکھا رہے ہیں ان کے اشعار کے مطالعے سے اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت کا دریا موجیں مار رہا ہے ان کے اشعار میں بڑی تاثیر و کیفیت موجود ہے پڑھنے والا ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

فارسی کلام کے بعد ہم ان کے ہندی اشعار پیش کریں گے۔

سلطان مدینہ و کعبہ ہو سرتاج ہو تم سلطانن ماں
تم نور ہدایت شمع رسل میں آپ کے ہوں پروانن ماں
ہر شان ولیؒ ہر شان نبیؐ جب روز ازل ماں نمود بھئی
وہی شان محمد صلی علی روشن تھی سب کی شانن ماں

سبھی نبیاؑ ولیاؒ غوث و قطب آپس میں دھوم مچاوت ہیں
چلو احمد بے میم کے درپن ماں اب احمد کا جلوہ دکھاوت ہیں
کو عرش پہ فرش بچھائے رہو کو نور کی باتی جلائے رہو
معراج کی رین سہائی بھلی جبرلؑ براق سجاوت ہیں

..........☆☆☆..........

ہوری آئی دھوم کا سنگھار کریں
سکھی یثرب کی سرکار چلیں

اپنے یثرب کے کنہیا کے چرن چومیں
پی کے سے ان کی محبت کی خدایا جھومیں
سر اوڑھ لیں چنر ایمان کی
رنگ مل علی کا طیار کریں

حافظ منیرالدین منیر کے فارسی اور ہندی کلام کے نمونے پیش کرنے کے بعد ہم ان کی اردو نعتیہ شاعری کا جائزہ لیں گے افضل البشر سید عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ کا ذکر خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں اتنا ہی مشکل ہے جتنا اللہ جل جلالہ' کی حمد وثنا آسان ہے اللہ رب العزت کی تعریف غیر مشروط ہے جب کہ اس کے جلیل القدر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے محامد و محاسن کا ذکر مشروط ہے "بقول کسے" نعت شریف کہنا' تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں فرماتا ہے۔

اے ایمان والوں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے "اونچی آواز مت کرو۔ اب اونچی آواز نہ کرو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا کے ادب واحترام کے تمام تقاضے شامل ہو گئے۔ چاہے اس کا تعلق' شاعری سے ہو' تقریر سے ہو یا تحریر سے مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

"قرآن سے نعت گوئی سیکھنے" کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زبان و قلم سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالیں جو راہ اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ یہ پابندی اسی وقت برقرار رہے گی جب ہم "قرآن سے نعت گوئی" سیکھیں گے نعت گو شاعر کے لیے لازم ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتا ہو اس کے بغیر "حب نبی" صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی باطل ہے جو نعت اسوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو کر کہی جائے گی اس کی تاثیر ہی جدا ہو گی خواہ یہ نعت صنائع بدائع کے پیکر میں بھی ہو خواہ آسان اور سادہ الفاظ میں ہو۔

حافظ منیرالدین احمد منیر کی شاعری سادگی اور پرکاری کا مرقع ہے۔ ان کے اشعار میں بڑی آمد واثر ہے اللہ رسول' اصحاب نبی اور اولیائے کرام کی محبت و عقیدت ان کی رگ و پے میں رچی بسی ہے۔ ان کے مزاج کی سادگی اور درویشی ان کے رنگ سخن کی پہچان اور شناخت ہے' عشق و محبت کی کیسی ہی کیفیت ہو وہ نعت و منقبت کے شعر کہتے وقت بزرگوں کے ادب واحترام کے تقاضوں پر اس کیفیت کو حاوی نہیں ہونے دیتے تھے۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

الفاظ، سادہ، آسان با معنی اور بر محل استعمال کرتے ہیں جن سے شعر کے معنوں میں کوئی پیچیدگی، ابہام و اہمال نہیں پیدا ہوتا، ضایع بدایع کا بیان ان کی فارسی شاعری میں زیادہ اردو میں کم ہے اردو کلام کی سادگی اور سلاست نے اشعار میں ایسی دل کشی پیدا کی ہے کہ اس کی کمی قطعاً محسوس نہیں ہوتی ان کے کلام کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس کے مطالعے سے دل میں اللہ، رسولؐ اور بزرگان دین کی عقیدت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ انھوں نے بڑی مترنم بحروں میں شعر کہے ہیں جس سے ان کی شاعری کا رنگ نکھر آیا ہے۔ شعروں میں کیفیت و سرور، شعریت و نغمگی بدرجہ اتم موجود ہے ان کی اردو نعتیہ شاعری کے نمونوں سے قبل حمد کے چند شعر ملاحظہ ہوں

مسند آرائے سریر کن فکاں تو ہی تو تھا
رونق افزائے گلستان جناں تو ہی تو تھا
رنگ ہو کر پتے پتے میں تھا تو ہی جلوہ گر
شکل جاں بو بن کے ہر گل میں نہاں تو ہی تو تھا
شبلیؒ و عطارؒ و سرمدؒ کو کوئی کیا جانتا
ہر فنا فی اللہ کا آخر نشاں تو ہی تو تھا
تو نے ہی برق تجلی پر جلایا طور کو
چاہ میں یوسفؑ کا آخر مہرباں تو ہی تو تھا

نعتیہ..... کلام

تضمین عربی نعت.....

یہ عربی نعت قاری وحید ظفر قاسمی نے اپنے قرآت آمیز ترنم میں پاکستان میں پہلی دفعہ اپنی نو عمری کے زمانہ میں پڑھی تھی

کیا حسن ترا کیا نور ترا ہر شے میں عیاں ہے تو اے مطلبی
ہر غنچہ و گل میں ہے تری چمک اے صل علی اُمّی لقبی

الصبح بدامن طلعتہ واللیل دجیٰ من و فرتہ
فمحمدنا ھو سیدنا فلعزلنا باجابتہ

میں نعت لکھوں یہ منہ ہے کہاں تم خلق کے والی میں ادنیٰ
کہتے ہیں ملائک بھی تو یہاں یا سیدنا یا مرشد نا

لاریب کریمی مولائی اعنہ کمالک مقصدنا

الصبح بد امن طلعتہ واللیل دجامن و فرتہ

فمحمدنا ھو سیدنا فلعزلنا باجابتہ

........☆☆☆........

عشق احمد کی دل پہ لگی پھر لگن شعلہ رہ رہ کے پھر سر اٹھانے لگا
پھر وہ برق تجلی چمکنے لگی پھر مزا من رآنی کا آنے لگا
شمع بزم ہدایت جو روشن ہوئی ظلمت کفر یک لخت جاتی رہی
سارے چھوٹوں بڑوں کو وہ ختم النبیؐ بر ملا کلمہ حق سنانے لگا

حضرت کرامت علی شہیدیؒ کے ایک نعتیہ شعر کی تضمین۔

منیر اس طرح کب تک درد دوری سے بھلا تڑپے
یہ مانا وہ برا ہے اور عمل بھی ہیں برے اس کے
برے بھی جاکے ہو جاتے ہیں در پر آپؐ کے اچھے
یہ کافی ہے دم آخر، اگر اس کی خدا سن لے
"تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا"

........☆☆☆........

ترا وہ نام ہے جو عرش والوں کی زباں تک ہے
نشاں تیرا مدینے ہی میں کیا اک لا مکاں تک ہے
تغافل ہم غریبوں سے بھلا کس طرح ممکن ہے
کرم مشہور عالم جب زمیں سے آسماں تک ہے
خدارا! اک نظر ہم پر بھی اے مالک مدینے کے
جگر جلتا ہے دل بیتاب ہے، حالت یہاں تک ہے

______☆☆☆______

صورت نبیؐ کی خواب میں گر دیکھ پائیں ہم
سوئے ہوئے نصیب کو اپنے جگائیں ہم

تشریف لائیں خانۂ دل میں اگر حضورؐ
تو ہر قدم پہ آپؐ کے آنکھیں بچھائیں ہم
اب آرزو یہی ہے کہ روضے پہ آن کر
سو سو طرح سے آپؐ کے قربان جائیں ہم
راہِ صراط سخت ہے ہم ناتواں ہیں آہ!
بارِ گناہ دوش پہ کیوں کر اٹھائیں ہم

..........☆☆☆..........

اے صلِ علیٰ دیدۂ سرشارِ محمدؐ
ہر مردمکِ چشم ہے بیمارِ محمدؐ
ہے آیۂ رحمت خط و رخسارِ محمدؐ
لولاک لما جبہ و دستارِ محمدؐ
تاحشر نہ یہ آگ بجھے جان و جگر کی
اے تشنگیٔ حسرتِ دیدارِ محمدؐ

..........☆☆☆..........

ہے شرحِ سورہ واللیل گیسوئے دوتا تیرا
بیاضِ صبحِ صادق ہے رخِ بدر الدجا تیرا
ظہورِ کبریائی ہے وجودِ باصفا تیرا
تماشا گاہِ عالم ہے جمالِ حق نما تیرا
یہی دیوانگی اچھی کہ سودا ہے ترا سر میں
مجھے ہے فخر اس دل پر کہ ہے یہ مبتلا تیرا
یہ دل جلنے نہ پائے آتشِ دوزخ کے شعلوں سے
تصور مدتوں اس میں رہا یا مصطفےٰؐ تیرا

حضرت امیر خسروؒ کی غزل کی تضمین کا ایک بند پڑھیے:۔

اے بادشاہِ دوسرا و خاص محبوبِ خدا
نام مبارک پر ترے سو جان و دل میرے فدا

اتنی تمنا ہے مجھے در سے نہ خالی کر مجھے
دو چار حد کونائے تو افتادہ بنی یک طرف
تن یک طرف جاں یک طرف سریک طرف پایک طرف

نعتیہ اشعار کے انتخاب کے بعد ہم آخر میں ان کے "مسدس نعتیہ کے چند بند پیش کریں گے۔ اردو میں نعتیہ مسدسوں کی تعداد کم ہے۔ یہ مسدس بھی خواجہ الطاف حسین حالی کے مسدس سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ اس کے مرتب عبدالوہاب خان لکھتے ہیں۔

"بہت عرصہ ہوا جب مولانا حالی کے مسدس کا ایک بند جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

سن کر آپ متاثر ہوئے اور اسی وقت دو بند نعتیہ جو اس مسدس میں ہیں تحریر فرمائے۔"

حافظ منیرالدین احمد منیر نے یہ مسدس خواجہ الطاف حسین کی وفات (۱۹۱۴ء) کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۱۵ء میں لکھا اور ۲۶ ربیع الاول مطابق ۲۲ اگست (غالباً" ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء ہو گا۔) ہائی اسکول چھاؤنی میں صدر جلسہ کی فرمائش پر سنایا۔ اس کے پہلے تین بند حمدیہ ہیں پہلا بند ملاحظہ ہو۔

خدا وہ جو خلاق ہر دو جہاں ہے
زمیں اس کی ہے اس کا ہی آسماں ہے
ہر اک شے میں شان اس کی دیکھو عیاں ہے
شجر برگ و گل میں وہی بے گماں ہے
وہی سب کا خالق ہے اور نگہباں ہے
فرشتے ہوں جنات ہوں یا ہوں انساں

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ع

کہا آمنہ سے ملائک نے آکر
مبارک ہو یہ آپ کو ماہ پیکر
یہ انوار حق کا سراپا ہے مظہر
کہ ہوگا لگا نصب محراب و منبر
یہ نجم الہدیٰ ہے یہ کہف الوریٰ ہے
حبیب خدا خاتم الانبیاء ہے

آخری بند ع

ذرا سبز گنبد کے آقاؐ خبر لو
کہ بے کس ہوں میں میرے مولا خبر لو
میں بیمار غم ہوں مسیحا خبر لو
غریبوں کے ملجا و ماوا خبر لو
منیر حزیں کی سنو عرض شاہا
تصدق میں حسنینؓ کے اور خدارا

مسدس کے اشعار روانی، سادگی، سلاست، کیف و اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں جنھیں پڑھ کر انسان ایک "صاحب دل" کی اندرونی کیفیت و حرارت کی پوری طرح محسوس کرتا ہے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا سینہ حب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے دراصل یہ واردات و کیفیات اللہ تعالیٰ کا وہ انعام ہے جو حافظ منیر الدین احمد منیر کو اس کی بارگاہ فیض رساں سے عطا ہوا ع

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ منیر الدین احمد منیر صدیقی سہروردی قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی کی مردم خیز سرزمین میں اپنے شیخ طریقت عارف باللہ حضرت حافظ کرم احمد قدس سرہ العزیز کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و صوفیائے عظامؒ کی محبت اور عقیدت سے معمور عارفانہ کلام ہمیشہ اہل ذوق و شوق کی تشنگی بڑھاتا رہے گا۔

حافظ منیر الدین احمد منیر کے کلام کی مقبولیت کا یہ واقعہ بھی سن لیجیے رئیس لاحرار زعیم ملت مولانا محمد علی جوہر کے ایک قریبی عزیز اندور میں بیرسٹر تھے وہ گاہے بہ گاہے ان سے ملنے وہاں آتے ان کا حافظ منیر الدین احمد منیر سے اسی گھر میں تعارف کرایا گیا ان کے ادبی ذوق و شوق کا بھی ذکر ہوا، مولانا محمد علی جوہر ان سے مل کر بہت خوش ہوئے حافظ صاحب نے انھیں اپنے یہاں مدعو کیا۔ مولانا محمد علی جوہر تاریخ و وقت مقررہ پر مدعوئین کے ساتھ حافظ منیر الدین احمد منیر کے وہاں گئے دعوت طعام کا اہتمام تھا مولانا محمد علی جوہر نے ان سے کہا حافظ صاحب ان دعوتوں میں تو آئے دن شرکت ہوتی رہتی ہے مجھے تو آپ اپنی روحانی غذا دیجیے خیر یہ تو ایک رسمی سی بات تھی فراغت طعام کے بعد شعر و سخن کی محفل منعقد ہوئی۔ حافظ منیر الدین احمد منیر نے اپنا اردو و فارسی اور ہندی کا کلام سنایا۔ مولانا محمد علی جوہر ان کے اشعار سن کر بہت محظوظ ہوئے اور بڑی کشادہ دلی سے کلام کی تعریف کی۔

راقم الحروف نے یہ مقالہ حافظ منیر الدین احمد منیر کے طبع شدہ مجموعوں کے علاوہ ان کے قلمی نسخے کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے جو نہایت خستہ و بوسیدہ حالت میں تھا یہ نسخہ دیدہ زیب خط شکستہ و نستعلیق میں لکھا ہوا ہے لیکن اس کے کئی صفحات کی روشنائی اتنی مدھم پڑ گئی ہے کہ لفظوں کا پڑھنا ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ حافظ منیر الدین احمد منیر کے جو مجموعے دہلی، اجمیر اور جاورے کے پریسوں میں چھپے ان میں کتابت کی غلطیاں رہ گئی تھیں چنانچہ قلمی نسخے نے یہ کمی پوری کردی۔

نعوت قرآن اور شاعری

مولانا شاہ محمدؐ تبریزی

اس حقیقت سے فرار اور دلائل قرآنی سے انکار از حد مشکل بلکہ ناممکن و لا حاصل ہے کہ "شاعری ایک مذموم صفت ہے جبکہ وہ دین و شریعت اور سلوک و طریقت کے خلاف ہو"۔ قرآن کریم فرقان حمید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا۔

والشعرآء یتبعھم الغاؤن ○ الم تر انھم فی کلّ وادٍ یّھیمون ○ وانھم یقولون مالا یفعلون ○ (سورۃ الشعرآء، آیت ۲۲۴ تا ۲۲۶ پارہ ۱۹)

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو وہ نہیں کرتے۔ (کنزالایمان)

یہ آیت کریمہ دراصل شعرائے کفار کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم، مولائے کلُ، دانائے سُبل صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جیسا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ ایسا تو ہم بھی کہہ لیتے ہیں اور ان کی قوم (قبیلہ) کے گمراہ و بے راہ رو لوگ ان اشعار باطلہ، انشاد فاسدہ اور تخیل فاجرہ کو نقل کرلیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی اس آیت جلیلہ میں مذمت کی گئی ہے۔

شاعری کس قدر مذموم و مردود فعل ہے اس کا اندازہ اللہ رب ذوالجلال کے اس فرمان عالی شان سے ہوتا ہے جو وہ حالت غضب میں شعرائے جہلاء کو مخاطب کرکے اپنی آخری و پسندیدہ الہامی کتاب قرآن کریم کے پارہ انتیس میں سورۃ الحاقۃ کی آیت اکتالیس میں ارشاد فرما رہا ہے۔

وما ھو بقول شاعر   اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔

جہاں اللہ رب ذوالجلال نے شاعری کو نہایت ہی بری، قبیح، مذموم اور مکروہ صفت قرار دیا ہے تو وہیں رسول خداء اشرف الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شاعری کو ایک ناپسندیدہ اور مجہول و مردود فعل گردانا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔

لایمتلی جوف احدکم قیحا" خیرلہ' من ان یمتلی شعرا" ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ :۔ اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے

کہ وہ شعر سے پُر ہو۔

ایک مقام پر حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لایمتلی جوف الرجل قیحا" حتّٰی بریہ خیر من ان یمتلی شعرا" (بخاری ومسلم)

ترجمہ :۔ کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا جو اسے کھائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو۔

بخاری شریف میں ہی ایک مقام پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔

فی کلّ لغو یّخوضون

ترجمہ :۔ شاعر ہر لغو (فضول) بات میں مغز کھپائی کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر بخاری شریف میں ہی ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ۔

مایکرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر حتّٰی یصدّہ عن ذکرہ اللّٰہ والعلم والقراٰن۔

ترجمہ :۔ وہ شاعری ناپسندیدہ ہے جو انسان پر غالب آجائے یہاں تک کہ اللہ کی یاد، دینی علوم اور قرآن کریم سے روک دے۔

لیکن ان تمام قیود و حدود کے ساتھ نہ صرف اچھی شاعری کی تعریف کی گئی ہے، بلکہ عمدہ اور پاکیزہ خیالات کو اجاگر کرنے، تعمیری، تخلیقی اور سچی تعبیریں بیان کرنے والے شعراء کو بیش بہا انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا ہے۔ اہل ایمان اور اعمال صالح اور ذکر الٰہی کی طرف رغبت دلانے والے شعراء کی توصیف میں رب ذوالجلال خود فرما رہا ہے۔

الّذین اٰمنوا وعملو الصّٰلحٰت و ذکرو اللّٰہ کثیرا وا نتصروا من بعد ماظلموا ○ وسیعلم الّذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون ○ (پ ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۲۲۷)

ترجمہ :۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت (لوگ) اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا۔ بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم،

کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (کنزالایمان)

شاعری کی کئی اقسام ہیں لیکن چند اصناف نہایت ہی معروف و معلوم ہیں۔ جن میں ہجو، غزل، نظم، مرثیہ، رباعی، مخمس اور مسدس مقبول اور مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ رزمیہ، بزمیہ، المیہ، طربیہ، طرزیہ، طرحیہ، اور عشقیہ شاعری بھی کی جاتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت (ماقبل از اسلام) میں رومانی و جذباتی شاعری، فحش و عریاں غزلیات و ہزلیات، لچر و بے ہودہ ہجویات و منظومات اور جھوٹے قصائد کا خاص رواج تھا۔ لیکن جب ریگستان عرب میں "حق" کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور ایک پاکیزہ و طیب، معطر و مطہر، منزہ و مصفّٰی اور خوش رنگ "نور" دنیا کی طرف بڑھنا شروع ہوا تو کل عالم منور ہو گیا۔ کائنات "مہتاب عرب" کی روشنی سے چمک اٹھی، ریگ زار گل و گل زار و گل عذار ہو گئے۔ "چمن جہل" گلستان نور بن گیا۔ یثرب "مدینۃ المنورہ ہو گیا، کعبہ "حرم" ہو گیا۔ ابوبکرؓ "صدیق" عمرؓ "فاروق" عثمان "ذوالنورین" اور علیؓ "اسد اللہ" ہو گئے۔ اصرم "زرعہؓ" ہو گئے برہ "جویریہؓ" اور عاصیہ "جمیلہؓ" ہو گئیں۔ اصنام حرم اوندھے منہ گر پڑے، شمس و قمر سجدہ ریز ہو گئے۔ کفر تار تار ہو گیا، جہالت ریزہ ریزہ ہو گئی۔ شرک پاش پاش ہو گیا۔ تاریکی "نور سحر" بن گئی۔ شب دیجور رنگ و نور سے جگمگا اٹھی، ویرانے سبزہ میں بدل گئے۔ بربریت نے "انسانیت" کا لبادہ اوڑھ لیا۔ بخیل "سخی" اور سخی "غنی" ہو گئے۔ کمزور "جری" اور گم راہ "ولی" ہو گئے۔

جہاں یہ سب کچھ ہوا، وہاں شاعری کی دنیا میں بھی انقلاب آگیا اور فن شاعری میں ایک نئی صنف، ایک نیا فن، ایک نئے ڈھنگ اور ایک نئے اسلوب نے جنم لیا۔ یہ صنف، یہ فن، یہ اسلوب، یہ طرز، یہ طرح، لسان شاعری میں "نعت" کہلائی۔

جب نعتیہ شاعری کا آغاز ہوا تو رہبر کامل، محسن انسانیت، فخر وجہ تخلیق کائنات، فخر موجودات بانیٔ سلسلۂ عمل حسن و خیرات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بوسیدہ غزلوں، فحش نظموں، عریاں و حیا سوز کلام، رومانی و جذباتی، شہوت نفس کو بھڑکانے اور سفلی جذبات کو جلا بخشنے والی تمام عشقیہ و خبیثہ شاعری کو مسترد کر دیا۔ اور اس کی جگہ ثنائے ذوالجلال اور قادر مطلق کی ذات جلیلہ و کبیرہ کو سرچشمۂ بصیرت و ہدایت و عنایت اور لطف و کرامت بنایا تو پھر کیا تھا۔ وہی شاعر جو کل تک جھوٹی تعریفوں کے پل باندھا کرتا تھا۔ "دریائے صدق" میں ڈوب گیا "بحر حق" میں غوطہ زن ہو گیا۔ لوگ۔ "نعت" کے اس قدر دیوانے ہو گئے کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ خلوص و عقیدت و گل ہائے محبت و الفت پیش کرنے والوں کا ہجوم لگ گیا۔ شعرائے کرام "مدحت خیرالبشر" کے آگے شاعری کی دیگر اصناف کو بھول گئے۔

کچھ شاعر تو ایسے "واصل بحق نعت" ہوئے کہ انہوں نے اسی کو اپنا اوڑھنا' بچھونا (مقصد حیات) اور قدم ہائے سید الاسیاد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکن بنا لیا۔

نعتیہ شاعری کی تاریخ پندرہ سو سال پرانی ہے اور پندرہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج صرف اور صرف اسی ایک ذات عالی شان کی "شان حق" میں قلم رطب اللّسان ہیں' اذہان منزّہ و معطر' قلوب مؤدب و متفکر اور افکار متشکر ہیں۔ اب تک اس ذات حقیقی کی محبت میں ڈوب کر جو کچھ لکھا گیا ہے اگر ان سب کو یکجا کر لیا جائے تو اس کے رکھنے کے لیے اس کرۂ ارض پر کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ اس ذات حقیقی کی حمد و ثناء اہل فرش ہی نہیں اہل عرش بھی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چرندو پرندو درند' شجر و حجر' بحر' شمس و قمر' کائنات کا ذرہ ذرہ مشغول صلوٰۃ و تسبیحات ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شاعری کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

الشعر کلام فحسنہ' حسن وقبیحہ' قبیح

ترجمہ:۔ شعر کلام ہے' پس اچھا شعر اچھا کلام ہے اور برا شعر برا کلام۔

یہ حدیث کریمہ اس بات پر دال ہے کہ دائرۂ اخلاق میں' شریعت کے موافق (شاعری) جائز ہے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان سحرا"۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ بے شک شعر حکمت ہے اور بیان جادو ہے۔ ایک جگہ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

ان من البیان سحرا" لعن العلم جہلا وان من الشعر حکما" وان من القول عیالا"۔

ترجمہ:۔ بے شک بعض بیان جادو کی مانند اور بعض علم جہالت اور بعض شعر بھی پر حکمت اور بعض قول وبال جان ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اچھے اور ستھرے اشعار کی تعریف کی ہے۔ آپ عمدہ اشعار سماعت فرماتے اور پسند فرماتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے شعرائے کرام کو دل سے عزیز رکھا' ان کی ہر ممکن اعانت فرمائی آپ نے ان کے اچھے کلام اور بہترین اشعار پر بیش بہا اعزازات' اکرام و انعامات اور القابات و خطابات سے نوازا۔ ایک ایک وقت میں سو سو اونٹ عطا کر دیئے ہیں اور خلعت فاخرہ تک مرحمت فرمائی ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد پاک ہے۔

ان من الشعر حکمتہ۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ کسی شعر میں دانائی بھی ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد گرامی ہے۔

ان من البیان السحر او ان بعض البیان سحر۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ بے شک بعض بیان جادو ہے اور بعض بیان جادو نہیں ہے۔

مسلمان نعت گو شعرائے کرام ان تمام قیود و حدود سے آزاد ہیں جو شعرائے فاجرہ و فاترہ پر قرآن و حدیث نے لگائی ہیں اور جو اس طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں مستثنیٰ کیے گئے ہیں۔ شعرائے اسلام کا استثناء محض اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ جلّ شانہٗ' و عمّ نوالہ' کی ثناء و تمجید' بزرگی و پاکی' تمجید و تحسین اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت' شمائل و خصائص اور ان کی نعوت بیان کرتے ہیں' اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پند و نصائح لکھتے ہیں۔ جذبۂ ایمانی' فرمان قرآنی اور محاسن اسلام کو اجاگر کرتے ہیں' یہی نہیں بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات مطہرہ کو بہ شکل شعر "الہامی زبان" میں ڈھال کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اجر و ثواب پاتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"شعر کلام ہے بعض اچھا ہوتا ہے بعض برا' اچھے کو لو اور برے کو چھوڑ دو" (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعری میں جس چیز کو سب سے زیادہ پسند فرمایا وہ کفار کی "ہجو" تھی۔ ہجو بھی وہ جو اخلاقیات سے گری ہوئی نہ ہو' مغلظات سے خالی ہو اور صرف مذمت کی حد تک ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ہجو کہنے اور اس کے پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے بلکہ ہجو لکھنے اور پڑھنے والے شاعر کے ساتھ مل کر دعا بھی فرمائی ہے اور انعام و اکرام سے بھی نوازا ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم "حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ" کے لئے منبر بچھایا جاتا تھا جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مفاخر و مناقب پڑھتے تھے اور کفار و مشرکین کی بدگوئیوں کا دندان شکن جواب دیا کرتے تھے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان النبی قال لحسان اھجہم اوقال ھاجہم وجبریل معک۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ حضور نے حضرت حسان سے فرمایا کہ ہجو کہو یا فرمایا کہ ان کی ہجو کہو اور جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "تقریباً" تمام ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی محبت اور حب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نعت کہنے، لکھنے، پڑھنے اور سنانے کی سعادت حاصل کی ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شعر کہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ شعر کہنے والے تھے"۔

نعت گوئی جہاں انسانی اخلاق کو سنوارنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے وہیں یہ عبادت کا بھی سب سے بہترین اور عمدہ ذریعہ ہے۔ نعت روح کی غذا ہے، حضرت عبداللہ بن روم، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت کعب بن زہیر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نے نعت و منقبت کے پیش بہا خزانے بارگاہ بیکس پناہ میں پیش کئے ہیں۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مطالب و معانی مستنبط ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ شاعری "عطیہ رحمٰن" اور شاعر "تلمیذ الرحمٰن" ہے۔

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "بیشک مومن کفار کے ساتھ اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی" ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا "لوگ تلوار سے میرا ساتھ دیتے ہیں کیا زبان سے میری نہیں کر سکتے"

یہ احادیث کریمہ اس بات پر دال ہیں کہ نعت گو شعراء پر رحمۃ للعالمین کی خصوصی نظر کرم اور رب العلمین کی خاص رحمت ہوتی ہے اور جو کچھ قرآن کریم سے حضور نبی کریم کی ذات بابرکات کے لئے ثابت ہے وہی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

فامسٰی سراجاً منیرا و ھادیاً
یلوح کما لاح الصیقل المھند

(وہ تشریف لائے روشن چراغ بن کر اور حادی اور راہنما بن کر، اور اس طرح چمکے جس طرح میقل کی ہوئی تلوار چمکتی ہے)۔

حضرت حسانؓ کا یہ شعر قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

وسراجاً منیرا (پ ۲۲)

ترجمہ:۔ اے غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ کو چمکا دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

امام البرکات عبدالرحمٰن بن احمد النسفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

قد جاءکم من اللّٰہ نور و النور محمّد علیہ السلام لانہ یھتدی بہ کما سمّی سراجا"۔ (مدارک۔ ج۔ ا۔ ص ۳۶)

ترجمہ:۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور نور محمدؐ علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی نورانیت کی وجہ سے ہدایت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اسم شریف "سراجا" رکھا ہے۔

حضرت حسانؓ کے مذکورہ شعر کی تطبیق حضرت کعب بن زہیرؓ کے شہیر عالم قصیدہ "بانت سعاد" میں شامل اس شعر سے ہوتی ہے۔ جس کو سماعت فرمانے کے بعد سید السخاء صاحب جود و عطا صلی اللہ علیہ وسلم نے "برد یمانی" عطا فرمائی تھی۔

ان الرسول لسیف یستضاء بہٖ
مھند من سیوف اللّٰہ مسلولٖ

(بے شک ہمارے رسولؐ یقیناً برہنہ تلوار ہیں، اور اس کی چمک سے نور ہدایت عالم میں پھیل رہا ہے)۔

مدح حسن محمدیؐ میں حضرت حسانؓ یوں لسان طراز ہیں۔

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النّساء
خلقت مبراء" من عیب کانک قد خلقت کما تشاء

(اور آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل عورتوں نے کوئی بچہ نہ جنا۔ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ نے جس طرح چاہا آپ اسی طرح (سراپا کمال) پیدا کئے گئے ہیں)۔

بے شک معلم کائنات کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔ اس روئے اقدس کو دیکھ کر مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلامؓ بے ساختہ پکار اٹھے تھے۔

وجھہ لیس بوجہ کذّاب (مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ)

ترجمہ:۔ ان کا چہرۂ مبارک دروغ گو کا چہرہ نہیں

اسی مضمون کو علامہ بوصیریؒ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاق النبیّین فی خلق وفی خلق

فلم یدانوہ فی علم الاکرم

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسن وصورت وسیرت یعنی ظاہری وباطنی کمالات کی بدولت (عام انسان توکیا) سارے نبیوں پر فوقیت کا شرف رکھتے ہیں۔ دیگر انبیائے کرام (اپنی اپنی جلالت قدر کے باوصف) نہ تو آنحضرت کی وسعت علم کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور نہ ہی عزت، بزرگی اور سخاوت میں آپ کی ہم سری کرسکتے ہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو خدائے وحدہٗ لا شریک نے تمام انبیائے کرام پر وہ تفوق عطا فرمایا کہ خلق اور حسن اور کمال وخصائل حمیدہ میں حضورؐ کا نظیر محال اور جلال وجمال حضورؐ اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ جیسا کہ خود رب العٰلمین اور رب رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلوٰۃ وا لتسلیم کی نعت شریف میں قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد فرما رہا ہے۔ "والضحیٰ واللّیل اذا سجیٰ" اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب شارح قیصدۃ البردۃ، علامۃ الھمام مفتی مدینۃ المنورۃ (خربوت) علامہ خرپوتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حیث استعیر الضحیٰ من وجھہ علیہ السلام واللّیل من صدغہ علیہ السلام و کفاک شاھداً" حدیث انس رضی اللہ عنہ قال علیہ السلام مابعث اللّٰہ نبیّا الاحسن الوجہ وحسن الصوت وکان نبیکم احسن ھم وجھا واحسنھم صوتا"۔

ترجمہ:۔ والضحیٰ میں لفظ "ضحیٰ" سے استعارہ اس وجہ منیر کا ہے اور لیل سے استعارہ گیسوئے محبوب کا ہے، اور اس پر حدیث انس رضی اللہ عنہ کافی سند ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر وجہ حسین والوجہ اور حسین الصوت اور تمہارے نبی سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ ملیح الصوت ہیں۔

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ کمال الدین الدمیری صاحب "حیاۃ

الحیوان" فرماتے ہیں۔

لم یخلق الرحمٰن مثل محمد
ابدا و علمی انہ لایخلق

(نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے مثل محمد کا کبھی اور مجھے یقین محکم ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا)۔

امام ترمذی نے ابوھریرۃ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوھریرۃ فرماتے ہیں۔

مارأیت شیئا احسن من رسول اللّٰہ کان الشمس تجری فی وجھہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۱۸)

ترجمہ:۔ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت کسی کو نہیں دیکھا یوں معلوم ہوتا کہ آفتاب آپ کے چہرۂ مبارک میں چل رہا ہے۔

علامہ قرطبی "تذکرہ" میں فرماتے ہیں۔

لم یظھر کمال حسنہ علیہ السلام والا لما اقات اعین الصحابہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم النظر الیہ۔

ترجمہ:۔ حضورؐ کا کمال حسن ظاہری نہیں ہوا ورنہ صحابہ کرام میں یہ تاب نہ تھی کہ حضورؐ کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھ سکتے۔

ابوھریرۃ کے قول پاکیزہ کی تفسیر شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ اس شعر میں بیان کرتے ہیں۔

یا صاحب الجمال و یا سیدالبشر
من وجھک المنیر لقد نوّر القمر

(اے حسن و جمال والے اور اے تمام انسانوں کے سردار! آپ کے چہرۂ انور سے چاند روشن ہوا ہے)۔

جس طرح آپؐ کا روئے انور حسن و جمال ایزدی کا مظہر اور خوبی و کمال کا معدن ہے۔ بعینہٖ آپؐ کی سخاوت بھی مثل خداوندی ہے۔ آپ جسے عطا کرتے ہیں تو دُرِّ بہا بے شمار دیتے ہیں اور جسے نوازتے ہیں تو سراپا گوہر نایاب بنا دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بخاری شریف میں ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اتنا سونا چاندی عطا فرمایا کہ آپ میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہ تھی"۔

بقول امام احمد رضاؒ

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دئے ہیں در بے بہا دئے ہیں

سخاوت و عطا، جود و کرم اور لطف و عنایت شاہ اُمم کا ذکر کرتے ہوئے شاعر رسولؐ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ یوں رطب اللسان ہیں۔

لہٗ ھمم لا منتھی لکبارھا وھمتہ الصغریٰ اجل من الدھر
لہ راحۃ لو ان معشار جودھا علی البر کان البر اندیٰ من البحر

(ان کے ارادے اتنے زبردست ہیں کہ اس کے بڑوں کی کوئی انتہا نہیں اور آپ کا چھوٹے سے چھوٹا ارادہ زمانہ سے بڑا ہے۔ آپ کی ہتھیلیاں اتنی سخی ہیں اگر ان کی سخاوت کا دسواں حصہ بھی خشکی پر پڑ جائے تو خشکی سمندر سے زیادہ تر ہو جائے)۔

حضرت علامہ مولانا مفتی ابو الظفر غلام یٰسین امجدی صاحب شارح حدائق بخشش "وثائق بخشش" میں فرماتے ہیں۔ "اٹھارہ ہزار عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیات بخشش، کرم و نوازش کے سمندر جاری ہیں جس میں ہر ایک کی کشتیٔ حیات تیر رہی ہے، اے محبوب خدا یہ سب کچھ آپؐ کی اتھاہ اور بے پایاں سمندر کی محض ایک بوند ہے، اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خیرات سے لوگ خوش و خرم زندگی گذار رہے ہیں یا یہ کہ آپ کے صدقات سے آسمانوں کے جملہ تارے (شمس و قمر و کوکب) بھی ہیں جو شب و روز چمک کر عالم کو روشن و منور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب آپ کے خزانۂ بخشش کے ایک ذرہ کی مقدار ہیں"۔

حضرت حسانؓ کے اشعار قرآن کریم کی اس آیت جلیلہ کے ترجمان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر ○ (سورۃ الکوثر پ ۳۰)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے آپ کو اے محبوب خیر کثیر (خواہ دنیاوی ہو یا اخروی) مرحمت فرمائی ہے۔ (کنز الایمان از امام احمد رضاؒ)

حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"اے محبوب خدا بے شک ہم نے تمہیں فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا۔ حسن ظاہر

بھی دیا حسن باطن بھی، نسب عالی بھی، نبوّت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوض کوثر بھی، مقام محمود بھی، کثرِ اُمّت بھی، اعدائے دین پر غلبہ بھی، کثرت فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں عطا کیں"۔

اسی آیت کریمہ کی روشنی میں صحیح البخاری ج۔ ۲۔ ص ۵۵۸ اور صحیح المسلم ج ۲۔ ص ۲۵۰ میں حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا۔

وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض۔

ترجمہ:۔ اور بے شک مجھکو زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

مسند احمد اور طبرانی و خصائص کبریٰ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ معلم کائناتؐ نے فرمایا۔

اعطیت مفاتیح کل شئی

ترجمہ:۔ مجھے ہر چیز کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔

بقول شاعر:۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب کیا مالک و مختار بنایا

یہ تمام انعام و اکرام عطا ہونے کے بعد حضور نبی کریم صلوٰۃ والتسلیم نے اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا عائشۃ والّذی نفسی بیدہٖ لو سئلت ربّی ان یجری معی جبال تھامۃ ذھبا لاجرھا حیث شئت من الارض ولکن اخترت الجوع فی الدنیا علی شبعھا وفقر الدنیا علی غنائھا وحزن الدنیا علی فرحھا۔ یا عائشۃ ان الدنیا لاتنبغی لمحمد ولا لآل محمد۔

۔ترجمہ:۔ اے عائشہ! قسم ہے اس ذات مقدس کی جس کی ید قدرت میں میری جان ہے اگر میں اپنے رب سے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کی شکل میں طلب کرلوں اور انہیں چلتا ہوا بناؤں کہ جہاں جاؤں وہ میرے ساتھ ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں چلتا ہوا میرے ساتھ کر دے۔ لیکن میں نے دنیا میں بھوک اختیار کی شکم سیری سے اور فقرِ دنیا قبول فرمایا غنا پر اور قبول کیا اس کی فرحت پر۔

اے عائشہ دنیا زیبا نہیں محمد اور ان کی آل کے لیے۔

روایات صحیحہ میں منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، سید الملائکہ، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام ربی پیش کرتے ہوئے رب ذوالجلال کا فرمان عالی شان گوش گذار فرمایا۔

انحب ان اجعل ھذا الجبال ذھبا و تکون معک اینما کنت۔

ترجمہ:۔ اے محبوب اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ ان پہاڑوں کو ہم سونا بنا دیں اور وہ آپ کے ساتھ رہیں جہاں آپ تشریف لے جائیں تو ابھی ایسا ہو سکتا ہے۔

علامہ بوصیری ؒ ان پیرایوں کو کتنے خوبصورت انداز سے ان کی عملی تفسیر بنا کر پیش کرتے ہیں۔

وراودتہ الجبال الشم من ذھب
عن نفسہ فاراھا ایما شمم

(بلند پہاڑوں نے سونے کا بن کر حضور کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانا چاہا۔ تو حضور نے اپنے بلند حوصلہ اور استغنا سے انہیں ذلیل دیکھا)۔

لسان عرب کی ممتاز شاعرہ سیدہ عائشہ باعونیہ حضورؐ کی سخاوت و عنایت پر یوں لب کشا ہیں۔

قالوا ھو الغیث قلت الغیث العمی
یھمی ویغیث نراہ لایزال ھمی

(انہوں نے کہا بارش ہے۔ میں نے کہا بارش تو کبھی کبھار موسلا دھار برستی ہے۔ لیکن ان کی بخششوں کی بارش تو متواتر موسلا دھار برستی ہے)۔

مولانا ابی محمد طاہر سیف الدین کے ہاں اس مضمون کا رنگ اور ہی طرح کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

نیلہ للعباد کالبحر طام
جودہ للعفاۃ کالغیث ھام

(آپ کی عطا خدا کے بندوں کے لئے سمندر کی طرح موجزن ہے، آپ کی سخا طلب گاروں کے لیے بارش کی طرح برستی ہے)۔

عشاقان نعت گویان و نعوت داناں کو علامہ ابن جوزی اپنے قصیدہ "المیلاد النبوی لمحدث ابن الجوزی" میں درس محبت رسولؐ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یامولدا قد حوی عزا و اقبالا یوصف یبلغ العشاق امالا

(اے وہ ذات جو عزت و اقبال کو حاوی ہے۔ جن کی نعت گوئی سے عشاق امیدوں کو پہنچتے ہیں۔

یا مدعی الحب فیہ فھو ذو جمالہ، وفی ھو الا جفا اھلا" و اطلالا

(اے محبت کے دعوئ دار یہی ذات تو محبت کے لائق ہے۔ دنیاوی محبت میں مبتلا ہو کر گھر بار چھوڑ کر کیوں ظلم کرتا ہے)۔

ان کنت تعشقہ، مت فی محبتہ فھولہ، القلب مشتاق و الالا

(اگر تجھے حضور سے عشق ہے تو ان کی محبت میں فنا ہو جا۔ کیونکہ عاشق کا دل مشتاق ہوتا ہے ورنہ نہیں)۔

ایاک والعدل فی الکون یشبہ، قدفاق فی الحسن اشکالا و اشالا

(خبردار انصاف کر! جہاں میں کون ان کا مشابہ ہے۔ بلا شبہ وہ ہر حسین شکل و صورت پر فائق ہیں)۔

عشق و حمد اور نعت و حب کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جس جس طرح سے دین اسلام پھیلتا جاتا ہے اس اس طرح سے یہ فن بھی اپنے شباب کو پاتا ہے، معراج کو چھوتا ہے، عروج پر جاتا ہے۔ ہر شاعر اپنے پاکیزہ تخیل سے ایک نیا شگوفہ کھلاتا ہے۔ کوئی گل ہائے عقیدت کو محبت کی ٹہنی پر سجاتا ہے تو کوئی ذرۂ خاک پا کو اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے، کوئی چشم تر سے دُرِ گہربار بہاتا ہے تو کوئی لب لعلین پر مصرع نعت سجاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت آپؐ کے عم حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب کے صداقت سے پُر اس شعر میں ہے۔

وعوضت دینا" لا محالتہ انہ،
من خیر ادیان البریتہ دینا"

(اور آپ نے وہ دین عطا کیا جو یقیناً" دنیا کے بہترین ادیان میں سے ہے)۔

جناب ابو طالب کا یہ شعر اس آیت کریمہ کی بہترین تفسیر ہے۔ اللہ رب ذوالجلال فرماتا ہے۔

ان الدین عند اللّٰہ الاسلام (پ ۳ سورۂ آل عمران)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

سورۂ آل عمران میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا" فلن یقبل منہ وھو فی الاُخرۃ من الخٰسرین ۝

ترجمہ:۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا یا پسند کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔

قرآن کریم کے اس بیان کو امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنھم اپنے انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قرآنہ برھاننا نسخا لادیان مضیت

اذجاء نا احکامہ کل الصحف صار العدم

(ان کا لایا ہوا قرآن ہی ہماری برھان ہے جس نے تمام گذشتہ ادیان کو منسوخ کر دیا۔ اس قرآن کے احکام جب آئے تو تمام صحیفے معدوم ہو گئے)۔

یہ شعر قرآن کریم کی اس آیت کا بھی مکمل ترجمان ہے۔

ماننسخ من آیات اوننسھانأت بخیر منھا اومثلھا (پ ا' سورۃ البقرۃ)

ترجمہ :۔ جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مہدی ظہیر کا ایک شعر۔

قرآن ہے وہ برہان ہے وہ جو ناطق ادیان ہے

حکم اس کا نافذ ہوا تھے سب صحیفے کالعدم

صاحب قصیدۃ البردہ علامہ ابو عبداللہ محمد بن سعید بو صیریؒ اس آیت کریمہ کی روشنی میں فرماتے ہیں۔

محکمات فمایبقین من شبہٍ

لذی شقاق ولا یبغین من حکمٍ

(آیات الٰہیہ خود حاکم اور ایسا فیصلہ کرنی والی ہیں کہ اختلاف کرنے والوں کے لئے کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑتیں نہ ان کے فیصلے میں کسی منصف کی حاجت رہتی ہے۔)

صاحب شارح قصیدۃ البردہ علامہ ابو الحسنات محمد احمد قادری علیہ الرحمہ "طیب الوردہ" میں فرماتے ہیں۔ "بے شک قرآن کریم کسی زائد حکم وضوح قوانین کے لئے محتاج نہیں بلکہ تمام احکام و قوانین اور قواعد و ضوابط اس سے ماخوذ ہیں اور اب کوئی ایسی شئے نہیں جو قرآن پر غالب آسکے' تمام کتب و ادیان اس کے بعد کالعدم اور منسوخ ہو گئے"۔

بلاشبہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ الثناء کی نعت و منقبت' وصف و خصائص کا احاطہ کوئی بشر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کی نھایت یہ ہے کہ بس۔ بقول سیدہ عائشہ باعونیہ شامی کے۔

مدحت مجدک و اخلاص ملتزمی
فیہ وحسن امتداحی فیک مختتمی

(میں نے خلوص کے ساتھ تیری عظمت کی 'مدح کی' اور میری نہایت یہی ہے کہ میں تیری اچھی طرح مدح کرتی رہوں)

میں اپنی اس کج مج تحریر کو شاعر ثناء خوان رسولؐ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

ما ان مدحت محمد بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

(میں حضورؐ کی منقبت اپنے مقالے میں نہیں کرتا بلکہ حضور کے نام کی برکت سے اپنے مقالہ کو مقبول بنا رہا ہوں)۔

اس شعر کی تفسیر کسی شاعر عجم نے کیا خوب بیان کی ہے۔

کہاں طاقت بشر کو مدحِ مصطفےٰ ٹہرے
مدحِ ذات پاک احمدی جب خود خدا ٹہرے

وما علینا الا البلاغ

○

نعت خوانی کے آداب اور اصلاح احوال و متعلقات

پروفیسر افضال احمد انور

یہ بات طے شدہ ہے کہ "نعت" حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت محمود کو کہتے ہیں۔ خداوند کریم کا حضور پر نورؐ سے محبت کرنا، حضورؐ کی خاطر بزم کن فیکون کو سجانا اور اپنے جملہ ملائکہ کے ساتھ حضورؐ پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہنا نعت ہے۔ (۱) کائنات کا ذرہ ذرہ حضورؐ کی نعت کا مظہر ہے۔ کوئی انسان بظاہر نعت پڑھے نہ پڑھے، سنے نہ سنے، نعت کا سرمدی آفاقی اور غیر فانی عمل، حیات و کائنات میں جاری و ساری رہتا ہے۔ نعت کا یہ عمل بھی خدا کی حمد کی طرح ازل سے ابد تک محیط ہے۔ ناتمام کائنات میں ابھرنے والی دمادم کی ہر صدا حمد کا ترانہ ہے اور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ظہور پذیر ہونے والا ہر وجود نعت کا مصرع ہے۔ نعت خدا کی رضا، سید کونینؐ کی خوشنودی، ایمان کی تازگی، روح کی بالیدگی، قلب و نظر کی پاکیزگی، دنیا کی کامرانی اور آخرت کی کامیابی کا مستند ذریعہ ہے۔ نعت سے عشق کی تعمیر، عقل کی تزئین اور جذبات کی تطہیر و تنظیم ہوتی ہے۔ نعت زندگی کا نکھار بھی ہے اور معیار بھی۔ نعت اسلوب زیست بھی ہے اور مدار زیست بھی۔ نعت، اخلاق عالیہ کی تبلیغ کا ذریعہ بھی ہے اور مساوات و حمیت کے نظام عدل کی ترویج کا سبب بھی۔ نعت جزو ایمان بھی ہے نعت طرز عبادت بھی ہے، نعت عقیدت کا ترانہ بھی ہے اور نجات کا پروانہ بھی، کیونکہ یہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے اور بے پایاں لگاؤ کا نام ہے۔ چونکہ نعت کا تعلق صدق نیت سے بھی ہے اور تشکیل کردار سے بھی لہٰذا نعت کے مظاہر ان گنت ہیں انہی بے شمار مظاہر میں سے ایک منظوم نعت بھی ہے۔ شاعری کے سانچے میں ڈھلنے کے باعث یہ ادب کا حصہ بھی ہے اور موضوع کے اعتبار سے ورائے ادب روحانی حقیقت بھی۔ عقیدت کی منظوم صورت کو نعت گوئی کہا جاتا ہے اور نعت کی صوت و لحن کے ساتھ پیشکش نعت خوانی کہلاتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ نعت سوچنا، نعت کہنا، نعت سنانا اور نعت سننا سب ایمانی سالمے کے وہ بنیادی ذرات ہیں جو اپنے مرکزے یعنی محبت رسولؐ کے گرد گھومتے ہیں۔

نعت گوئی اور نعت خوانی اگرچہ ایمان و عقیدت کے ایک ہی منظر کے دو پر تو ہیں لیکن ان میں واضح فرق بھی ہے۔

امید ملتانی (محمد نواز حسینی انصاری) کے نزدیک:

> نعت خواں، دوسرے شاعر کے کلام کے ذریعہ اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کرتا ہے، جبکہ نعت گو خود اپنے کلام کے ذریعے اپنے جذبات و احساسات کو

بیان کرتا ہے۔ خوش الحانی، مجلسی پہلو، سے نعت کے اثر کو بڑھاتی ہے۔ (۲)

بدر فاروقی کے بقول:

"نعت گوئی میں شاعر کی فکر کام کرتی ہے اور نعت خوانی میں لہجہ اور ترنم کو زیادہ دخل ہے۔" (۳)

صابر' براری کراچی یوں کہتے ہیں:

"نعت گو اضاف سخن اور فن سے واقف ہوتا ہے مگر نعت خواں' فن اور فن شاعری سے واقف نہیں ہوتا۔" (۴)

(راقم الحروف کے نزدیک صابر' براری کا یہ کہنا کہ نعت خواں فن اور فن شاعری سے ناواقف ہوتا ہے محل نظر ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی نعت خواں فن شاعری سے واقف نہ ہو لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ فن نعت خوانی سے بھی نابلد ہو ورنہ وہ نعت خواں ہی نہیں کچھ نعت خواں شاعر بھی ہوتے ہیں اور نعت گو بھی وہ دونوں فن جانتے ہیں مثلاً "اعظم چشتی مرحوم بہزاد لکھنوی' محمد علی ظہوری قصوری' صبیح رحمانی' عزیز الدین خاکی' عبدالستار نیازی ادیب رائے پوری وغیرہ۔

پروفیسر محمد ایوب رضوی کے نزدیک:

"نعت گوئی کا تعلق جذبے سے ہے جبکہ نعت خوانی کا تعلق آواز کے زیر و بم سے ہے۔" (۵)

(راقم کے نزدیک رضوی صاحب کے مندرجہ بالا بیان کا دوسرا حصہ تشنہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نعت کا تعلق آواز کے زیر و بم سے ہے لیکن جذبے کے ساتھ بھی ہے۔ جذبہ نہ ہو تو یہ زیر و بم' نعت کا لحن نہیں بنتا۔ جذبہ عشق رسالت مآب نعت گو اور نعت خواں دونوں کا مشترکہ سرمایہ ہے)

پروفیسر عارف رضا کے بقول:

"نعت گوئی کے ساتھ حسن صوت کی نعمت کا عطا ہونا سونے پر سہاگے والی بات ہے۔ ترنم کے ساتھ پڑھنے سے نعت میں جذب و انہماک بڑھ جاتا ہے اور سامعین پر بھی رقت طاری ہوتی ہے۔" (۶)

نعت کے ممتاز محقق' ماہنامہ نعت کے مدیر راجا رشید محمود' یوں رقم طراز ہیں۔

"نعت گوئی' نعت گوئی ہے اور نعت خوانی' نعت خوانی۔ ایک تخلیق ہے دوسری ترنم۔ نعت گوئی بنیادی کام ہے اور نعت خوانی' فروغ نعت کا اہم ذریعہ.... نعت کہنا سنت خداوندی ہے نعت پڑھنا سنت صحابہ ہے اور نعت سننا' سنت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔" (۷)

وحید الحسن ہاشمی کے نزدیک:

"نعت نگاری ساز ہے اور نعت خوانی سر۔ اگر نعت ہی نہ ہو، تو نعت خواں پڑھیں گے کیا؟" (۸)

پروفیسر عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

"نعت گوئی میں نعت دل سے چل کر زبان کی سطح پر طلوع ہوتی ہے۔ نعت خوانی میں نعت زبان سے چل کر دل کی سطح پر نزول کرتی ہے۔" (۹)

طفیل ہوشیار پوری کے بقول:

"نعت گو اپنی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور نعت خواں اپنی عقیدت میں غرق۔ دونوں کے اپنے اپنے احوال ہیں۔" (۱۰)

پروفیسر محمد خاں کلیم کے نزدیک:

"یہ دونوں مقامات ایک دوسرے سے الگ ہیں ان کے تقاضے اور فیوض بھی جدا ہیں۔" (۱۱)

مندرجہ بالا بیانات سے نعت گوئی اور نعت خوانی کا فرق بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ اگرچہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایمان و عقیدت کے ایک ہی آسمان کے شمس و قمر ہیں، لیکن بلحاظ تحریر و تقدیم دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ نعت گوئی شاعر کا کام ہے جس کا تعلق تخلیقی جذبوں سے ہے اور نعت خوانی صاحب لحن و ترنم کا کام ہے جس کا تعلق تبلیغی جذبوں سے ہے۔ نعت گو نعت لکھتا ہے نعت خواں خاص لحن سے سناتا ہے۔ خوش قسمت ہے جسے ان دونوں میں سے کوئی ایک سعادت نصیب ہوگئی اور خوش قسمت تر ہے وہ، جو ان دونوں نعمتوں سے سرفراز کیا گیا۔ نعت گو اور نعت خواں دونوں ایک دوسرے کے لیے ممد و معاون اور لازم و ملزوم ہیں کیونکہ بقول اخلاق عاطف:

"نعت گو، لفظوں کے پھول کھلاتا ہے اور نعت خواں ان کی خوشبو دور و نزدیک پھیلاتا ہے۔" (۱۲)

بعض احباب نے نعت خوانی پر نعت گوئی کو ترجیح دی ہے۔ چند آرا کا مطالعہ مفید مطلب ہوگا۔ پروفیسر انور مسعود گجراتی لکھتے ہیں:

"نعت گو کی حیثیت بنیادی ہے اور نعت خواں پر اولیت رکھتی ہے۔" (۱۳)

اسی طرح وحید الحسن ہاشمی کے نزدیک بھی:

"نعت گوئی کا مرتبہ نعت خوانی سے بلند ہے۔" (۱۴)

حنیف اسعدی کا فرمان ہے:

"نعت خوانی، نعت کے ابلاغ کا ذریعہ ہے۔ اصل شے نعت ہے۔" (۱۵)

حقیقت بھی یہی ہے کہ چونکہ تشکیل و تخلیق میں نعت گوئی کو اولیت حاصل ہے اور نعت خواں لازما"

نعت گو کی کہی ہوئی نعت پڑھتا ہے (خواہ وہ نعت خواں، خود نعت گو بھی کیوں نہ ہو، اس کا تخلیقی عمل نقش اول اور مجلسی وابلاغی عمل نقش دوم ہی کہلائے گا) لہٰذا اگر نعت گوئی نہ ہو تو نعت خوانی نہیں ہو سکتی۔

کراچی کے شوکت الہ آبادی نے اپنے انداز میں لیکن ایک دوسرے زاویہ سے نعت گوئی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے نزدیک۔

> "کلام میں اگر کوئی عروضی سقم ہو، کوئی حرف دبتا ہو، بحر سے خارج ہو تو یہ سقم ترنم کے سحر میں گم ہو جاتا ہے اور سامعین عموماً" اس کی طرف توجہ نہیں کرپاتے۔" (۱۶)

(لیکن دیکھا جائے تو یہ دلیل زیادہ قوی نہیں کیونکہ کسی عیب کو چھپالینا، عیب نہیں خوبی ہے۔ دوسرے نعت خواں ترنم کے کیسے ہی جادو کیوں نہ جگالے عروض و تقطیع کے واقف سامعین سے اصل صورت حال چھپ نہیں سکتی۔ لہٰذا ان کا یہ خیال کے تحت اللفظ کی نعت گوئی میں عروضی سقم نمایاں ہو جاتے ہیں اور اصل حقیقت چھپتی نہیں نعت گوئی کی عظمت پر دال نہیں، ویسے بھی مذکورہ بالا سقم شاعری کی جھولی میں ڈالا جائے گا نہ کہ نعت خواں کے ذمے)۔ نعت گوئی کی عظمت زیادہ کھل کر معروف شاعر صہبا اختر نے بیان کی ہے:

> "وہ نعت خوانی ہو یا نعت گوئی، ذکر رسولؐ بہرحال ایک عبادت ہے تاہم میں اصل اہمیت نعت گوئی کو دیتا ہوں۔ نعت خواں کو اس کے گلے یا ترنم کی داد تو دی جاسکتی ہے، شعر کی نہیں۔ اچھی آواز یا ترنم کی داد تو سب حاصل کر لیتے ہیں..... یہ سب کچھ ظاہری ساعتوں کے لیے ہے۔ باطن میں گردش کرنے والی آواز بے آواز ہوتی ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ سچی، کھنکتی، گونجتی، گنگناتی شاعری ایک ایسے نغمہ ریز آبشار کی طرح ہوتی ہے جسے کسی اضافی نغمگی کی ضرورت نہیں۔ لفظ تو خود آہنگ سے لبریز ہوتے ہیں۔" (۱۷)

(صہبا اختر کا یہ بیان قابل غور ہے۔ بے شک الفاظ باطنی آہنگ سے لبریز ہوتے ہیں لیکن نعت خواں اسی باطنی آہنگ کو ظاہر کا جامہ پہناتا ہے۔ اضافی نغمگی سے کلام کا اثر دو آتشہ ہو جاتا ہے لہٰذا لے اور لحن کی جادوگری کو محض "اضافی نغمگی" کہہ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔)

تابش دہلوی کا قول بھی قابل ملاحظہ ہے:

> "نعت گوئی میں شاعر کی اپنی ذات تمام توانائیوں کے ساتھ شامل ہوتی ہے اور روح کی بالیدگی کو جو لذت دیتی ہے وہ نعت خواں کو میسر نہیں۔" (۱۸)

اگرچہ نعت گوئی اور نعت خوانی دونوں سعادت کی چیزیں ہیں لیکن بقول ماجد صدیقی:

> "نعت گوئی زیادہ بڑی سعادت ہے۔" (۱۹)

نعت گوئی کی اولیت، افضلیت اور مرکزیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنے حدود و قیود میں نعت خوانی بھی عظیم نعمت اور سعادت ہے۔ نعت خوانی محض گائیکی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔ نعت خوانی کی محفل میں بعض کیفیتیں، بعض ساعتیں ایسی آتی ہیں کہ برسوں کی عبادت سے بھی شاید حاصل نہ ہوں۔ نعت گوئی سے دلوں کا جالا اتر جاتا ہے جذبہ عشق نکھر جاتا ہے روح کے ساز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سر مچلنے لگتے ہیں نعت خوانی کے ساتھ ایک خاص وجدانی کیفیت وابستہ ہوتی ہے جس سے نعت کے اثر میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ بقول عبدالغنی تائب:

"بعض اوقات ایک نعت خواں کی جادو بھری آواز کا زیر و بم سننے والے کو نور و نکہت کی ان روح پرور وادیوں میں لے جاتا ہے جہاں تجلیات الٰہیہ کی بارشیں پیہم ہوتی رہتی ہیں اور انسان کے ایمان و ایقان کو مستحکم کرنے کے ساتھ اس کی فکری و نظری اور قلبی و روحانی قوتوں کو جلا بخشتی ہیں۔" (۲۰)

اگر نعت خواں کامل آداب کے ساتھ، ڈوب کر نعت سنا رہا ہو اور فیوض و برکات کی بارش بھی ہو رہی ہو تو کلام کی ایسی معنویت بھی سامنے آتی ہے جو عام حالات میں نہیں آتی بقول مرزا عبداللطیف:

"ایسے موقع پر نعت گو بھی موجود ہو تو اس وقت اسے اپنی نعت کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔" (۲۱)

شاید یہی سبب ہے کہ بہت سے نعت گو شعرا نے، جو نعت کے لحن سے محروم ہیں، نعت خوانی کی سعادت کی شدید تمنا کا بھی اظہار کیا ہے۔ مثلاً "محبت خاں بنگش لکھتے ہیں:

"میں آج تک نعت خوانی کی سعادت سے بھی محروم ہوں اور ترنم سے بھی۔ اور اس لحاظ سے بھی میں اپنے آپ کو بد قسمت سمجھتا ہوں اور یہ کمی مجھے بری طرح کھٹکتی ہے جس پر میں شدت سے سوچتا اور کڑھتا ہوں کہ کاش مجھے بھی نعت خوانی کی سعادت حاصل ہوتی۔" (۲۲)

پروفیسر محمد اکرم رضا کا کہنا ہے:

"جب کسی ممتاز نعت خواں کو خوش الحانی کے ساتھ دوسروں کا نعتیہ کلام پڑھتے اور محبان رسولؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے پھوٹتے دیکھتا ہوں تو بے اختیار یہ احساس ابھرتا ہے کہ کاش یہ لحن، یہ ترنم میرے جذبوں کا غماز بن کر میرے باطن سے ابھرتا۔" (۲۳)

نعت خوانی کا اصل مقصد حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ بے پایاں اور سچی محبت کا عملی اظہار ہے، جیسا کہ حکیم کرم نواز صابری نے لکھا ہے:

"نعت خوانی کا پہلا اور آخری مقصد پس پردہ کار فرما تمام سوچیں اور بنے ہوئے

تمام نظریات کا خلاصہ بس یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار کیا جائے۔" (۲۴)

راقم الحروف کے خیال میں نعت خوانی کا مقصد یہی نہیں کہ نعت خواں کے حب رسولؐ کا اظہار ہو، بے شک یہ مقصد بھی ہے لیکن یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ سامعین میں بھی یہی جذبہ بیدار ہو چونکہ نعت خوانی کا تعلق حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاؤ کے اظہار اور عشق حضورؐ کی ترویج و ترقی کے ساتھ ہے لہٰذا اس کے بے شمار ظاہری و باطنی فوائد ہیں۔ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ نعت خود خالق کائنات نے کہی ہے لہٰذا نعت یا نعتیہ عمل کا ہر ایک پہلو (نعت کہنا، نعت سنانا، نعت سننا، نعت کی محفل کا انتظام کرنا، نعت گو اور نعت خواں کی عزت کرنا وغیرہ) خدائے بزرگ و برتر کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے۔

نعت چونکہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مرغوب ہے اور آپؐ نے اپنے صحابہ سے نعتیں سن کر نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ ان پر عطاؤں کی بھی بارشیں فرمائیں لہٰذا نعت خوانی آج بھی رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چونکہ نعت خوانی آغاز ہی سے مسلم ثقافت کا حصہ رہی ہے لہٰذا آج بھی نعت خوانی معاشرے کی تطہیر کا باعث بنتی ہے۔ فلم، وی۔ سی۔ آر اور پاپ میوزک کے اس دور میں جب نوجوان نعت خوانی کی محافل میں آتے ہیں تو ان کے دلوں میں عشق پیغمبرؐ کی لو اور تیز ہو جاتی ہے۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے سامنے مجازی محبوبوں کی ذرا حیثیت نہیں رہتی، یوں ان میں وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ زندگی بدل کے رہ جاتی ہے۔ صرف نوجوان ہی نہیں، نعت خوانی کی محافل کے جملہ شرکاء ان فیوض و برکات سے متمتع ہوتے ہیں جو ایسی محافل سے وابستہ ہوتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھتی ہے۔ حضورؐ کی زیارت کا شوق تیز ہو جاتا ہے۔ اپنے گناہوں سے نفرت اور آئندہ اطاعت نبی میں زندگی بسر کرنے کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ در نبیؐ پر حاضری کی آرزو شدید ہو جاتی ہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مرنے، جنت البقیع میں دفن ہونے اور جنت الفردوس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی و ابدی رفاقت پانے کی تمنا ہر آرزو پر غالب آنے لگتی ہے۔ یوں تزکیہ نفس ہوتا ہے، اصلاح باطن ہوتی ہے زندگی میں ایک نیا موڑ آتا ہے اور نعت کے محبین کی دنیا و آخرت سنورنے لگتی ہے۔ اس طرح نعت خوانی تبلیغ کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ بقول ملک غلام محمد:

"نعت خوانی ایک عظیم ذریعہ تبلیغ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی تبلیغ کارگر نہیں ہے۔" (۲۵)

نعت خوانی مادہ پرستی، لادینیت، نفسا نفسی، بے راہ روی اور لامرکزیت کے خلاف موثر ہتھیار بھی ہے نعت خوانی کی عطائیں دیکھنا ہوں تو ان سے پوچھیے جن کی زندگیاں بدل گئیں، جن کے مقدر سنور گئے

جنہیں دین و دنیا کی سب کامیابیاں مل گئیں۔ ملک کے معروف نعت خواں سید منظور الکونین رقم طراز ہیں:

"...بخدا ہر روز فجر سے قبل میں حضورؐ کی بارگاہ میں ہوتا ہوں۔ وہ میری سنتے ہیں مدارات فرماتے ہیں۔ جب نوازشات کا سلسلہ اس طرح سے جاری ہو تو پھر میں کیوں شور مچاؤں۔ میں گناہ گار اور سیاہ کار تھا' بے نمازی تھا' بے وضو رہا کرتا تھا' بے سلیقہ تھا' بے ہنر تھا۔ مجھے نور عطا ہوا' میں پابند صوم و صلوٰۃ ہوا۔ میں ظاہر باطن کا پاک اور صاف ہوا۔ مجھے سلیقہ اور ہنر عطا ہوا۔ مجھے دنیا ملی۔ عقبیٰ ملی۔ عبادت میں لذت ملی' وظائف میں مداومت نصیب ہوئی۔ میں کیا عرض کروں مجھے بقدر ظرف میری اوقات سے سوا عطا ہوا...." (۲۶)

یہاں حضرت سید شبیر علی شاہ صاحب' سجادہ نشین چورہ شریف کا یہ فرمان بھی حرز جاں بنا لینے کے قابل ہے۔

"بڑے بڑے وظائف سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی' جو نعت خوانی کی محفل کے ذریعہ نصیب ہو جاتی ہے۔ بالخصوص حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اکثر ذریعہ نعت خوانی ہی بنتا ہے۔" (۲۷)

حقیقت یہ ہے کہ نعت خوانی کے جملہ فوائد احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے' ذاتی اصلاح سے لے کر معاشرے کی بہبود تک' محبت و مساوات کی ترویج سے لے کر دنیا بھر میں صلح' خیر اور آشتی کے قیام تک' نعت خوانی مؤثر ذریعہ ہے۔ روحانی فیوض و برکات تو اس سے بھی سوا ہیں۔

جیسے ہر شخص کو نعت لکھنے کا حق حاصل ہے لیکن ہر شخص نعت گو ہوتا نہیں' اسی طرح ہر شخص اپنے گلے کے مطابق نعت پڑھ سکتا ہے لیکن ہر شخص نعت خواں ہوتا نہیں۔ جیسے نعت گوئی کے اپنے آداب و اوصاف ہیں' بالکل اسی طرح نعت خوانی کے بھی اپنے خاص آداب و ضوابط ہیں۔ ضروری ہے کہ ایک حقیقی نعت خواں کی ایسی صفات کا تعین کیا جائے' جن سے وہ غیر نعت خوانوں سے منفرد و ممتاز نظر آئے۔ ایسی بعض اہم صفات درج ہیں۔

۱۔ نعت خواں کو اسلامی کردار کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر ایک نعت خواں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سیرت مبارکہ سے متعلق اشعار سنا رہا ہو (جن میں آپؐ کی سچائی' دیانت' بہادری' حلم' عفو و درگزر' سخاوت وغیرہ کا ذکر ہو) جبکہ یہ نعت خواں (بدقسمتی سے) ہر معاملے میں بددیانت' جھوٹا اور سخت گیر ہو تو اس کے نامناسب کردار کے باعث اس کی نعت خوانی کماحقہ' اثر پیدا نہیں کرے گی۔ ویسے بھی محبت کا دعوی دار اگر اپنے محبوب کی نافرمانی کرے' اس کے راستے پر نہ چلے' اس کی پسند اور ناپسند کو اپنی پسند اور ناپسند قرار نہ دے تو وہ اپنے دعوی میں جھوٹا قرار پائے گا۔ اس لیے ہر نعت خواں کے لیے

باکردار ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی صورت میں اس کا قال اس کے حال کی مطابقت کرے گا۔ اپنے قال وحال میں اخلاق محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا' یوں تو نعت گو کے لیے بھی ضروری ہے لیکن نعت خواں کے لیے تو اشد ضروری ہے کیونکہ نعت خواں محافل و مجالس میں کثیر لوگوں کے سامنے بذات خود ہوتا ہے اور لوگ اسے سنتے ہی نہیں براہ راست جانچتے بھی ہیں لہٰذا نعت خواں کا نماز روزہ کا پابند ہونا اور معاملات حیات میں صالحیت کا حامل ہونا ضروری ہے۔ بقول نذیر حسین نظامی:

"عقیدت کے حوالے سے نعت خواں کو سب سے پہلے شریعت مطہرہ کا پابند ہونا چاہیے اور وہ جو شعر پڑھے' ان کو وارد وجود کرتا چلا جائے۔" (۲۸)

اپنے عظیم منصب اور دعوی غلامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نعت خواں کے لیے لازم ہے کہ وہ چھوٹی بڑی برائیوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے تاکہ اس کا کردار مجموعی طور پر عامتہ المسلمین کے لیے پرکشش اور قابل تقلید ہو اور لوگ قلبی رغبت کے ساتھ اس کی طرف مائل ہوں یہ فروغ نعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مجموعی طور پر بقول لیاقت حسین گیلانی:

"نعت پڑھتے وقت یوں محسوس ہو جیسے نعت خواں' نعت کے سانچے میں ڈھل گیا ہو۔" (۲۹)

۲ ۔ اسے قرآن وحدیث کا ضروری علم ہو۔ سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالعہ کا پسندیدہ ترین موضوع ہو' مسائل فقہ سے بھی واجبی واقفیت ضروری ہے اگرچہ نعت خواں ناخواندہ بھی ہو سکتا ہے لیکن کسی کتاب سے نعت پڑھنے' ذوق کے مطابق نعت منتخب کرنے اور اپنی ڈائری میں اسے درج کرنے سے قاصر ہوتا ہے لہٰذا بنیادی تعلیم اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ علم' حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور سیرت مطہرہ پر عمل کے امتزاج ہی سے کوئی نعت خواں' نعت خواں بنتا ہے۔ اردو نعت کے اولین محقق سید رفیع الدین اشفاق رقم طراز ہیں۔

"(نعت خوانی) عشق و محبت کی داستان نہیں ہے' جس کے راگ کو جس نے جیسا چاہا الاپ لیا...... حقیقت محمدی' کو سمجھ کر ان کے مرتبہ کا بیان علم' عقل' بصیرت اور شاعرانہ صلاحیت چاہتا ہے۔" (۳۰)

اس حقیقت کے اعتراف کے بغیر بھی چارہ نہیں کہ نعت خواں کے لیے طبعی ذوق' بلند کرداری' عشق سرکار مدینہ" عجز و ادب اور نعتیہ لحن وغیرہ ہی ضروری ہیں علم اضافی خوبی ہے۔

۳ ۔ نعت خواں کے لیے نعت کے مخصوص لحن کا حامل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا پانی کے لیے تر ہونا۔ اس کے بغیر کوئی نعت خواں' نعت خواں نہیں بن سکتا۔ واضح رہے نعتیہ لحن کا تعلق موسیقی کے کسی مخصوص خاندان سے نہیں۔ غزلیں سنانے کا عام ترنم بھی یہاں کام نہیں دیتا۔ قوالی کا انداز یا فلمی گانوں کا سُر لے بھی یہاں کارگر نہیں۔ جس طرح قرآن مجید کو موسیقی کے راگوں یا عام ترنم سے نہیں پڑھا

جا سکتا بلکہ اس کے لیے قرآن مجید کا اپنا خاص نظام قرات موجود ہے بالکل اسی طرح نعت خوانی کا بھی اپنا نظام ہے جو نہ تو موسیقی ہے نہ ترنم نہ قوالی وغیرہ۔ منصور تابش کے بقول:

"موسیقی یا گائیکی کا تعلق نعت خوانی سے قطعاً" نہیں ہے۔ نعت گائی نہیں جاتی اور جن لوگوں نے نعت گانے کی کوشش کی ہے انہوں نے نعت کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" (۳۱)

وہ شعرائے کرام جو شاعرانہ ترنم کے ساتھ نعت پڑھتے ہیں وہ دراصل نعت خواں نہیں بلکہ نعت گو ہیں۔ ایسے اکثر شاعر خود کو نعت خواں کہتے بھی نہیں۔ مثلاً "معروف نعت گو شاعر مظفر وارثی (جن کا ترنم محتاج تعارف نہیں) لکھتے ہیں۔

"(میں نعت) ترنم سے پڑھتا ہوں' نعت خوانی نہیں کرتا۔ نعت خواں غیر شاعر ہوتا ہے۔" (۳۲)

طفیل ہوشیار پوری مرحوم جس طرح ڈوب کر کے ترنم کے ساتھ نعت سناتے تھے' وہ کسے یاد نہیں۔ وہ بھی یہی لکھتے ہیں:

"میں نعت ہمیشہ ترنم سے عرض کرتا ہوں۔ میں یہاں بھی نعت گو ہی ہوتا ہوں۔ نعت خواں نہیں۔" (۳۳)

یہاں دونوں بزرگ شعراء کی صدق بیانی قابل داد ہے البتہ مظفر وارثی کا یہ کہنا کہ "نعت خواں غیر شاعر ہوتا ہے' محل نظر ہے۔ نعت خواں شاعر بھی ہو سکتا ہے اور غیر شاعر بھی۔ جواں سال شاعر سید صبیح الدین رحمانی اور عزیز الدین خاکی کراچی کے معروف نعت خواں ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ سید منظور الکونین کے نعت خواں ہونے میں کسے شک ہے؟ وہ نعت گو بھی ہیں۔ اسی طرح ادیب رائے پوری۔ قمر الدین احمد انجم' ریاض الدین سہروردی' خالد محمود' حافظ مستقیم' عبدالستار نیازی' محمد علی ظہوری قصوری' محمد اعظم چشتی مرحوم و مغفور وغیرہ کتنے نام ہیں جو اس خیال کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

نعت خوانی کے لیے گلے کے خاص خداداد ملکہ کو موسیقی یا ترنم تو نہیں کہا جا سکتا اس کے لیے نعتیہ لحن کی ترکیب مناسب ہے۔ اس کا اپنا نظام ہے البتہ فن موسیقی سے واقف کار اس فن کو بہتر انداز میں سیکھ سکتا ہے۔ یہ فن خداداد ہے مگر کسی بزرگ نعت خواں سے سیکھا بھی جا سکتا ہے بشرطیکہ خدا نے نعت خوانی کی فطری صلاحیت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ دل میں پہلے سے رکھ دیا ہو۔ محمد ثناء اللہ بٹ لکھتے ہیں:

"فنی لحاظ سے نعت خواں کو صوتی نشیب و فراز سے اگر مکمل طور پر نہیں تو کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ ضرور ہونی چاہیے۔ آوازیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک سریلی اور دوسری رسیلی۔

سریلی آوازوہ ہے جو آواز کے زیروبم سے آشنا ہو کر نکالی جائے۔ رسیلی آوازوہ ہے جس میں رس ہو' مٹھاس ہو۔

ان دونوں آوازوں کے علیحدہ علیحدہ اثرات مرتب ہوتے ہیں' مگر جب ان دونوں آوازوں کا اکٹھ ہو جائے تو سامعین مسحور ہو جاتے ہیں۔" (۳۴)

یہ سریلی اور رسیلی آوازیں نعت کے لحن میں اس وقت ڈھلتی ہیں جب نعت خواں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ عقیدت رکھے بلکہ بقول منصور تابش:

"عقیدت سب سے پہلے صاحب نعت سے ہونی چاہیے پھر نعت سے اور پھر نعت کے الفاظ سے۔" (۳۵)

ظاہر ہے کہ نعت کے ہر لفظ سے دلی عقیدت ہی آواز میں مٹھاس اور کشش پیدا کرے گی۔ یوں نعت خواں اس غنائیت سے آشنا ہو گا جس کا اشارہ عاصی کرنالی نے کیا ہے:

"نعت خوانی کا تعلق صوت ولحن سے ہے' جس کی ادائی میں غنائیت کا شعور منعکس ہوتا ہے۔ پورے شعر کو اور اس کے اجزائے لفظی کو آہنگ کے تلازمات کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے' اور اظہار وادا کی خوش سلیقگی اثر آفرینی کا سامان بنتی ہے۔" (۳۶)

۴ ۔ نعت خواں کے لحن میں سوز وگداز ہونا چاہیے۔ یہ سوز وگداز رقیق القلبی کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ زبان کی مٹھاس' لہجے کی نرمی' دل میں سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تڑپ روح میں عشق سرکارؐ کی جلوہ سامانی ایسے عناصر ہیں جو نعت خواں پر رقت طاری کر دیتے ہیں نتیجتہً "اس کے لحن میں وہ سوز وگداز پیدا ہوتا ہے کہ خود سننے والے بھی نہ صرف یہ کہ عام زندگی میں نرم دل اور پاک باز ہو جاتے ہیں بلکہ نعت سنتے ہوئے ان کی آنکھوں میں ساون کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں' یاد محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تڑپائے رکھتی ہے اور ذکر حبیب کے علاوہ کوئی چیز ان کے دل کو سکون نہیں پہنچاتی۔

۵ ۔ نعت خواں کے لیے نعت کے ہر معاملے میں ذہنی انتخاب سے کام لینا ضروری ہے۔ یہ انتخاب نعت خوانی کا تقاضا بھی ہے اور نعت خواں کا امتحان بھی۔ یہ انتخاب کئی امور پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

۱ نعتیہ کلام کے انتخاب میں انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے۔ مثلاً "ایسا کلام نہ سنایا جائے جو کسی "خاص" آدمی کی فرمائش پر تو مشتمل ہو لیکن در حقیقت نعتیہ کلام نہ ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی دوسرے بزرگ' پیر بلکہ مجازی محبوب سے منسوب ہو۔ بقول سید رفیق عزیزی:

"نعت کسی نے بھی کہی ہو' کیسی بھی کہی ہو' نعت پھر بھی نعت ہے بشرطیکہ اس کا ہر شعر اگر مجرداً پڑھا جائے تو صرف اور صرف سرکار دو عالم علیہ التحیۃ والثناء کی شان میں ہی معلوم ہو اور اسے پڑھ کر یا سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے علاوہ دنیا کی کوئی بھی شخصیت سخن فہمی کی اسکرین پر نظر نہ آنے پائے۔" (۳۷)

ب ایسے اشعار کا انتخاب کیا جائے جن میں عشق رسولؐ بھی ہو اور ادب و احترام بھی انتہائی درجے کا ہو۔ جن میں حضورؐ کے منافی شان کوئی مضمون، کوئی استعارہ کوئی تشبیہ بلکہ کوئی لفظ بھی ہو تو اسے نعت خوانی کے لیے منتخب نہ کیا جائے۔ ورنہ بے ادبی کا قصوروار اس نعت کے لکھنے والے کے علاوہ یہ پڑھنے والا بلکہ ایسی نعت سن کر واہ واہ، مرحبا مرحبا کہنے والا ہر شخص بھی ہو گا۔

ج ایسے اشعار کا انتخاب نہ کیا جائے جن میں حضور ختمی مرتبت کو عامیانہ انداز اور عمومی الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیارے نبی ہیں رسول محترم ہیں، ماں باپ، اولاد بلکہ دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر محبوب ہیں، اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں لہٰذا انہیں عام انداز و عامیانہ الفاظ سے کیسے بلایا جاسکتا ہے۔ اللہ کریم نے قرآن مجید میں اپنے محبوب کو ان کے اسم ذاتی کے ساتھ "یا محمد" صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہہ کر کہیں مخاطب نہیں کیا بلکہ آپؐ کے لیے بہتر سے بہتر القاب پسند فرمائے۔ ہمیں بھی اس سے نور ہدایت حاصل کرنا چاہیے۔ حضورؐ کو یار، ڈھول وغیرہ کہنا ادب کے منافی ہے۔ اسی طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو "تو، تم، تجھ، تیرا، تیری، تیرے، تجھے وغیرہ صیغوں سے بلانا درست نہیں۔ الحمد للہ! اب یہ بات ایک تحریک کی شکل میں آگے پھیل رہی ہے۔ بہت سے شاعر تو، تم وغیرہ کے بجائے "آپ" استعمال کرنے لگے ہیں۔ ایسی نعتوں (جن میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تم نہ کہا گیا ہو بلکہ "آپ" کے صیغے سے مخاطب کیا گیا ہو) پر مشتمل نعتیہ مجموعے شائع ہونے لگے ہیں۔ پہلے ادوار کے بزرگ (جیسے علامہ اقبالؒ، پیر مہر علی شاہؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ، مولانا حسرت موہانیؒ وغیرہ) مجذوبان رسول مقبول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا عشق رسول کسی شک و شبہ سے بالا تر ہے، ان کا معاملہ دیگر ہے۔ ہمیں بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تم کہہ کر مخاطب کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ بقول راقم الحروف:

بلائیں "آپ" کو "تو" "تم" سے، کب مناسب ہے؟
ادب کے لفظ ہی لائیں تو نعت ہوتی ہے

د نعت خوانی کے لیے ایسے اشعار کا قطعاً "قطعاً" انتخاب نہ کیا جائے، جن میں نعوذ باللہ، محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے الوہی القاب و صفات استعمال ہوئی ہوں۔ بعض غلط فہم تو اپنے پیر صاحب کی منقبت لکھیں تو اسے خدا تک کہہ دیتے ہیں ایسے لوگ اگر نعت لکھیں تو کیا کچھ نہیں کہہ جاتے۔ ایسی نعت دراصل نعت ہے ہی نہیں۔ ہمارے پیارے آقا نہ خدا ہیں نہ خدا کے شریک بلکہ وہ خدا کے حبیبؐ ہیں۔ وہ شان عبدہ سے متصف ہیں اس ذات پر نور پر بشریت کو ناز ہے لہٰذا نعت خوان کو بھی ایسے اشعار ہی منتخب کرنے چاہئیں جن میں نہ تو آپؐ کو مقام الوہیت سے متصف کیا گیا ہو اور نہ جن میں کوئی مصرع

آپؐ کے منافی شان ہو۔

۵۔ نعت خواں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نعت خوانی کے لیے مناسب سامعین اور مناسب موقع محل کا انتخاب بھی کرے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے دیکھے وہیں (بعض مفادات کی خاطر) نعت پڑھنا شروع کر دی۔ آج کل بسوں، گاڑیوں وغیرہ میں پیشہ ور بھکاریوں نے بھی نعت خوانی کو بھیک مانگنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ ایسے انتخاب میں پہلے نمبر پر جگہ کا پاک صاف ہونا ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ مقام شور شرابے، گالی گلوچ، فحش گوئی اور سوقیانہ پن سے منزہ ہو اور خوب پر سکون ہو۔ وہاں کے سامعین نعت سننے کے مشتاق ہوں، دولت حب نبیؐ رکھتے ہوں اور نعت سننے کے آداب سے آگاہ ہوں تیسرے نمبر پر نعت خواں کسی بے چینی، بے قراری یا شدید دنیاوی ضرورت سے دوچار نہ ہو بلکہ کامل آرام اور سکون کے ساتھ نعت سنا سکتا ہو اور اس کی طبیعت بھی نعت خوانی پر مائل ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ "نعت کا انتخاب موقع / موضوع کے لحاظ سے کرے" (۳۸)

مثلاً" میلاد شریف، معراج شریف وغیرہ مواقع کی مناسبت سے متعلقہ موقع کے مناسب حال نعتیہ اشعار منتخب کرے۔ پس سامعین چھچھورے، جگت باز نہ ہوں، جگہ پاک اور پر سکون ہو، نعت خوان کی طبیعت از خود نعت خوانی پر مائل ہو اور کلام موقع کی مناسبت سے منتخب کیا گیا ہو۔

۶۔ نعت خواں کے لیے حسن تصور بہت ضروری ہے۔ نعت خوانی کے دوران میں اس کے مدنظر یہ تصور رہنا چاہیے کہ وہ دنیا جہان کے مادی و اقتصادی مفادات سے دور محض خدا اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے ثناء خوانی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہا ہے اور یہ کہ آقا حضورؐ اسے براہ راست دیکھ رہے ہیں اور اس کی نعت خوانی کو سماعت فرما رہے ہیں۔ اس تصور کے بغیر نعت خوانی میں کشش پیدا ہوگی نہ نعت خواں میں روح عقیدت، نہ آواز میں سوز پیدا ہوگا نہ کلام میں تاثر۔ حسن عقیدت کی معراج تو یہ ہے کہ نعت پڑھتے ہوئے خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہو اور براہ راست آقا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سنا رہا ہو۔ اگر یہ سعادت حاصل نہ ہو تو یہ تصور ہی کرے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود سن اور دیکھ رہے ہیں اور بقول محبوب احمد ہمدانی:

> "نعت پڑھتے ہوئے تصور میں گنبد خضرا اور روضۂ انور کی جالیوں کا نقشہ سامنے ہونا چاہیے۔" (۳۹)

توشہ آخرت، ذریعہ نجات اور طرز عبادت سمجھ کر پڑھی گئی نعت ہی اثر انگیز، اشک ریز اور عطر بیز ہوتی ہے۔ ساری توجہ اور سارا اہتمام اس خیال کے گرد گھومنا چاہیے کہ۔

> "سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میری پڑھی ہوئی نعت کا ایک شعر بھی حضورؐ نے قبول فرمالیا تو میری اور میرے گھر والوں کی بخشش ہو جائے گی۔" (۴۰)

اس تصور کو محض ایک مفروضہ کے طور پر ارتکازِ خیال کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے نہ اپنائے بلکہ اسے حقیقت سمجھے اور ایمان کی نشانی جانے کیونکہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حقیقی زندگی کے ساتھ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اپنی امت کے احوال پر شاہد ہیں۔ اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف بھی نہیں۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"بے چندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر۔" (۴۱)

ترجمہ: اس کے باوجود کہ علمائے امت میں اختلافات بھی ہوتے ہیں (اسی لیے) امت کے بہت سارے مذاہب ہیں لیکن اس مسئلہ میں کسی ایک بھی عالم دین کو اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حقیقی زندگی کے ساتھ دائم اور باقی ہیں اور اس (حقیقت) میں نہ تو مجاز کا شائبہ ہے اور نہ تاویل کا کوئی شائبہ ہے بلکہ تاویل کا وہم بھی نہیں۔ آپؐ اپنی امت کے اعمال پر حاضر ناظر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ قرآن مجید کی بعض آیات سے کماحقہٗ ثابت ہے مثلاً

ا یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا (۴۲)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبیؐ) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر۔" (۴۳)

تفاسیر میں شاہد کا معنی گواہ بھی لکھا ہے اور حاضر و موجود بھی۔ ظاہر ہے اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ گواہ صرف وہ ہوتا ہے جو موقع پر موجود ہو دیکھ اور سن رہا ہو۔ حضرت شیخ اسماعیل حق رقم طراز ہیں:

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت سے شاہد ہوئے لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مشاہدہ فرمانے والے ہیں ہر اس چیز کا جو عدم سے وجود میں آئی۔ آپؐ مشاہدہ فرمانے والے ہیں ارواح و نفوس کے اجرام و ارکان کے اجسام و اجساد کے معدنیات و نباتات کے مشاہدہ فرمانے والے ہیں حیوانات کے، ملائکہ کے، جنوں کے اور شیطانوں کے، انسانوں کے اور ساری خدائی کے تاکہ اسرار و افعال اور عجائب و غرائب قدرت سے کوئی چیز جس کا ادراک مخلوق کے لیے ممکن ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہ رہے اور یہ مشاہدہ اس شان کا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا ـــــ کوئی چیز آپ سے ایک لحظہ کے لیے بھی غائب نہیں۔" (۴۴)

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے لفظ شاھدا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ترجمہ : ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول بیان کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپؐ کے سامنے نہ لایا جاتا ہو۔ آپؐ اپنی امت کو ان کے چہروں (یا خصوصی علامات) سے پہچانتے ہیں۔" (۴۵)

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپؐ کی جملہ صفات خاص عطائے رب قدیر ہیں۔ چونکہ آپؐ کا ہر کمال بھی عطائی ہے لہذا کہیں شرک کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اپنی امت کے احوال مشاہدہ فرمانے کا امر اس حدیث شریف سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے۔

ترجمہ : سیدنا ابوامامہ باہلی صحابی رضی اللہ عنہ ' نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ جب میرا وصال ہو گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ہر درود پڑھنے والے کا درود سنائے گا' حالانکہ میں مدینہ منورہ میں ہوں گا اور میری امت مشرق و مغرب میں ہوگی۔ اے ابوامامہ! اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو میری قبر مبارک میں کردے گا اور میں خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق کو دیکھوں گا اور سنوں گا۔" (۴۶)

ب النبی اولی بالمومنین من انفسھم (۴۷)

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ اس آیت کے ضمن میں مولوی محمد قاسم نانوتوی رقم طراز ہیں:

"یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہوا۔" (۴۸)

ج وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (۴۹)

ترجمہ : "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔" (۵۰)

اس آیت کی تفسیر میں عبدالکریم جیلی نے لکھا ہے:

ترجمہ : "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحم کرنے کے ساتھ متحقق اس لیے ہیں کہ حضورؐ کا وجود مبارک تمام موجودات میں ساری ہے کیونکہ وہ تمام جہانوں کے لیے حیوتی ہیں اور دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا فرمایا ہے لہذا انہوں نے تمام کائنات میں یوں سریان فرمایا ہے جیسے ہر زندہ میں حیات جاری و ساری ہے۔" (۵۱)

اللہ کریم نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ شرف بھی عطا کیا ہے کہ آپ بعد وفات جب چاہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا ارشاد گرامی ہے۔

ترجمہ : "ان تمام دلائل اور احادیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم پاک اور روح پاک کے ساتھ زندہ ہیں اور ملک و ملکوت زمین و آسمان میں جہاں چاہیں سیر فرمائیں اور جہاں چاہیں تصرف فرمائیں اور ان کی یہ حیات مبارکہ اسی ظاہری زندگی مبارکہ جیسی ہے جیسے قبل وصال تھی۔ اس میں کچھ بھی تبدیلی نہیں آئی۔" (۵۲)

جیسے اللہ کے فرشتے زمین پر ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے اسی طرح حضورؐ بھی ہمیں چشم ظاہر سے نظر نہیں آتے لیکن یہ ہماری کور نظری ہے۔ آنکھ والوں کو وہ آج بھی اب بھی باقاعدہ نظر آتے ہیں۔ مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی نے "روح البیان" کے حاشیہ میں یہ ایمان پرور واقعہ تحریر کیا ہے۔

"ایک مرتبہ حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمتہ میلاد شریف پڑھ رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی شریک تھے۔ حاجی صاحب سنتے سنتے ایک دم کھڑے ہو گئے اور سب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد حاجی صاحب سے سامعین نے پوچھا "حضرت! میلاد شریف سنتے سنتے کیوں کھڑے ہو گئے تھے جبکہ قیام کا ذکر بھی نہیں آیا تھا؟" آپ نے فرمایا کہ آپ نے نہیں دیکھا، میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرے ذوق و شوق اور محبت رسول نے فوراً کھڑے ہو کر درود سلام پڑھنے پر مجبور کیا۔" (۵۳)

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جو مغل شہنشاہ جہانگیر کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا مفتی محمد امین نے یوں کیا ہے۔

سلطان جہانگیر نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز سے عرض کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہو گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ذات ہیں۔ تو حضورؐ ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں؟ سیدنا امام ربانیؒ نے فرمایا، اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں لیکن دعوت ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہو۔ اس فرمائش پر جہانگیر نے امام ربانی کی دعوت کی۔ وقت مقررہ پر سیدنا امام ربانی نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی اور رات کو اسی کے ہاں قیام فرمایا۔ صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلایا اور پوچھا تو فرداً فرداً سب نے اقرار کیا کہ امام ربانی نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھایا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ حیران ہوا۔ سیدنا امام ربانی نے فرمایا۔ اے بادشاہ! میں تو سید دو عالم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھر بیک وقت موجود ہو کر کھانا کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیوں ہر قبر میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے؟" (۵۴)

اس سے یہ اشکال دور ہو جانا چاہیے کہ ایک ہی رات ہزاروں جگہ نعت خوانی ہو رہی ہو تو آقا حضور کسی ایک ہی جگہ تشریف لا سکتے ہیں یا سب مقامات پر جلوہ افروز ہو سکتے ہیں۔ آقا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات کا احاطہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم کے تصدق، حضورؐ کے بعض غلاموں کو یہ مقام و شان عطا کیا ہوا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کے خواب میں آئیں تو یہ سرکار کی آمد دیکھ لیتے ہیں۔ قصیدہ بردہ کا یہ واقعہ معروف ہے کہ فالج کی بیماری سے تنگ آکر جب حضرت شرف الدین محمد بوصیریؒ نے بغرض استمداد نعتیہ قصیدہ "بردہ شریف" لکھا تو رات کو حضرت طبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے خواب میں وہ قصیدہ سنانے کا حکم دیا اور قصیدہ سن کر بے حد خوش ہوئے آپؐ نے امام بوصیری کے مفلوج جسم پر اپنا دست شفقت و شفا پھیرا تو فالج جاتا رہا پھر آپ نے انہیں اپنی چادر عطا فرمائی۔ صبح بیدار ہوئے تو شفائے کاملہ مل چکی تھی اور خواب والی چادر بچ سرہانے پڑی تھی۔ شیخ بوصیری علی الصباح اپنے گھر سے فرحان و شاداں نکلے تو راستے میں شیخ ابوالرجاء الصدیقؒ ملے جو اپنے وقت کے قطب الاقطاب تھے۔ انہوں نے امام بوصیری سے فرمایا اپنا نعتیہ قصیدہ تو سناؤ۔ امام بوصیریؒ نے جواب دیا۔ میں نے تو بہت سے نعتیہ قصیدے لکھے ہیں آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔ قطب الاقطاب نے فرمایا وہ قصیدہ جو امن تذکر جیران بذی سلم سے شروع ہوتا ہے۔ امام بوصیری نے حیرت سے کہا کہ اے ابوالرجا! یہ آپ نے کہاں سے سنا، میں نے تو یہ لوگوں کو سنایا ہی نہیں اس کا تو صرف مجھے علم ہے۔ ابوالرجاءؒ نے فرمایا، اے بوصیری! میں نے یہ قصیدہ گذشتہ رات اس وقت سنا، جب تم دربار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قصیدہ کو سن کر اظہار پسندیدگی فرما رہے تھے۔ (۵۵)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ پیر پیراں، کرسی پر وعظ فرما رہے تھے۔ دس ہزار آدمی وعظ میں حاضر تھے۔ آپ کی کرسی کے ایک پائے کے قریب حضرت شیخ علی بن ہیتی بیٹھے ہوئے تھے جو وعظ سنتے سنتے سو گئے، اچانک حضرت شیخ عبدالقادر نے لوگوں سے فرمایا کہ چپ ہو جاؤ۔ سارا مجمع خاموش ہو گیا۔ یہاں تک کہ سانس کے علاوہ کوئی آواز نہ رہی۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کرسی سے نیچے اتر آئے اور شیخ علی بن ہیتی کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے، اور ان کی طرف دیکھتے رہے۔ جب شیخ علی بن ہیتی جاگے تو آپؒ نے پوچھا، آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسی لیے میں نے ادب اختیار کیا۔ اور سامنے بیٹھ گیا۔ حضورؐ نے تجھے میری مجلس میں بیٹھنے کی وصیت کی ہے۔ شیخ علی بن ہیتی نے کہا کہ میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا شیخ عبدالقادر جیلانی نے بیداری میں دیکھ لیا۔ (۵۶)

پس ثابت ہوتا ہے کہ سرکارِ مدینہ کا نظر آنا یا نہ نظر آنا دیکھنے والے کی بینائی پر منحصر ہے سرکار خود سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اسی عقیدہ و حسن تصور کو ذہن میں بٹھا کر نعت خوان کو نعت شریف سنانی چاہیے۔

۷ ۔ مندرجہ بالا حسن تصور کا لازمی خاصہ ہے کہ نعت خواں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اپنی حاضری پیش کرتا ہے تو اسے کمال درجہ عجز و ادب سے کام لینا چاہیے اور حضور خلاصہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے ذکر کا بے حد احترام کرنا چاہیے۔ ذاتِ رسولؐ اور ذکرِ رسولؐ کی تعظیم حقیقی کے بغیر نعت خوانی محض گلوکاری ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وتعزروہ وتوقروہ (۵۷)

ترجمہ : "اور رسولؐ کی تعظیم و توقیر کرو۔" (۵۸)

اس آیت میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی تحریر کرتے ہیں۔

"جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں گزار دے سب بیکار و مردود ہے........ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدار ایمان و مدار نجات و مدار قبول اعمال (ہے)۔" (۵۹)

قاضی عیاضؒ نے تعظیم مصطفیٰؐ کو محبت کی پہچان قرار دیا ہے۔

ومن علاماتہ مع کثرۃ ذکرہ تعظیمہ و توقیرہ عند ذکرہ واظہار الخشوع والانکسار مع سماع اسمہ (۶۰)

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ جب ان کا ذکر کیا جائے اس کی تعظیم و توقیر کی جائے اور ان کا اسم مبارک سن کر عاجزی اور انکسار ظاہر کیا جائے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا ہے:

"بارگاہ رسالت مقام ادب ہے اور جس طرح اس کا احترام ہمارے ایمان کا خاصہ ہے اسی طرح نعتیہ مضامین کے اظہار اور پیش کش میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام نہ صرف ضروری بلکہ لازمہ فن ہے۔ یہاں موضوع یا طرز ادا میں کسی قسم کی بے باکی نہ صرف یہ کہ خطاکاری ہے بلکہ نا قابل معافی گناہ بھی ہے۔ بقول عزت بخاری۔

ادب گہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا (۶۱)

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نے اسے اصل ایمان قرار دیا ہے۔

"ایمان حضورؐ کی تعظیم و محبت کا نام ہے۔" (۶۲)

نعت خوانی کی محفل میں کسی بھی قسم کا لطیفہ، ہنسی مذاق، جگت بازی، یا وہ گوئی، لاف زنی، غرور و کبر سخت منع ہے۔

۸ ۔ نعت خواں، چونکہ ثناء خوانی کے وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ہے لہٰذا اسے خوب پاک صاف ہونا چاہیے۔ اس کا جسم ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو۔ باوضو ہو، لباس پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو، خیالات پاک ہوں القصہ اسے نفاست و نظافت کا پیکر ہونا چاہیے۔ علامہ اقبال کی اصطلاح میں اسے پاک دل و پاک باز ہونا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ اس نے قیمتی پوشاک زیب تن کر رکھی ہو ضروری یہ ہے کہ اس کا سارا لباس اسلامی وضع کا ہو، صاف ستھرا ہو اور پاک ہو اس نے ایسی غذا یا دوانہ کھائی ہوئی ہو جس کے باعث اس کا تنفس بو آمیز ہو کر دوسروں کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو جیسے ہینگ، پیاز وغیرہ۔ منہ کی صفائی کے لیے وہ لونگ یا الائچی خورد کا دانہ چبالے تو بہتر ہے۔ اسی طرح مناسب خوشبو کا استعمال بھی مفید رہ سکتا ہے۔ خوشبو نہ تو اتنی تیز ہو کہ ساتھیوں کو زکام ہو جائے یا نزلہ شروع ہو جائے اور نہ اتنی ہلکی کہ پتا ہی نہ چلے بلکہ معتدل و مناسب ہونی چاہیے جیسے گلاب اور موتیے کا عطر وغیرہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پیاری تھی۔ رب کریم نے آپؐ کے جسم اطہر کو کون و مکاں کی سب سے زیادہ خوشبودار تخلیق بنایا تھا۔ صحابہ آپ کا پسینہ مبارک بیٹیوں کی شادی کے لیے محفوظ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزر جاتے وہ مہک اٹھتا اور صحابہ محض خوشبو سے جان لیتے کہ ہمارے پیارے آقا کس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ (۶۳) یہ پیاری مہک حضورؐ کے جسم اطہر کا خاصہ تھی، آپ خوشبو بھی استعمال کرتے تھے لیکن اللہ کریم نے آقائے دو جہاں کا ظاہر و باطن ایسا معطر بنایا تھا کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی پس پاکیزہ خوشبو کو ہمارے آقا حضورؐ سے طبعی مناسبت ہے اسی لیے ان کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرنے والے ثناء خواں کو بھی معطر معطر ہونا چاہیے بلکہ تمام سامعین کو بھی۔ نفاست و نظافت اور نزہت و نکہت میں رچے بسے ہونے کے باوجود کہیں یہ گمان پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اب میں ثناء خوانی کے قابل ہو گیا ہوں بلکہ ان کی بارگاہ میں اس شعر کا مصداق بنے رہنا چاہیے۔

هزار بار بشویم دہن، ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن، کمال بے ادبی ست

نعت خواں کو صحابہ کی یہ کیفیت یاد رکھنی چاہیے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد حضورؐ کا ذکر کرتے ہوئے ان پر طاری ہو جاتی تھی۔ یعنی "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کرتے ہوئے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور خشیت طاری ہو جاتی تھی اور بعض زار و قطار روتے تھے۔" (۶۴)

۹ ۔ اکل حلال مسلمان کی بنیادی پہچان ہے۔ رزق حرام کھایا ہو حرام کی آمدنی سے لباس خرید کر پہنا ہوا ہو تو کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ترجمہ : "جنت میں وہ بدن داخل نہیں ہوگا جو حرام (رزق) کے ساتھ پرورش کیا گیا۔" (۶۵)

رزق حرام صرف گندگی ہے اور نبی طاہر و مطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو کب گوارا ہو سکتا ہے کہ ان کا ثنا خواں حرام کھائے۔ لہٰذا نعت خواں کو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ رزق حرام سے ہمیشہ بچنا چاہیے یہ نہ ہو کہ لب پر نعت اور پیٹ میں رزق حرام ہو' یوں تو رزق حلال ہر مسلمان کے لیے ازبسکہ ضروری ہے لیکن نعت خواں کے مقام و منصب کے پیش نظر اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

۱۰ ۔ نعت خواں کو وسیع الظرف ہونا چاہیے۔ حق کے قبول کرنے کے لیے اس کا دل ہمیشہ آمادہ رہنا چاہیے چنانچہ اگر نعت خوانی کے دوران میں سر محفل کوئی بزرگ کسی غلط مضمون یا لفظ کی تصحیح کرے اور اس میں وہ حق بجانب ہو' تو نعت خواں کو فوراً" اصلاح کر لینی چاہیے۔ جھوٹی انا کے پیش نظر منہ سے نکل چکے پر' اڑنا نہیں چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث شریف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

حضرت کعب بن زہیرؓ اپنی سابقہ بیباکیوں پر نادم ہو کر' اسلام قبول کرنے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگنے مدینہ شریف پہنچے تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرمایا اور بیعت کر کے مسلمان کیا۔ اس موقع پر حضرت کعبؓ نے اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سنایا۔ سب ذوق و شوق اور فرحت و انبساط کے ساتھ سن رہے تھے۔ جب کعب نے یہ شعر پڑھا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ
مھند من سیوف الھند مسلول

(بے شک اللہ کے رسول' ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور
وہ بے نیام ہندی شمشیر کی مانند ہیں)

تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً" تصحیح کی اور کعبؓ سے فرمایا سیوف الہند کے بجائے سیوف اللہ کہو۔ حضرت کعبؓ نے اشارہ پالیا اور اس شعر کو دوبارہ اس طرح پڑھا جیسے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمائی تھی یعنی

مھند من سیوف اللہ مسلول تو حضور صاحب جود و کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے ساتھ اپنی یمنی چادر مبارک حضرت کعبؓ کو عطا فرمائی۔ (۶۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح سے شعر کا مضمون مبنی بر حقیقت ہو گیا اور اس کی معنویت' تاثیر

اور مقبولیت میں بے حد و شمار اضافہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے نعت خوانوں کو بھی درس لینا چاہیے اور مبنی برحق اصلاح کو فوراً" قبول کر لینا چاہیے اگرچہ شعر کے خالق نے وہ کیسے بھی کہا ہو' مثلاً" اگر کوئی نعت خواں پڑھے ع "حضور یار ہیں میرے" اور کوئی عاشق رسول کہہ اٹھے "حضور میرے آقا ہیں" پڑھو تو نعت خوان کو مان لینا چاہیے اگرچہ اس سے شعر کے وزن' قافیہ' ردیف میں بھی فرق پڑتا ہو کہ نعت میں اصل چیز مضمون ہے' لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر کہ و مہ نعت خواں کو بے جواز ٹوکتا پھرے اور محفل کو خراب کرے۔ اصلاح کرنے والے کا صاحب علم و عشق ہونا ضروری ہے۔

۱۱۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اسم مبارک "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم تحریر و تقریر میں جہاں بھی آئے' پڑھنے سننے والے پر درود شریف پڑھنے کی جزا اور نہ پڑھنے کی وعید پر بہت سی کتابیں ملتی ہیں۔ اردو زبان میں آب کوثر (مفتی محمد امین صاحب) درود سلام (راجا رشید محمود صاحب) اور فیضان سنت (مولانا الیاس عطار قادری) جیسی کتابیں بھی موجود ہیں اور اکثر نعت خواں حضرات درود سلام کے فیوض و برکات سے واقف بھی نہیں لہٰذا نعت خوانی کے دوران میں اسم پاک "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے اور سنتے ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا چاہیے کہ ایسا نہ کرنا بخیلی' بدبختی' تباہی اور محرومی ہے۔ نعت خواں پر یہ تخصیص اس لیے ضروری ہے کہ اس کے پڑھنے سے سامعین میں سے جو کوئی درود پڑھنا بھول گیا ہے وہ بھی پڑھنے لگے گا یوں نعت خواں کو دوہرا ثواب ہو گا۔ اگر مصرع کے بیچ میں درود شریف پڑھنے سے لحن ٹوٹتا ہو تو شعر مکمل کر کے بھی درود شریف پڑھا جا سکتا ہے۔ بعض نعت خواں شوق قافیہ پیمائی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذاتی بار بار لیتے ہیں مثلاً "مختار ہیں محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)' "غم خوار ہیں محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)' "سردار ہیں محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)' "شہکار ہیں محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)' "بیدار ہیں محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)...... یونہی قافیہ آرائی کی ترنگ میں ایک دفعہ بھی درود شریف پڑھے بغیر پچاس پچاس بار سرکار ابد قرار کا ذاتی اسم گرامی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتے ہیں اور سامعین بھی الا ماشاء اللہ درود شریف پڑھے بغیر بڑی حیرت سے ان کی تیزی سے چلتی ہوئی زبان اور قافیوں کی جھنکار ہی میں کھوئے رہتے ہیں' درود شریف کا کسی کو ہوش نہیں رہتا۔ یہ امر کتنا تکلیف دہ ہے۔ محمد ثناء اللہ بٹ کس کرب کے ساتھ لکھتے ہیں:

> "....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام نامی یعنی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) بار بار کسی نعت پاک میں لینا' میری عقیدت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ سننے والے کبھی بھی آپ کا ذاتی اسم سن کر درود پاک کا ورد نہیں کرتے

سبھی نہیں مگر اکثریت ایسی ہی ہے۔" (۶۷)

۱۲ ۔ ایک بحث یہ بھی ہے کہ کیا نعت خواں کو اپنے سامعین کا خیال رکھنا چاہیے؟ اور اگر یہ خیال رکھنا مناسب ہے تو کن کن امور میں سامعین کا خیال رکھنا ہوگا۔ مثلاً "موضوع' وقت' زبان کا انتخاب وغیرہ اس سلسلے میں نعت خوانوں کے دو گروہ ہیں:

پہلے گروہ کا خیال ہے کہ نعت خواں کو اپنے سامعین کا خیال نہیں رکھنا چاہیے جیسا کہ محمد ثناء اللہ بٹ لکھتے ہیں:

"میں نعت پاک پڑھتے ہوئے سامعین کی کسی ضرورت کو پیش نظر نہیں رکھتا۔
میرے پیش نظر خوشنودی و رضا جوئی خدا و رسول خدا ہوتی ہے۔" (۶۸)

سید منظور الکونین نے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

"میرا فن نعت' شعر و شاعری' موسیقی' پیشکش کا انداز منفرد ہے میں سامع کو اپنے معیار اور ذوق کی سطح پر لا کر نعت سناتا ہوں۔ سامع کی سطح پر جا کر نہیں سناتا۔ میرے دل میں چراغ عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے' جسے اپنا چراغ جلانا ہو' وہ میرے قریب آئے اور لو سے لو ملا لے۔ میرے دل میں اگر یہ سمائی ہے کہ جامی کی زبان سے آقاؐ کے شہر کی آرزو بیان ہو تو کوئی مائی کا لال مجھے میاں محمد بخش سیف الملوک سنانے کے لیے نہیں کہہ سکتا۔" (۶۹)

دوسرے گروہ کا عندیہ ہے کہ سامعین کا خیال رکھنا چاہیے جیسا کہ محمد نذیر سیالوی نے تحریر کیا ہے۔

"سامعین کی ضرورت کا خیال رکھنا نعت خواں اور محافل نعت کے منتظمین پر برابر فرض ہے۔" (۷۰)

محمد ارشد اقبال کا کہنا ہے۔

"سامعین و حاضرین کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔" (۷۱)

بقول حافظ مشتاق احمد:

"محافل کی نوعیت' سامعین کے ذوق اور استعداد کے مطابق ہی کلام کا انتخاب کیا جانا چاہیے تاکہ سننے والوں کو فہم تک رسائی ہو سکے۔" (۷۲)

غور کیا جائے تو دوسرے گروہ کا نقطہ نظر زیادہ جامع' مبنی بر حقیقت اور قرین انصاف ہے۔ سامعین کی اکثریت کی زبان' ذہنی استعداد' پسندیدہ موضوع' موقع کی مناسبت وغیرہ کا نعت خواں کو ضرور لحاظ رکھنا

چاہیے۔ نعت گوئی ایک نجی اور ذاتی عمل ہو سکتا ہے جبکہ نعت خوانی ایک مجلسی بلکہ اجتماعی عمل ہے۔ مجمع میں ہر ذوق کا آدمی ہو سکتا ہے تاہم غالب اکثریت کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر مولانا احمد رضا خاں بریلوی" کے یوم وصال پر لوگ صرف انہی کی نعتیں سننا پسند کریں تو دوسرے کی نعت شروع کرنے سے مجمع میں جو انتشار اور بے چینی پھیلے گی اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اسی طرح میلاد شریف کے موقع پر اس موضوع کا انتخاب ہی نعت خوانی کے لیے بہتر رہ سکتا ہے۔ ملک غلام محمد نے کیا خوب بات کی ہے:

> "نعت پڑھتے وقت دو چیزوں کا خیال رکھتا ہوں ایک یہ کہ اتنی لمبی نعت نہ ہو جس سے مجمع اکتا جائے اور نعت مجمع کی سمجھ کے مطابق پڑھی جائے تاکہ کم فہم اور کم علم لوگ استفادہ اٹھا سکیں۔" (۷۳)

اختر حسین قریشی نے مزید کھل کر کہا ہے۔

> "نعت کی ان محفلوں میں جہاں زیادہ تعداد کم پڑھے لکھے لوگوں کی ہو' ان کی فرمائش یا مزاج کے مطابق سادہ اور عام فہم الفاظ پر مبنی نعتیں پڑھتا ہوں۔ اسی طرح جہاں خواص کا مجمع ہو اور لکھے پڑھے لوگ زیادہ ہوں' وہاں علمی اور محاکاتی الفاظ اور صنائع بدائع سے پر ایسی نعتیں پڑھتا ہوں جن میں فکر کی بلندی' خیال کی ندرت اور تاثیر آفرینی زیادہ سے زیادہ ہو...... میں ہر قسم کے اجتماع میں وہاں کے سامعین کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے نعت گو شعراء کا معیاری کلام ہی پڑھتا ہوں۔" (۷۴)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب سامعین اکتا جائیں یا مختلف حیلوں بہانوں سے بیزاری کا واضح اظہار شروع کر دیں تو نعت خواں کو فوراً ہٹ جانا چاہیے۔ بعض نعت خواں ایسے مواقع پر مائیک نہیں چھوڑتے اور لوگوں کو گنہگار کرتے ہیں' بہرحال ایک اچھے نعت خواں کو سامعین کا ہر لحاظ سے خیال رکھنا چاہیے۔

نعت خوانی کے اہم آداب کے بعد ضروری ہے کہ موجودہ دور میں نعت خوانی کی محافل میں مشاہدہ میں آنے والی بعض قباحتوں کا بھی ذکر کر دیا جائے جن میں سے اکثر کا تعلق نعت خواں حضرات کے ایسے گروہ سے ہے جو نعت خوانی کے آداب کا کماحقہ' لحاظ نہیں رکھتے۔ یہاں یہ وضاحت بے حد ضروری ہے کہ۔

۱ جن قباحتوں کراہتوں اور خامیوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے سب کی سب لازماً" ہر نعت خواں میں قطعاً" نہیں پائی جاتیں' البتہ ان میں سے بعض یا کوئی ایک آدھ کسی نعت خواں میں پائی جا سکتی ہے جس کی اصلاح کی طرف اسے توجہ دینی چاہیے۔

ب ہمارا مقصد صرف اور صرف فروغ نعت اور ترویج عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے اسی لیے کسی خامی کے ضمن میں کسی کا نام نہیں لیا جارہا۔ خلوص نیت اور جذبہ اصلاح ان بدنمائیوں کی چہرہ کشائی پر مجبور ہے۔ اس کا مقصود کسی ثنا خوان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تذلیل' دل آزاری یا شماتت نہیں۔ محافل نعت کے منتظمین' معتمد و نقیب حضرات' اکثر سامعین بلکہ نعت خواں حضرات خود بھی ان خامیوں کو جانتے ہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ایسی جملہ خامیوں کی اس خلوص و محبت سے اصلاح ہو جائے کہ نعت خوانی صرف خالص نعت خوانی رہ جائے۔ ایسی خالص نعت خوانی کا مقصد اللہ و رسولؐ کی خوشنودی' جذبہ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج اور تبلیغ ایمان ہوتا ہے۔ یہی مقصد اصل ہے باقی سب فروعات ہیں۔

۱ ۔ موجودہ نعت خوانی کے ضمن میں سب سے بڑی قباحت بعض نعت خوانوں کا پیشہ ور ہونا ہے۔ ایسے نعت خواں' نعت کی محفلوں میں ثناء خوانی کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتے چونکہ قدرت کی طرف سے گلا اچھا مل گیا ہے لہٰذا وہ اس ساز سے نعت کے سر نکال کر زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنا چاہتے ہیں۔ اس کے مظاہر کئی طرح سے دیکھنے میں آتے ہیں۔

ا کسی محفل نعت میں شرکت کی دعوت دی جائے تو بغیر کسی جھجک یا شرم و حیا کے وہ معاوضہ طے کرتے ہیں۔ معاوضے کا تعین نعت خواں کی مقبولیت' خوش گلوئی اور شہرت کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اگر وہ نعت خواں ریڈیو' ٹی وی آرٹسٹ بھی ہے تو اس کی "مارکیٹ ویلیو" میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ نعت خواں کسی خانقاہ' آستانے یا پیر خانے کا "درباری" بھی ہے تو پھر کوئی کسر نہیں رہ جاتی۔ یہ معاملہ ہزاروں روپوں میں طے ہوتا ہے۔ اگر پیسے کم کرائے جائیں تو وہ صاف کہتے ہیں "صاحب! ہمارا کوئی مقام مرتبہ ہے' اس کے مطابق بات کریں اتنے...... سے کم میں تو میں نے آج تک پڑھا ہی نہیں" وغیرہ وغیرہ۔ بعض نعت خوانوں نے اس "بک بک" سے بچنے کے لیے اپنے سیکریٹری رکھے ہوتے ہیں جو معاملہ "طے" کرتے ہیں۔ نعت خواں چھوٹی عمر کا ہو تو اس کا والد گرامی طے کرتا ہے۔ "ٹک مکا" ہونے کے بعد نعت خواں اپنے گھر سے مقام محفل تک آنے جانے کا کرایہ بھی مانگتا ہے۔ ذاتی کار ہو تو خرچہ پٹرول مع کار چارج طلب کیے جاتے ہیں۔ اور آخری "شق" کے طور پر یہ بھی "منوالیا جاتا" ہے کہ سامعین و حاضرین جو نذرانہ دیں گے وہ بھی نعت خواں کو ملے گا اور اس میں کسی قسم کی کٹوتی کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد باقاعدہ ایڈوانس لیا جاتا ہے۔

ب بعض نعت خواں ایک ہی تاریخ اور وقت کے لیے کئی کئی جگہوں پر "بک" ہو جاتے ہیں اور

پر کسی ایک ہی شہر میں جاتے ہیں۔ باقی شہروں کے منتظمین ''مسکین الطبع'' ہوں تو شرکت نہ کرنے کی وجہ بھی نہیں بتائی جاتی۔ ''شریف الطبع'' ہوں تو جلسے کی تاریخ گزر جانے کے بعد پیچش' ہیضہ' سردرد' بخار' انجائنا وغیرہ کا بہانہ بنا کر معذرت کرلی جاتی ہے اور اگر شتر کینہ والے اور شریر الطبع ہوں تو کرایہ اور ایڈوانس واپس کردیا جاتا ہے۔ کئی محفلوں میں بہ یک وقت بک ہونے کے بعد کسی ایک جگہ جانے کا انتخاب بھی وہاں کے مالی مفادات' سامعین کے اسٹینس اور آئندہ کے لیے امکانات کے روشن تر ہونے کی بناء پر کیا جاتا ہے۔

ج اگر سامعین و حاضرین نوٹ کم نچھاور کر رہے ہوں یا بالکل نہ کر رہے ہوں تو لہجے میں بد دلی آجاتی ہے اور ایک آدھ نعت کے بعد مائیک چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر نوٹوں کی بارش ہو رہی ہو تو زیادہ سے زیادہ وقت لیا جاتا ہے اور جب تک آخری آدمی کی جیب سے آخری نوٹ کے نکل چکنے کا یقین نہیں ہوجاتا' نعت خواں اسٹیج سے نہیں اترتا۔

د دعوت تو ایک نعت خواں کی ہوتی ہے لیکن بعض نعت خواں اپنے ساتھ تین تین' چار چار شاگرد بھی لے جاتے ہیں اور بہ اصرار و تکرار سب کو ٹائم دلواتے ہیں۔ انہیں اٹھ اٹھ کر اور واہ وا' واہ وا' کہہ کر روپے دیتے ہیں۔ اختتام محفل پر ان شاگردوں سے وہ سارا (یا ۵۰ ٪) نذرانہ ''بحق استادی و چہرہ کشائی'' لے لیا جاتا ہے۔ (استاد گرامی کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے سر' بازو' ٹانگیں دبانا شاگردوں کے لیے اضافی سعادت ہوتی ہے) بعض اوقات شاگردوں اور دوستوں کو روپے دیے جاتے ہیں تاکہ جب وہ پڑھیں تو یہ اٹھ اٹھ کر انہیں دیں دیکھا دیکھی دوسرے بھی دینے لگیں گے۔

د اختتام محفل پر جب نذرانے گنے جاتے ہیں تو سامعین کے لیے عجیب و غریب القابات شروع ہوجاتے ہیں مثلاً ''بہت زیادہ پیسے ہوئے ہوں تو کہا جاتا ہے سبحان اللہ' سامعین بہت ذوق والے تھے اور اگر کم ہوئے ہوں تو انہیں بے ذوق' بے بصر' بے نور وغیرہ کہا جاتا ہے۔

و اپنی نعت خوانی کا حوالہ دے کر یا نعت خوانی کی شہرت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر' بڑے چھوٹے مفادات حاصل کیے جاتے ہیں۔ کسی چھابڑی والے کی کھجوریں' جامن' خوبانی وغیرہ اٹھا کر (بغیر اجازت) منہ میں ڈال لینے سے لے کر ممبران اسمبلی' اعلیٰ افسروں اور عہدہ داروں تک رسائی اور مطلب براری ان کے لیے کار آساں ہوجاتی ہے۔ ایسے نعت خواں ہر جگہ ثناء خوانی کا حوالہ دے کر حکمرانی کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا مظاہر دنیا پرستی کو کسی طور مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ کریم کا ارشاد پاک ہے۔

ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا (۷۵)

ترجمہ : "اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔" (۷۶)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین" مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ علمائے یہود، توریت اور انجیل میں جب سردار انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفت پاتے تو اسے چھپاتے اور ایسی آیات (مشتمل بر نعت و توصیف حضورؐ) کو بدل ڈالتے اور اس کے معاوضے میں اپنی قوم سے ٹکے وصول کرتے (۷۷) سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت چھپانے کے معاوضے کو اللہ پسند نہیں کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ظاہر کرنے کے معاوضے اور دنیاوی منفعت کو اللہ کیسے پسند کرے گا؟ بے شک ہمارے پیشہ ور نعت خوانوں کا عمل یہودی علماء کے برعکس ہے (کہ وہ نعت چھپاتے تھے، یہ نعت ظاہر کرتے اور سرعام سناتے ہیں) لیکن دونوں کا مدعا (طلب زر، حصول دنیا) تو کہیں ایک نہیں؟ یہ سوال بہت چبھتا ہوا ہے لیکن کیا اس پر غور کرنا مناسب نہیں؟ ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ : "پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی ان میں کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی، اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے۔" (۷۸)

اس آیت مبارکہ میں صرف دنیا طلبی سے منع کیا گیا ہے بلکہ "فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ" کی طلب کا درس دیا گیا ہے۔ نعت خواں حضرات اگر صرف دنیا پر ہی نظر نہ رکھیں بلکہ آخرت کی جزا پر بھی توجہ دیں تو انہیں دین و دنیا دونوں نعمتیں حاصل ہو جائیں۔ دنیا تو بہر صورت انہیں ملنی ہی ہے وہ اگر دین کی طرف بھی توجہ دیں تو دنیا کے ساتھ دینی سعادتیں بھی حاصل ہوں۔ بات صرف حسن نیت کی ہے۔ روشندان سے روشنی اور ہوا نے تو آنا ہی آنا ہے آواز اذاں آنے کی نیت کرنے سے ثواب بھی مل جائے گا۔ خالی دنیا، محض نوٹ، فقط مادی فوائد اگر مرکز پر کار مقصود ہوں تو پھر آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ امر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں سمجھایا ہے۔

ترجمہ : "قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ اس کو بلایا جائے گا اور اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا، تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ

فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔" (۷۹)

صحیح مسلم شریف کی اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی ناموری کی نیت سے جہاد کرے اور شہید بھی ہو جائے تو اسے اس کی مراد دنیا میں مشہوری تو ملے گی، آخرت میں اس کے لیے سوائے جہنم کے کچھ نہیں اس طرح اگر ایک نعت خواں کے دل کی عمیق پہنائیوں اور نیت کی گہرائیوں میں صرف اور صرف روپے کمانا ہی ہے تو روپے تو اسے مل جائیں گے اور بہت زیادہ دلا دیے جائیں گے لیکن آخرت میں اس کے لیے کیا ہو گا وہ محتاج بیان نہیں۔ اللہ جل مجدہ کا بھی یہی حکم ہے:

وما لہ فی الاخرۃ من خلاق (۸۰)

اور اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی ازحد ضروری ہے کہ مدحت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش ہو کر نعت سرا کو کچھ ہدیہ، نذرانہ، تحفہ دینا خود سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اور یہ نذرانہ بخوشی قبول کر لینا سنت صحابہ ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیرؓ کو ثناگوئی کے دوران میں اپنی یمنی چادر مبارک عطا کی اور انہوں نے قبول کی (اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)۔ پس نعت خواں کو نذر دینا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کا قبول کرنا بالکل جائز ہے۔ یہاں بات صرف اور صرف نعت خواں کی نیت اور ظاہری عمل کی ہو رہی ہے۔ اسے نعت خوانی حضورؐ کے لیے کرنی چاہیے روپے پیسے کے لیے نہیں۔ اگر روپیہ پیسہ کا حصول ہی اس کی نیت کا مدار ہو تو پھر اس کے لیے صرف روپیہ پیسہ ہی ہے آخرت میں کچھ نہیں ہے۔ یہاں ان نعت خوانوں کو بھی عبرت پکڑنی چاہیے جو نعت کی نذر قبول ہی نہیں کرتے اور بھول جاتے ہیں کہ اس نذر کو بخوشی قبول کرنا اور اپنے استعمال میں لانا صحابہ کا دستور رہا ہے۔ نعت خوانی حضورؐ سے قلبی لگاؤ کا نورانی اظہار ہے۔ نعت خواں کو اللہ اور رسول پاکؐ کی جانب سے جو کچھ ملتا ہے وہ احاطہ بیان سے باہر ہے۔ مال دولت بھی، عزت بھی، شہرت بھی، طہارت بھی، قیادت بھی، دنیا بھی، آخرت بھی لیکن آہ! بے چارا وہ نعت خواں جو روپوں کے چکر ہی میں گھر کے رہ گیا۔ بقول اقبالؒ

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

خدا تو نعت خواں کو دین و دنیا کی نعمتیں دینا چاہتا ہو لیکن وہ محض چند ہزار روپوں تک ہی سوچ سکے

حضرت حسان بن ثابتؓ سے لے کر محمد اویس احمد (راقم الحروف کا پانچ سالہ بیٹا جسے صرف ایک نعت شریف آتی ہے) تک، اللہ پاک نے کسی نعت خواں کی کون سی حاجت پوری نہیں کی؟ کس مقام پر حضورؐ کا کرم خاص ان کے شامل حال نہیں رہا؟ آئندہ بھی ایسے ہی رہے گا لہٰذا نعت خواں کو دنیاوی تفکرات بھلا کر صرف اور صرف خوشنودی، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نعت پڑھنی چاہیے اور دنیا کے مال کے بجائے زیادہ سے زیادہ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سمیٹنے کی کوشش کرنی چاہیے۔۔

آنکہ عشق مصطفےٰؐ سامان اوست

بحر و بر در گوشہ دامان اوست

یعنی حضورؐ کا عشق جس کا سامان ہوتا ہے اس کے دامن کے ایک گوشے میں تمام کائنات ہوتی ہے۔

دنیاوی آلودگیوں سے بچنے کے لیے نعت خوانوں کو راقم الحروف کا مشورہ ہے کہ وہ کہیں معاوضہ طے کر کے نہ جایا کریں۔ اگر نعت خواں غریب اور تہی دست و خالی کیسہ ہے تو وہ واجبی کرایہ لے سکتا ہے۔ سامعین کی طرف سے جتنے پیسے ملیں انھیں گننا نہیں چاہیے بلکہ اسی طرح لا کر گھر میں پہلے سے رکھے ہوئے کسی گولک، ڈبے یا صندوقچی میں موجود پیسوں میں ملا لینا چاہیے تاکہ یہ پتا ہی نہ چلے کہ کس محفل سے کتنے پیسے ہوئے۔ نعت کو محض اظہار عشق کا ایک ذریعہ ہی سمجھنا چاہیے روپے حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں۔ اگر نیت سے روپے نکل گئے تو روپوں میں تو پھر بھی کمی نہیں آئے گی البتہ نیت صالح ہو جائے گی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ، کے ادارہ منہاج القرآن میں جو سالانہ نعت خوانی ہوتی ہے اس میں تمام بتیاں بجھا دی جاتی ہیں محض ہلکی سی لو رہتی ہے کوئی پیسے نہیں لیتا، کوئی پیسے نہیں دیتا۔ سب کی توجہ کا مرکز ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے۔ کاش یہ نظام سارے ملک بلکہ ساری دنیا میں رائج ہو جائے۔ آمین!!

۲۔ بعض نعت خوانوں کا مسئلہ نمود و نمائش داد و تحسین اور نام وری ہوتا ہے۔ ابتدا میں ان لوگوں کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ انھیں ریڈیو پر کوئی چانس مل جائے۔ اس کے بعد وہ جہاں بھی نعت خوانی کرتے ہیں نقیب محفل (سٹیج سیکریٹری) سے اعلان کرواتے ہیں کہ فلاں صاحب جو ریڈیو، آرٹسٹ ہیں ثناء خوانی کرنے والے ہیں۔ ریڈیو آرٹسٹ بننے کے بعد ان کی تگ و دو کا محور ٹی وی ہو جاتا ہے۔ ان میں سے بعض تو پروڈیوسروں کی منتیں کرتے ہیں بعض سفارشیں ڈھونڈتے ہیں، بہرحال انھیں چانس مل جائے تو اپنے نام کے ساتھ ٹی وی آرٹسٹ کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں بلکہ اپنے وزٹنگ کارڈ پر چھپواتے ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک عظیم نعت خواں ریڈیو، ٹی وی پر آنے کے باوجود حلیم الطبع، منکسر اور عشق رسول

صلی اللہ علیہ وسلم میں مٹے ہوئے ہوتے ہیں لیکن نام و نمود کے خواہاں اپنے ریڈیو، ٹی وی آرٹسٹ ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ جا و بے جا اس فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ دوسرے نعت خوانوں کو اپنے مقام و مرتبہ کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں، جبکہ بقول سکندر لکھنوی:

> "نعت شریف خلوص و محبت کے ساتھ ایک عبادت سمجھ کر خوشنودی خالق کے لیے پڑھنی اور لکھنی چاہیے اور اس کا مقصد نام و نمود اور دنیاوی مفاد نہیں ہونا چاہیے بلکہ توشہ آخرت سمجھنا چاہیے۔" (۸۱)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

> "(جہنم میں ڈال دیے جانے کی) وعید اس شخص کے لیے ہے جس نے کسی نیک کام کو محض فخر اور ریا کاری کی وجہ سے کیا ہو اور اس کام سے اس کی غرض صرف شہرت کو حاصل کرنا ہو۔" (۸۲)

شہرت اور داد کے خواہاں نعت خوانوں کی دلی خواہش کئی زاویوں سے مشاہدہ کی جا سکتی ہے مثلاً"

ا محفل نعت شروع ہونے سے پہلے وہ منتظمین کی فراہم کردہ بیٹھک میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں اور جب کہا جاتا ہے کہ چلیے محفل میں تشریف لے چلیے تو وہ کہتے ہیں ہم نے ابھی تیاری کرنی ہے اور آدھ پونا گھنٹہ کپڑوں کی تبدیلی، ڈائری کی ورق گردانی وغیرہ میں لگا دیتے ہیں۔

ب لباس ایسا پہنتے ہیں جو بہت شوخ ہوتا ہے اور نعت خواں کے مقام و منصب سے فروتر۔

ج جان بوجھ کر محفل میں اس وقت "تشریف لاتے" ہیں جب مجمع خوب جم چکا ہو اور آدھے تہائی نعت خواں پڑھ چکے ہوں۔ اسٹیج پر اس شان اور کروفر سے آتے ہیں کہ سارا مجمع تقریباً" ہل جاتا ہے۔ اسٹیج پر ہمیشہ نمایاں جگہ بیٹھتے ہیں اور اس سے ہاتھ ملا اس سے بغل گیر ہو، اس سے ایک دو باتیں کر، مجمع کی توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں اس سے محفل کا حسن متاثر ہوتا ہے، ایک ہلچل سی پیدا ہو جاتی ہے اور جو نعت خواں پڑھ رہا ہو بری طرح ڈسٹرب ہوتا ہے۔

د اسٹیج سیکرٹری سے اپنی پسند کا "مناسب ترین" وقت لیتے ہیں۔

ہ عام گفتگو میں بھی یونہی بڑائی کے حوالے دیے جاتے ہیں مثلاً" کتنے بڑے بڑے افسران کی دست بوسی کرتے ہیں، فلاں فلاں محفل میں ہزارہا لوگوں میں صرف وہی غور سے سنے گئے، فلاں فلاں محفل میں ان کے بعد کسی کو نعت پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی یا یہ کہ جس محفل میں یہ چلے جائیں دوسروں کی گویا ماں مر جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

بعض نعت خواں ذاتی پیسوں سے فوٹو کھنچواتے' ویڈیو بنواتے ہیں اور پھر ہر آئے گئے کو دکھاتے ہیں۔ یہ صورت حال اصلاح طلب ہے۔ سادگی' عاجزی' فروتنی' دلداری' ہمدردی اور غم خواری نعت خواں کی اساسی خصوصیات ہونی چاہئیں۔ ایسے نعت خوانوں کو بھولنا نہیں چاہیے کہ وہ کسی دنیادار بادشاہ یا راجا کے ہاں قصیدہ خوانی نہیں کر رہے بلکہ واقف اسرار ہر جزو کل صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں اپنی عاجزانہ حاضری دے رہے ہیں۔ غالباً "ایسے ہی نعت خوانوں کے متعلق راجا رشید محمود لکھتے ہیں۔

زباں پہ ذکر ہے' حکم نبیؐ کا پاس نہیں
گل عقیدت و الفت کی ان میں باس نہیں

۳ ۔ یہ طے ہے کہ نعت خوانی کا اپنا نظم ہے' اپنا فن ہے اور اپنی روایت ہے۔ جبکہ بقول سعید بدر "نعت خواں محض اپنے ترنم کی بدولت محفل پر چھا جاتا ہے۔ اب تو متعدد نعت خواں حضرات نے یہ ستم کیا ہے کہ خود نعت گو بننے کے شوق میں "فلمی" گانے کے روپ اور لہجے میں نعتیں لکھنے' کہنے اور پڑھنے لگے ہیں جو میرے خیال میں مناسب نہیں۔ اس سے سوءِ ادب کا احتمال ہے۔" (۸۳)

گجرات کے محمد یوسف چشتی کا بھی یہی کہنا ہے:

"نعت خواں کو حرص و ہوس سے دور رہنا چاہیے فلمی گانوں کی بندشوں میں نعت پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔" (۸۴)

عموماً" کچھ عرصہ پیشتر تک کچھ نعت گو شعراء باقاعدہ فلمی گانوں' دھنوں اور انداز پر مشتمل نعتیں لکھا کرتے تھے بلکہ جب ان کی نعتیہ کتب شائع ہوتیں تو ہر نعت کے ماتھے پر یہ درج کیا جاتا کہ یہ نعت فلاں گانے کے طرز میں لکھی گئی ہے اور گانے کے بول بھی درج کردیے جاتے' راجا رشید محمود رقم طراز ہیں:

"ایک زمانے میں..... فلمی طرز کی نعتیں بھی لکھی جاتی تھیں' جنہیں لوگ سن کر اصل فلمی گانوں کا بھی مزا لیتے تھے' جس کی دھن پر نعت پڑھی جارہی ہوتی تھی اور نعت کا "ثواب" بھی پالیتے ہوں گے۔" (۸۵)

آج بھی کہیں نہ کہیں اکا دکا شاعر فلمی دھن پر نعت لکھتا ہے البتہ فلمی دھن پر نعت آج بھی پڑھی جارہی ہے اگرچہ ماضی کی نسبت اس رجحان میں خاصی کمی آگئی ہے۔ فلم کا غیر اسلامی' غیر اخلاقی ماحول گانے والوں کے شب و روز کسی سے مخفی نہیں۔ پس فلمی گانوں کی لے' دھن' طرز' موسیقی اسی کثیف ماحول کی پیدا کردہ ہوتی ہے اس قسم کی موسیقی نعت کے لیے اور نعت ایسی "خرافات" کے لیے قطعاً" موزوں نہیں۔ شاہد اور ساقی نے گانوں کے علاوہ ایک دوسری شے کی طرز سے بھی روکا ہے۔

"آواز کا ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ گانوں اور غزلوں کی طرز پر نعت پڑھنے سے پرہیز کرے۔" (۸۶)

اگر نعت خواں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی عقیدت رکھتا ہے' اس کے دل میں مدینہ منورہ سے دوری کی آتش ہجر روشن ہے' اس کی آنکھیں یاد سرکارؐ میں بھیگی رہتی ہیں' اس کا ذہن نعت کے لفظ لفظ کے معانی' ان سے وابستہ تلازمات اور محاکات سے واقف ہے' اس کی روح پاکیزہ ہے اس کی طبع صالح ہے اس کا مزاج عاجزانہ ہے اور ان سب پر طرہ یہ کہ گلے میں مدنی سوز ہے تو وہ جس انداز سے نعت پڑھے گا وہ نہ گانوں سے ملتی ہوگی نہ غزلوں سے۔ پس نعتیہ لحن کی انفرادیت نعت خواں کے کردار کی انفرادیت سے جنم لیتی ہے۔ مشہور نعت خواں منصور تابش نے لکھا ہے۔

"..... نعت کے الفاظ سے 'صاحب نعتؐ' سے عقیدت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آواز کے بل پر کوئی غزل' نظم یا کوئی اور چیز گائی اور کہہ دیا کہ نعت پڑھی۔ اس دعوے کے ثبوت میں یہ عرض کروں کہ کچھ فلموں میں بھی نعتیں گائی گئی ہیں۔ ان میں اثر کس حد تک تھا اس کا فیصلہ آپ خود کریں۔ وجہ اس کی صرف عقیدت کا فقدان تھا۔ کچھ مشہور گویوں نے بھی نعتیں گائی ہیں لیکن لوگوں کو متاثر نہیں کر سکے۔ مثلاً "ملک کے مشہور گلوکار مہدی حسن نے جب یہ نعت ریکارڈ کرائی "مرحبا سید مکی مدنی العربی" تو میں نے ان سے ایک دو اشعار کے معنی پوچھے تو وہ نہ بتلا سکے۔ پھر میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ شراب پی کر نعت پڑھنا تمہیں عجیب سا نہیں لگتا؟ اس پر وہ ہنس کر خاموش ہو گئے میں نے آخر میں اسے یہی کہا تھا کہ تم بہت بڑے گویے ہو لیکن نعت خواں نہیں ہو۔" (۸۷)

خلاصہ بحث یہ کہ نعت خواں کو غزلوں' گانوں اور فلمی دھنوں کے طرز میں نعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔

صوت وصدا کے حوالے سے بعض نعت خوانوں سے جو غلطیاں صادر ہوتی ہیں ان کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

۱ بعض نعت خواں گلا پھاڑ کر بلکہ چنگھاڑ کر پڑھتے ہیں اونچی سے اونچی لے اور لمبی سے لمبی تان کو وہ کمال فن سمجھتے ہیں جبکہ بقول محمد نذیر سیالوی:

"موسیقی کے راگوں اور طویل تانوں سے اکثر لوگ بیزار ہوتے ہیں اور بعض نعت خواں خواہ مخواہ راگوں کی لمبی تانیں کھینچتے ہیں' جس سے نعت کا تقدس بھی

مجروح ہوتا ہے اور سامعین کی دلچسپی بھی۔" (۸۸)

ب بعض نعت خواں' نعت خوانی کے دوران میں جھوٹ موٹ رونا شروع کر دیتے ہیں۔ آواز بظاہر رندھی ہوئی ہوتی ہے لیکن آنکھوں میں نمی تو کجا افسردگی تک نہیں ہوتی۔ اس مصنوعی رقت سے ہو سکتا ہے بعض عاشقان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو رقت طاری ہو جائے لیکن خود اس نعت خواں کو اس ریاکاری سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ راقم الحروف کو ایک محفل میں ایک ایسے ہی نعت خواں کو سننے کا اتفاق ہوا جو مصنوعی رقت کے باعث چھایا ہوا تھا' اچانک اسٹیج پر کسی نے کچھ کہا اور یہ نعت خواں کھلکھلا کر ہنس دیا اس پر اتنا اثر بھی نہ ہوا جتنا ائیر کنڈیشنڈ کمرے سے نکل کر یک لخت چلچلاتی دھوپ میں آنے سے ہو جایا کرتا ہے۔

ج مذکورہ بالا مصنوعی رقت کے باعث بسا اوقات یوں لگتا ہے جیسے نعت خواں' نعت نہیں پڑھ رہا بلکہ دوہڑہ گا رہا ہے۔ رونے کا جھوٹا انداز' چہرے کے ٹیڑھے میڑھے خطوط' بار بار خشک آنکھوں پر انگلیاں پھیرنا جیسے آنسو پونچھے جا رہے ہوں اس ظاہرداری اور دکھاوے کی بے برکتی کے باعث نعت کا طرز نہ نعت رہتا ہے نہ مرثیے کا بلکہ دوہڑے کا ایسا انداز بن جاتا ہے جسے سن کر بعض تو مسکرا دیتے ہیں اور بعض ہنس دیتے ہیں العیاذاً" باللہ۔ اس سے محفل بھی خراب ہوتی ہے اور روحانی اثرات بھی کم پڑ جاتے ہیں۔ صحیح عاشقان حضورؐ جب نعت پڑھتے ہوئے رو پڑتے ہیں تو ان کے آنسو نہیں تھمتے مجمع کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں' بہرحال یہ کیفیت خدا کی خاص عطا ہے اسے جھوٹ موٹ اپنے اوپر طاری نہیں کرنا چاہیے۔ بعض نعت خواں اپنے کچھ ساتھی بھی ساتھ رکھتے ہیں جو مصرع کے آخر پر صرف لے کو لمبا کرنے کے لیے ہوتے ہیں' یہ سب مل کر نعت کو پچ مچ کا دوہڑہ بنا دیتے ہیں۔

د بعض اوقات دوران نعت خوانی میں کسی خاص مصرع یا شعر کی تکرار رنگ لاتی ہے اور بعض اوقات کسی مصرع یا شعر کی بار بار تکرار نہ موقع محل رکھتی ہے نہ کوئی صوتی حسن' سوائے سامعین کو بیزار کرنے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بعض نعت خواں ہر شعر کے پہلے مصرع کو تین تین' چار چار' بلکہ پانچ پانچ بار دہراتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور نعت خواں محمد نذیر سیالوی کا عمل کتنا اچھا ہے:

> "نعت خوانی کرتے وقت میں تکرار کو روا تو رکھتا ہوں تاکہ کلام کو سب اچھی طرح سن اور سمجھ لیں لیکن غیر ضروری اور بیزار کن تکرار سے بچتا ہوں۔" (۸۹)

ایک اچھا نعت خواں' اچھی گرہ لگانے کا ماہر ہوتا ہے۔ یہ گرہ مضامین کے لحاظ سے بھی ہو سکتی

ہے اور خاص شعری وزن کے اعتبار سے بھی۔ یہ ایک بے حد مشکل فن ہے اس کے لیے منجھا ہوا ذوق انتخاب، وسیع مطالعہ اور بے پایاں حافظہ درکار ہوتا ہے لیکن بعض نعت خواں، جو اس فن سے نابلد ہوتے ہیں ایک نعت کے ساتھ دوسری نعت کی گرہ لگاتے چلے جاتے ہیں۔ بعض بزرگوں کے کلام کے اپنے روحانی اثرات ہوتے ہیں جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ، حضرت امیر خسروؒ اور حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ وغیرہ ان کے کلام میں کسی بلند پایہ کلام کی گرہ ہی لگائی جاسکتی ہے۔ بعض نعت خواں اس پائے کے بزرگوں کے کلام کے ساتھ ایسے لوگوں کے کلام کی گرہ لگاتے ہیں جو روحانی فیوض کی اس سطح کے حامل نہیں ہوتے۔ خصوصاً جب متعلقہ کلام کے کہنے والے کے ہوش مند عقیدت مند بھی سن رہے ہوں تو انہیں تکلیف دہ تکدر سے دوچار ہونا پڑتا ہے' لہٰذا گرہ لگانے والے نعت خواں کو بہت محتاط رہ کر ہی گرہ لگانی چاہیے۔ راجا رشید محمود رقم طراز ہیں:

> "(روپیہ کمانے کے مقصد کے تحت) جو شاعر...... لکھتے ہیں وہ عام طور پر رسالت اور الوہیت میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے' ایسے مضامین ہی باندھتے ہیں جن سے نعت پڑھنے والا اور کرنسی نوٹ حاصل کرسکے۔ ایسی شاعری میں بے احتیاطیاں بہت ہوتی ہیں۔ فنی بھی اور شرعی بھی' کیونکہ عام طور پر ان نعتوں کے سامعین علم دین کی باریکیوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نعت سننے کے لیے محفل میں آتے ہیں۔ نیز یہ سامعین بنیادی طور پر ترنم اور گائیکی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے بعض نامور نعت خواں' نعت کے چند اشعار کے ساتھ دسیوں غزلیں پڑھ جاتے ہیں اور سامعین اسے نعت ہی سمجھ کر پیسے لٹاتے رہتے ہیں۔" (۹۰)

بعض نعت خواں حضورؐ کی نعت میں ایسے اشعار کی تضمین بھی سنا جاتے ہیں جو کسی پیر صاحب کی منقبت ہوتے ہیں۔

و وہ نعت خواں جو دو' دو گھنٹے بلکہ آدھی آدھی رات تک نعت خوانی کرسکتے ہیں وہ ایک کے بعد دوسرا کلام شروع کردیتے ہیں اور حمد' نعت' منقبت کے مضامین کی پیش کش میں حفظ مراتب کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ سب سے پہلے پیر صاحب کی منقبت پڑھی' پھر حمد یا ترتیب کچھ اور بھی ہوسکتی ہے۔ نعت خوانوں کو پہلے حمدیہ' پھر نعتیہ پھر منقبیہ کلام سنانا چاہیے۔ اسی ترتیب میں برکت ہے۔ معروف نعت خواں محمد یوسف میمن نے لکھا ہے:

"بزرگوں نے کچھ اصول مقرر کیے ہیں کہ پہلے حمد باری تعالیٰ' پھر نعت شریف' پھر مناقب اور آخر میں وقت اور محفل کی مناسبت سے عارفانہ کلام ہونا چاہیے' وہ بھی بوقت ضرورت ورنہ صرف اور صرف نعت شریف ہی پڑھی جائے۔" (۹۱)

ز بعض نعت خواں مائیک پر آجائیں تو وقت کی نزاکت' سامعین کے مزاج حتیٰ کہ باقی ماندہ نعت خوانوں کی کثیر تعداد کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ اسٹیج سیکریٹری جتنی مرضی دفعہ ان کے پاؤں کو دبا کر بس کرنے کا اشارہ کرے وہ نہیں مانتے بس پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مجمع کے تکدر کا باعث بنتے ہیں اور سامعین کو بھی بیزار کرتے ہیں۔

ح بعض نعت خواں ایک مصرع پڑھ کر مجمع کو دعوت دیتے ہیں کہ سب ساتھ مل کر پڑھیں۔ دوسروں کو ساتھ ملا کر پڑھانے کی غایت اولیٰ نعت خواں کا خود سانس لینا اور آرام آرام سے پڑھنا ہوتا ہے۔ نعت خواں ٹیپ کے مصرع کا پہلا لفظ کہہ کر چپ ہو جاتا ہے اور باقی مجمع لک لک کر پورا مصرع پڑھتا ہے۔ اس کے لیے عجیب و غریب فقرے کہے جاتے ہیں مثلاً"

"زور زور سے پڑھیے' اتنی زور سے کہ مدینہ منورہ میں تشریف فرما حضورؐ سن لیں"

"اتنی زور سے پڑھیے کہ تمہاری آواز سبز گنبد سے ٹکرا جائے"

"دل میں جتنا عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اتنی ہی زور سے پڑھو"

"ارد گرد دیکھو' جو نہیں پڑھ رہا وہ بدعقیدہ ہے"

"جتنا ماں کا دودھ پیا ہے اتنا ہی زور لگا کر پڑھو"

یہ تکلیف دہ مناظر کم و بیش ہر جگہ عموماً" دیکھنے میں آتے ہیں۔ کوئی ان من چلوں کو روکنے والا نہیں۔ بھلا حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چیخ چنگھاڑ کا کیا کام۔ چیخ چنگھاڑ سے تو حبط اعمال کا خطرہ ہے۔ نعت خواں کا تو چیخ چیخ کر پڑھنا مجبوری ہو سکتا ہے (وہ بھی جب بجلی بند ہو اور وہ بھی محض آواز کو آخری سامع تک پہنچانے کے لیے) مگر سامعین کو کس جرم کی سزا میں اتنا زور لگانے کو کہا جائے؟ زور زور سے پڑھنے کا عشق رسولؐ سے کیا کام ہے۔ وہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جو دلوں کی نیتوں پر نظر رکھتے ہیں جو غلاموں کی خاموش فریادوں کو باذن خدا سننے پر قادر ہیں کیا ان کی بارگاہ میں یوں چلانا جائز ہے؟ نہیں اور قطعاً" نہیں' تو پھر یہ لوگ آرام سے کیوں نہیں پڑھتے؟ اللہ کا حکم ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (۹۲)

ترجمہ : "اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔" (۹۳)

اللہ اللہ! کتنا ادب سکھایا جا رہا ہے اور یہاں خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر سمجھنے کے باوجود کس طرح صرف ذاتی سانس لینے اور لے بحال رکھنے کے لیے دوسروں کو اذیت دی جاتی ہے۔ نعت خوانوں سے یہ فن بعض مولوی صاحبان نے بھی سیکھ لیا ہے وہ بھی گا گا کر اور گوا گوا کر تقریر کرنے لگے ہیں۔ تکلیف دہ صورت حال اس وقت اور بھی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے جب نعت خواں اعلان کرتا ہے:

"جو زور زور سے میرے ساتھ مل کر نہیں گا رہا اسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی محبت نہیں۔" بعض ستم ظریف تو کلمہ طیبہ پڑھنے کو بھی کہتے ہیں۔ جب مجمع کلمہ پڑھ چکتا ہے تو نعت خواں اعلان کرتا ہے: "جس جس نے کلمہ پڑھا ہے اسے اس کلمے کی قسم ہے' زور زور سے میرے ساتھ مل کر پڑھو...." راقم الحروف کے نزدیک ایسی قسمیں دینے کا کوئی جواز نہیں۔ نہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے ساتھ گانے سے وابستہ ہے۔ اب سائنسی دور ہے حالات بدل چکے ہیں' سامعین آگاہ احوال ہیں اب ان فرسودہ حربوں سے باز آجانا چاہیے۔ نعت خواں کو چاہیے کہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ خود نعت شریف پڑھتا رہے اور مجمع کو بالکل نہ کہے۔ اگر کہے بھی تو سامعین کے ذوق پر چھوڑ دے جو چاہے پڑھے' جو نہ چاہے نہ پڑھے لیکن سامعین بہر صورت مدھم ترین آواز میں پڑھیں جیسے زیر لب پڑھتے ہیں نعت خواں اور سامعین خود کو بارگاہ نبوت میں حاضر سمجھ کر ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

۴۔ بعض نعت خواں بڑے دبنگ ہوتے ہیں۔ منتظمین محفل ان کی نازبرداریاں کرتے ہیں۔ محفل کے درمیانی وقت میں آتے ہیں اور اپنی پسند کا نمبر رکھواتے ہیں۔ اپنی باری پر نعت پڑھ کر اپنے گھر کی راہ لیتے ہیں۔ اپنے مابعد نعت خوانوں کو نہیں سنتے۔ یا تو انہیں گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے یا انہیں کسی اور محفل میں جا کر پڑھنا ہوتا ہے۔ ان کے جانے سے کچھ اور نعت خواں بھی ان کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ محفل سمٹنے لگتی ہے۔ یہ ویسے بھی زیادتی ہے کہ کچھ نعت خواں تو اختتام محفل تک بیٹھے رہیں اور کچھ اپنی

باری بھگتا کر چلتے بنیں۔

اس قباحت کا ایک حل یہ ہے کہ منتظمین ایسا اہتمام کریں کہ جس نعت خواں کو جتنے روپے عوام کی طرف سے ہوں وہ ایک لفافے میں ڈال کر' اس پر مذکورہ نعت خواں کا نام لکھ کر اسٹیپل کرلیں اور یہ لفافہ اپنے پاس رکھ لیں۔ جب محفل ختم ہو' تو ہر نعت خواں کو اس کا لفافہ اور اپنی طرف سے دیا جانے والا اعزازیہ دے دیا جائے۔ یقیناً کوئی نعت خواں لفافہ لیے بغیر نہیں جائے گا اور محفل کا رنگ خراب نہیں ہوگا۔

راقم الحروف ایک محفل نعت میں اسٹیج سیکریٹری تھا۔ سردیوں کی رات تھی۔ ایک نعت خواں میرے پاس ایک بجے کے قریب آئے اور آتے ہی کہا۔ "دیر سے آنے کی معذرت' دراصل ہمارے ہاں فوتگی ہوگئی ہے اور مجھے ابھی جاکر جنازہ پڑھنا ہے لہٰذا ذرا جلدی پڑھوا دیں" راقم کو اس کے اس جذبہ سے (کہ وہ تیار جنازہ چھوڑ کر محض سرکارؐ کی نعت خوانی میں شرکت کے لیے آگئے ہیں) بے حد کیف حاصل ہوا۔ چنانچہ جو نعت خواں نعت پڑھ رہا تھا میں نے اس کے پاؤں کو انگلی سے دبا کر ان (جنازہ میں شرکت کرنے والے) کو وقت دے دیا۔ یہ صاحب کوئی بیس منٹ تک پڑھتے رہے۔ اس کے بعد دو' تین سو روپیہ جو نذر ہوا تھا' اکٹھا کیا اور سلام دعا کرکے چلے گئے۔ اگلے دن میں فاتحہ کے لیے ان کے گھر کی طرف جا رہا تھا تو پتا چلا کہ ان کے ہاں تو سرے سے کوئی فوت ہی نہیں ہوا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ صاحب ایک محفل بھگتا کر آرہے تھے اور ہمارے ہاں سے جانے کے بعد انھوں نے شہر کی دوسری نکڑ پر ہونے والی محفل نعت بھی لوٹنی تھی اور یہ کہ ایسے مواقع پر جنازہ پڑھنے کا بہانہ ان کا مخصوص طریقہ واردات ہے۔ اس سے جو راقم کو دکھ ہوا ہوگا' اس کا اندازہ کیا ہی جاسکتا ہے) کاش! اے کاش!! میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے نعت خواں زرپرستی سے نکل کر صرف اور صرف خوشنودی خدا و رسول کے لیے نعت پڑھنا شروع کردیں۔

۵ ۔ بعض نعت خواں پڑھتے ہوئے تاثر پیدا کرنے کے لیے' عجیب و غریب ڈرامائی حرکتیں کرتے ہیں۔ انگلیاں نچانا' بازو ہلانا' ایک دو قدم آگے پیچھے ہونا' پڑھتے پڑھتے یک لخت چپ ہوجانا اور پھر یک لخت پوری آواز کے ساتھ اسٹارٹ لینا' حتیٰ کہ بعض "مقامات حال" پر سر کی ٹوپی کو اتار دینا' یا واسکٹ اتار دینا وغیرہ۔ سیدھے سادے ان پڑھ سامعین تو انھیں منہ کھولے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے دیکھتے رہتے ہیں اور واقفان حال زیر لب مسکراتے رہتے ہیں۔ نعت شریف پڑھتے ہوئے جس عاجزی اور محبت کی ضرورت ہے وہ دیکھنے میں نہیں آتی۔

۶ ۔ اگر کسی غلط مضمون یا شان رسالت کے منافی لفظ پر کوئی بزرگ سامع روکے، تو بھی بعض نعت خواں برا مناتے ہیں۔ حالانکہ انہیں فوراً" تصحیح کر لینی چاہیے۔

۷ ۔ بعض نعت خواں اپنے ساتھ مخصوص شاگرد یا دوست لاتے ہیں جو نیچے بیٹھے ایک کے بعد دوسری نعت کی فرمائش کرتے چلے جاتے ہے اور اس نعت خواں کو زیادہ سے زیادہ وقت مل جاتا ہے جبکہ دوسرے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اس طور پر مزید پڑھنے کی فرمائش صرف اسٹیج سیکریٹری کو کرنی چاہیے اور عوام کو بھی اپنی فرمائشی چٹ اسٹیج سیکریٹری ہی کو دینی چاہیے آگے وہ خود مناسب فیصلہ کرے گا۔

۸ ۔ بعض نعت خواں، اسٹیج سیکریٹری کو بائی پاس کرتے ہوئے، اپنی نعت ختم کرنے کے بعد اپنے کسی دوست نعت خواں کا اعلان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا اعلان ان کے منصب کے منافی ہے یہ اعلان تو نقیب مجلس کو کرنا ہوتا ہے۔ حد یہ کہ جس کا اعلان ہوتا ہے وہ اس نعت خواں کے مائیک چھوڑنے سے پہلے ہی آبراجمان ہوتا ہے اور اسٹیج سیکریٹری منہ دیکھتا رہ جاتا ہے کسی دوسرے جلسہ میں یہ نعت خواں، اعلان کرنے والے نعت خواں کا نیوتا اتار دیتا ہے اور انجمن ستائش باہمی فعال رہتی ہے۔ یہ صورت حال کس قدر اصلاح طلب ہے۔

۹ ۔ بعض اوقات وقت کی قلت اور نعت خوانوں کی کثرت کے باعث کسی نعت خواں کو وقت نہیں ملتا۔ وہ بے حد ناراض ہوتا ہے اور اسے اپنی حق تلفی قرار دیتا ہے۔ واجبی اعزازیے کے باوجود اس کی ناراضگی نہیں جاتی۔ ایسے احباب کو وقت کی نزاکت کا پاس کرنا چاہیے اور اپنی شمولیت ہی کو سرکارؐ کے دربار میں حاضری تصور کرنا چاہیے۔

۱۰ ۔ بعض نعت خواں محفل سے پہلے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ اس سے گیس پیدا ہونے، نیند کا غلبہ ہونے اور سانس پھولنے کی شکایات پیدا ہو سکتی ہیں۔ بدہضمی ہو جائے تو ڈکار آنے، منہ کڑوا ہونے اور ہچکی لگنے کی تکالیف بھی ممکن ہیں۔ کہنہ مشق اور تجربہ کار نعت خواں تو نعت خوانی سے پہلے کھانا نہیں کھاتے البتہ نو آموز یہ غلطی کر جاتے ہیں اور محفل سے پہلے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ نووارد نعت خوانوں کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

۱۱ ۔ بعض نعت خواں اپنے ساتھی نعت خوانوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے۔ اس کے مظاہر کئی طرح سے دیکھنے میں آتے ہیں:

ا ایک نعت خواں پڑھ رہا ہو تو یہ اپنے ساتھی سے باتیں شروع کر دیں گے اور نعت خواں کو تنگ کریں گے۔

ب ایک دوسرے کو نعتیہ کلام نہ دینا۔

ج نعت خوانی کے دوران میں کسی نعت خواں سے لحن اور لے کی غلطی ہو جائے یا شعر غلط پڑھ دیا گیا ہو تو یہ (تنہائی میں سمجھانے کے بجائے) سرعام' آواز بلند اس کی غلطی نکالتے ہیں اور یوں اپنی دانست میں اسے بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ بعد میں بھی احسن طریقے سے بتائی جا سکتی تھی۔ ہاں اگر نعت خواں سے کوئی شعر' مصرع یا کوئی لفظ شان نبوت کے منافی زباں سے نکل جائے تو فوراً روک ٹوک دینا چاہیے۔

د محفل نعت کے خاتمے کے بعد کھانے یا چائے وغیرہ کے لیے یا شب بسری کے لیے بعض نعت خواں کسی بیٹھک' حویلی یا ایوان میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی چغلیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً" جو نعت خواں غیر حاضر ہوں ان کے متعلق ایسے ایسے تبصرے کیے جاتے ہیں کہ گرامر کی کوئی غلطی نہیں ہونے دی جاتی۔ حد یہ کہ ان کے لہجوں کی نقلیں اتاری جاتی ہیں' ان کے خاندانوں کے لتے لیے جاتے ہیں وغیرہ۔ اگرچہ حقیقی نعت خواں ان قباحتوں سے دور رہتے ہیں لیکن جن میں یہ خامیاں ہیں انہیں ضرور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

ہ بعض نعت خواں اپنے شاگردوں پر باپ کی طرح مہربان ہوتے ہیں لیکن بعض انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ انہیں سکھاتے تو واجبی ہیں لیکن ان سے خدمت بہت زیادہ لیتے ہیں کہہ کہہ کر تحفے تحائف منگوانا' بس ویگن کا کرایہ ان سے دلوانا جیسی قباحتوں کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔

۱۲ ۔ بعض نعت خواں' صدر محفل (اگر وہ لیٹ ہوں) یا حضور قبلہ پیر صاحب (جو محفل میں مدعو ہوں) کے آنے سے پہلے نعت نہیں پڑھتے اور رکتے ہیں کہ جب مجمع عروج پر ہو گا صرف اسی وقت پڑھیں گے۔ اسی طرح خدانخواستہ بجلی چلی جائے تو نہیں پڑھیں گے۔ یونہی اگر ویڈیو کا پروگرام بھی ہو تو ویڈیو سے پہلے نہیں پڑھیں گے ان تمام امور سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نعت خواں خوشنودی خدا اور رسولؐ کے لیے نہیں بلکہ داد' شہرت اور نمود و نمائش کے لیے ہی نعت سرا ہوتا ہے۔

۱۳ ۔ بعض نعت خواں غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین محفل میں بھی وہ چٹکلے بازی سے باز نہیں آتے اور مزاحیہ جملے کہہ جاتے ہیں مثلاً" ایک محفل میں نعت خوان نے پڑھا:

ع مدینے میں بھی آؤں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تو ستم ظریف نے ذرا سی آواز سے کہا:

ع وہاں پیسے کماؤں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس صورت حال کو کسی طور مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

۱۴ ۔ بعض نعت خواں پان منہ میں لے کر اسٹیج پر بیٹھتے ہیں، حالانکہ نعت خوانی کی محفل میں سگریٹ، پان، بیڑہ، سگار وغیرہ چیزوں کا استعمال مناسب نہیں۔ نعت خواں کو تو محفل سے ہٹ کر عام زندگی میں بھی ان چیزوں کو منہ نہیں لگانا چاہیے جیسا کہ سید منظور الکونین نے تحریر کیا ہے:

"نعت خواں کو صوم و صلوٰۃ کا پابند، ہمیشہ باوضو اور نیک خصائل کا مالک ہونا چاہیے۔ اسے ہر حال میں شیریں مقال ہونا چاہیے۔ سگریٹ نوشی، نسوار خوری اور نشے کی ہر قسم سے منہ کو پاک رکھنا ازحد لازمی ہے۔" (۹۴)

منہ میں الائچی خورد، لونگ یا سونف رکھی جاسکتی ہے۔

۱۵ ۔ ایک اعلیٰ مسلمان کی بہترین خصوصیات نعت خواں میں پائی جانی چاہئیں۔ نعت خواں کے باکردار ہونے کی ضرورت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن بدقسمتی سے چند نعت خواں اس اہم پہلو کی طرف توجہ نہیں دیتے مثلاً "جب کوئی نعت خواں بغیر ٹکٹ گاڑی میں سفر کرتا ہے تو یہی جواز پیش کرتا ہے کہ ہم ثناء خواں ہیں سب ایس ٹی ہمارے دوست ہیں، روز سفر کرتے ہیں۔ ریلوے ایس ٹی صاحبان تو بے شک کچھ نہ کہیں لیکن دوسرے دیکھنے والوں کی آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ ایسے نعت خوانوں کو فوراً" اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

مندرجہ بالا قباحتوں کی طرف اشارہ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ خدانخواستہ ہر نعت خواں میں پائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے عاشق رسولؐ، کردار کے بلند، مزاج کے منکسر، طبع کے عظیم اور ظاہر باطن کے پوتر ہوتے ہیں۔ البتہ جن نعت خوانوں میں یہ یا ان میں سے کوئی خامی پائی جاتی ہو اسے اس کی اصلاح کرنی چاہیے تاکہ نعت کی فضا ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہوجائے۔

نعت خوانی کے حوالے سے بعض دیگر امور بھی قابل غور ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱ **عورتوں کی نعت خوانی کی محافل** ملجائے کائنات مولائے کل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی محبت اور عقیدت میں مسلمان خواتین مسلمان مردوں سے پیچھے نہیں۔ مسلمان خواتین بھی اپنے گھروں میں میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سناتی ہیں اور نعت خوانی کی محافل بھی سجاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کی نعت خوانی جائز ہے۔ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ کی بچیوں نے نعتیہ کلام گا کر خود حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور انہیں یہ عمل اچھا لگا تو باقی مسلمان خواتین کے لیے بھی نعت خوانی کے دروازے کھل گئے۔ نعت کے

اشعار یوں شروع ہوتے ہیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعی للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

ترجمہ: ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا' وداعی ٹیلوں سے' ہم پر شکر ادا کرنا ضروری ہے اس دعوت پر جو اللہ کے لیے دعوت دینے والے نے دی۔ اے ہماری طرف بھیجے گئے (رسولؐ) آپ قابل اطاعت پیام لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس روایت سے نہ صرف عورتوں کی نعت خوانی کا جواز ملتا ہے بلکہ مل کر (بہ یک زباں ہو کر) نعت پڑھنے کا ثبوت بھی سامنے آجاتا ہے۔

ارشاد شاکر اعوان مندرجہ بالا اشعار کا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے تعلق تسلیم نہیں کرتے۔ ("طلع البدر علینا" کا تعلق اس واقعہ (آمد مدینہ) سے بیان کیا جاتا ہے' وہ درست نہیں (۹۶)) ان کے نزدیک ان اشعار کا تعلق اس استقبالی گیت سے ہے جو سرکارؐ کی تبوک سے واپسی پر پیش کیا گیا (۹۷)۔ ان کے نزدیک سرکار کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے وقت بنی بخار کی بیٹیوں نے یہ گیت گایا تھا۔

نحن جوار من بنی بخار
یا حبذا محمد من جار

"طلع البدر علینا" قطعہ کا تعلق واقعہ تبوک سے جوڑنا' ارشاد شاکر اعوان کی اولین تحقیق قطعاً نہیں۔ خود امام قسطلانی نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس پر بحث کی ہے اور مختلف علماء کے اقوال کا حوالہ دیا ہے جس سے اختلاف رائے کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ تبوک سے تعلق کی ایک ہی دلیل ہے کہ مکہ سے مدینہ آئیں تو ثنیات الوداع نہیں آتی البتہ شام سے مدینہ آئیں تو ٹیلے "ثنیات الوداع" آتے ہیں۔ ہمارے نزدیک امام قسطلانی کی تحریر سے دو قوی ثبوت ملتے ہیں جو ان اشعار کا تعلق مدینہ منورہ آمد سے جوڑتے ہیں ایک یہ کہ امام قسطلانی نے پہلے خود ان اشعار کو آمد مدینہ سے متعلق لکھا ہے۔ اور حقہ کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ پھر اختلافی آرا درج کی ہیں اور آخری رائے ابن العراقی کی تحریر کی ہے کہ جس بھی سمت سے آؤ' وہاں مسافروں کو رخصت کرنے کا ثنیہ ہوتا ہے جو اس سمت کا ثنیۃ الوداع ہوتا ہے۔ اس قول پر بحث ختم کرنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ تمام اختلافی آرا کے باوجود امام قسطلانی

ان اشعار کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ سے مانتے ہے۔ یہی معروف ہے اور یہی صحیح ہے۔ بنی نجار کی بچیوں کا گیت ہو یا مدینہ کی عام عورتوں کا گیت ہو' بہرحال خواتین کی نعت خوانی پر دلیل ہے۔

خواتین کی نعت خوانی کے لیے ضروری ہے کہ یہ محفل پردے میں منعقد ہو جہاں غیر مرد نہ ہوں۔ خواتین باوضو ہوں' ان کا لباس باریک نہ ہو بلکہ اسلامی احکامات کے مطابق ہو' نعت خواں عورتوں کی آواز محفل کی چار دیواری سے باہر نہیں آنی چاہیے۔ وہاں چھوٹے بچوں کا شور شرابا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ مختصراً" ادب و احترام کے تمام تقاضوں کو پورا ہونا چاہیے۔

ب صلوٰۃ و سلام کی محفلیں بھی نعت خوانی ہی کا حصہ ہیں۔ نعت خوانی کی ہر محفل کا اختتام صلوٰۃ و سلام پر ہوتا ہے۔ منظوم صلوٰۃ و سلام بڑے ادب سے کھڑے ہو کر پیش کیا جاتا ہے جسے قیام بھی کہا جاتا ہے۔ کیا یہ قیام (دست بستہ کھڑے ہو کر بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنا) درست ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے یوں کر دیا ہے:

> "رہا اعتقاد کہ مجلس مولد میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا' حد سے بڑھنا (ہے) کیونکہ یہ امر عقلاً" و نقلاً" ممکن ہے...... اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔" (۹۹)

مجلس نعت کے آخر میں جب سلام پڑھا جاتا ہے تو درج ذیل تکلیف دہ مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔

ا۔ بعض نعت خواں سلام بہت طویل کر دیتے ہیں۔ باری باری سب نعت خواں حصہ لیتے ہیں اور گویا مقابلے پر اترے ہوتے ہیں۔ طویل محفل میں شرکت سے تھکے ہوئے سامعین جب سلام کی طوالت سے دوچار ہوتے ہیں تو ادب و احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر وہ بیٹھتے تو بہرحال نہیں لیکن تھک ضرور جاتے ہیں۔ بعض سلام کو بیچ ہی میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

ایسے مواقع پر نعت خواں بیماروں' بچوں اور بوڑھوں کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اس سے جو تکلیف دہ کیفیت پیدا ہوتی ہے نعت خوانوں کو اس کا احساس کرنا چاہیے اور صلوٰۃ و سلام کے چند منتخب شعر پڑھ کر بس کر دینا چاہیے۔ بعض نعت خواں نعت خوانی میں کم وقت ملنے کی کسر سلام میں نکالتے ہیں وہ سلام کے بہانے تضمین اور گرہ کی مود سے دسیوں نعتیں بلکہ مناقب بھی سنا جاتے ہیں۔

۲ ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ سلام پڑھتے ہوئے' سلام پڑھنے والے نعت خواں حضرات اپنا منہ سامعین کی طرف کرلیتے ہیں اور سامعین پر کوئی قید نہیں ہوتی جو جدھر چاہتا ہے ادھر کو منہ کرلیتا ہے۔ سامعین کا منہ عموماً" نعت خوانوں کی طرف ہوتا ہے۔ اگر یہ سلام کسی مسجد میں پڑھا جارہا ہو (جیسا کہ عموماً" جمعہ کے دن نماز جمعہ کے آخر میں ہوتا ہے) تو لازماً" سلام پڑھنے والوں کی پیٹھ محراب کی طرف ہوتی ہے گویا وہ قبلہ رو ہونے کے بجائے قبلہ پشت ہوجاتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس وقت وہ مدینہ رو ہوجائیں (پاکستانی حضرات قبلہ رو ہوں اور ذرا سا مزید دائیں طرف چہرہ کرلیں گویا اگر قبلہ ۹۰ درجے پر ہے تو یہ ۹۳ درجے پر ہوجائیں) تو یہ مدینہ رو ہوجاتے ہیں۔ اب وہ صلوٰۃ و سلام جو حرف ندا "یا" کے ساتھ پڑھا جارہا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا" سے مخاطب کرتے ہوئے اپنا منہ بھی ادھر کو ہی کرلیں۔ عام زندگی میں اگر کوئی کسی سے سلام لے لیکن چہرہ دوسری طرف کرلے اور جس کو سلام کیا جارہا ہے اس کی طرف پیٹھ کرلے تو کس قدر نفرت پھیلے گی؟ اگر صلوٰۃ و سلام حرف ندا "یا" کے ساتھ نہ ہو جیسے اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد' تو منہ دوسری طرف بھی ہوجائے تو حرج نہیں لیکن جب یا نبی سلام علیک' یا رسول سلام علیک الفاظ کے ساتھ سلام پڑھا جارہا ہو تو پھر رخ گنبد خضراء کی طرف چاہیے علاقہ گوجرہ کی معروف روحانی شخصیت حضرت غلام رسول علوی چشتی نظامی صاحب مدظلہ" (۳۰) ہمیشہ اس اہتمام کے ساتھ ہی سلام پڑھتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام کے وقت مدینہ رو نہ ہونے کو بے ادبی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی کوششوں سے بعض مساجد میں اس کا اہتمام کیا جانے لگا ہے۔ بعض بحث کرتے ہیں اور نہیں مانتے۔ حضرت نے ایک نعت خواں صوفی کو (جو وہاں مولوی بھی کرتے ہیں) سلام کے وقت مدینہ رو ہونے کا مشورہ دیا تو انہوں نے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ آیت پڑھ دی (۳۱) یعنی تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ ہے۔ حضرت نے بڑے دکھ سے کہا کہ یہ آیت اگرچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے اور یہاں حضور' کا ذکر ہے۔ پھر بھی جب آپ لوگ نماز پڑھتے ہیں تو قبلہ رو کیوں ہوتے ہیں؟ اگر اللہ ہر طرف ہے تو جدھر چاہو' ادھر منہ کرکے نماز پڑھ لو' پھر قبلہ رو ہی کیوں؟ وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہ امر کس قدر حیرت انگیز اور تکلیف دہ ہے کہ یہی نعت خواں جب کسی ولی کی منقبت پڑھتے ہیں اور پیر صاحب محفل میں تشریف فرما ہوں تو اس کی طرف پیٹھ نہیں کرتے بلکہ نعت پڑھ کر واپس جائیں تو بھی اس طرح چلتے ہیں کہ کہیں پیر صاحب کی طرف پیٹھ نہ ہوجائے۔ اگر کسی بزرگ کے مزار پر نعت خوانی ہورہی ہو تو نہ کوئی نعت خواں نہ کوئی سامع یہ تصور کرے گا کہ اس کی پشت بھول کر بھی مزار شریف کی طرف ہوجائے۔ وہاں اگر کا تصور اور مرحوم ہی کا تو ادب اور سب [illegible]

کے پیغمبروں کے امام، رسولوں کے سردار اور خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو "یا" کے ساتھ سلام کہتے ہوئے پیٹھ ادھر کرلیں؟ اس سے بڑی بے حسی کیا ہوگی؟ سوال یہ ہے کہ نعت خواں منہ، مدینہ شریف کی طرف کیوں نہیں کرتے؟ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوجائے تو سامعین کی طرف پیٹھ ہوجائے گی اور نوٹوں کی بارش تھم جائے گی۔ جلب زر میں اس قدر اندھا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کاش ساری دنیا میں یہ دستور ہوجائے کہ صلوٰۃ و سلام (خصوصاً" جب حرف ندا کے ساتھ ہو) کے وقت تمام سلام پڑھنے والے مدینہ رو ہوجائیں۔ خود کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر حاضر سمجھیں اور سر جھکا کر، آنکھیں بند کرکے، آہستہ آواز کے ساتھ کمال عقیدت ادب اور تعظیم کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجیں۔ پھر اس کے روحانی اثرات و ثمرات بھی بے پایاں ہوجائیں گے۔ حضرت امام مالکؒ کا یہ ایمان پرور قول بھی قابل غور ہے۔

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام، وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر (عباسی خلیفہ)...... کہنے لگا، اے عبداللہ! (امام مالکؒ) کیا میں قبلہ رو ہو کر دعا مانگوں یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منہ کروں؟ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے وسیلہ اور تمہارے باپ آدمؑ کے وسیلہ ہیں بلکہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرو۔" (۱۰۳)

۳ ۔ نعت خوانی کی محفلوں کا انتظام کرنے والے بڑے قابل قدر ہیں کہ اس مادی دور میں وہ فروغ نعت کے لیے تن من دھن قربان کررہے ہیں یقیناً" اللہ کریم کے ہاں ان کے لیے بے پایاں اجر و ثواب ہے۔ انہوں نے اپنے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کا نسخہ کیمیا ڈھونڈ لیا ہے یقیناً" انہیں دین و دنیا میں ہر جگہ عزت ملے گی۔ منتظمین نعت کو بھی کچھ امور کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیے۔

ا پیشہ ور نعت خوانوں کے بجائے مخلص اور بے لوث نعت خوانوں کی ترجیح دیں۔

ب پیشہ ور نعت خواں آجائیں تو محفل کی طرف سے انہیں ملنے والا نذرانہ اختتام محفل پر دیں۔

ج بعض منتظمین نعت خواں پر نوٹوں کے علاوہ گلاب کی پتیاں بھی نچھاور کرتے ہیں جو بعد میں لوگوں کے پاؤں تلے روندی جاتی ہیں۔ گلاب کی پتیوں کا ادب ضروری ہے۔

راقم الحروف نے بعض علماء سے سنا ہے کہ حضرت علامہ یوسف نبہانیؒ نے یہ حدیث شریف بھی اپنی کسی کتاب میں نقل کی ہے کہ گلاب کو دیکھ کر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ بہرحال گلاب کی پتیوں کا اس

نسبت سے ادب و احترام ضروری ہے۔ گلاب کے پھول کسی طشتری میں ڈال کر درمیان میں رکھ دیے جائیں۔

د نعت خوانی کی محفل میں خوشبو کا اہتمام کیا جائے۔ اس دنیا کی تین چیزوں (جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھیں) میں سے ایک خوشبو بھی ہے۔

ہ نعت خوانوں کو وقت کی مناسبت سے دعوت دی جائے یہ نہ ہو کہ چار گھنٹوں کی محفل ہو اور ستر نعت خواں بلائے گئے ہوں۔

و نعت خوانوں سے طے کرلیا جائے کہ وہ ایسا نعتیہ کلام (جو دراصل نعتیہ نہیں) بالکل نہیں سنائیں گے جس میں الوہیت اور رسالت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو اور ایسا کلام نہیں سنائیں گے جس میں کوئی لفظ شان رسالت کے منافی استعمال ہوا ہو۔

ز نعت خوانوں سے طے کرلیا جائے کہ محفل کے اختتام پر سلام مدینہ رو ہو کر پڑھا جائے گا۔

ح نعت کی محفل مناسب وقت پر شروع کر کے مناسب وقت پر ختم کردی جائے۔ یہ نہ ہو کہ شب بھر تو محفل نعت ہوتی رہے صبح نماز فجر قضا ہو جائے۔

ط شرکاء اور سامعین کو خلاف شرع حرکات سے روکنے کا اہتمام بھی کریں۔

ی نعت خوانوں کا دل سے ادب کریں اور انہیں وہی مقام دیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "حضور شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ان (حضرت حسان بن ثابتؓ) کے لیے خاص طور پر مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تھے، جس پر کھڑے ہو کر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت خوانی کرتے تھے۔" (۱۰۴) اسی لیے اقبال احمد فاروقی نے بھی لکھا ہے۔ "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھنے والوں میں سے نعت خوانان رسولؐ کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ عالم اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں میں مدحت سرائے رسولؐ بڑے بلند وارفع مقام پر فائز رہے۔" (۱۰۵)

۴۔ محفل نعت کے نقیب (اسٹیج سیکرٹری) کے لیے صاحب علم و حلم، موقع شناس، بندہ نواز، معاملہ فہم، شیریں زباں، خوش بیاں، خندہ جبیں اور دلنشیں کے ساتھ جلال بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ پروگرام چلا سکے، ورنہ نعت خواں من مرضی کریں گے۔ اسے حافظے کا تیز ہونا چاہیے اسے حاضرباش اور خوش باش ہونا چاہیے۔ اس کا ادبی ذوق بڑے اعلیٰ درجے کا ہونا چاہیے۔ اس کی حاضر جوابی مثالی ہونی چاہیے۔ نعت کے بہت سے اچھے اچھے اشعار اسے زبانی یاد ہونے چاہئیں۔

نقیب محفل کی حیثیت نعت خواں اور سامعین کے درمیان پل جیسی ہوتی ہے۔ وہ بہت سی خامیوں کو سمیٹ جاتا ہے۔ اسے نعت خوانوں کا تعارف کراتے ہوئے ایسا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے جو حد سے تجاوز کر جائے۔ اس میں اتنا رعب ہونا چاہیے کہ جب وہ کسی نعت خواں کے پاؤں کو دبائے تو وہ فوراً" مائیک چھوڑ دے۔ چونکہ ہر نعت خواں کے بعد اسے مائیک پر آنا ہوتا ہے لہٰذا وہ مناسب وقت لے۔ سب سے زیادہ وقت خود ہی نہ لے جائے۔ نعت خوانوں کو بلانے کی ترتیب طے کرتے ہوئے نعت خواں کے مقام کو دیکھے ذاتی دوستی کو ملحوظ خاطر نہ رکھے۔

۵۔ محفل نعت کے سامعین بھی خصوصی تربیت کے ضرورت مند ہیں۔ اگرچہ وہ خالص جذبہ عشق رسولؐ لے کر محفل میں آتے ہیں لیکن کچھ باتیں ان سے بھی ایسی سرزد ہو جاتی ہیں جو آداب نعت کے منافی ہیں مثلاً"

ا بعض سامعین نعت خواں کو اس برے طریقے سے داد دیتے ہیں کہ محفل کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا وہ نعت سن رہے ہیں یا غزلیہ مشاعرہ۔

ب بعض سامعین جھوٹ موٹ کے وجد میں آکر حال کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ سچا وجد اور حال قابل قدر ہے لیکن مصنوعی وجد، شرارت کے سوا کچھ نہیں۔

ج بعض سامعین نعت خواں کو ایک روپیہ دینے جائیں تو اپنے ساتھ والے کو بھی اٹھاتے ہیں۔ اب دو آدمی، چار ہاتھوں سے ایک روپیہ تھامے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور نعت خواں تک پہنچتے ہیں اس سے دیگر سامعین کی حضوری مجروح ہوتی ہے۔

د بعض ایک ایک روپیہ کی سو روپے کی کاپی پن نکلوا کر نعت خواں کے قریب کھڑے ہو جاتے ہیں اور نعت خواں کو ایک ایک روپیہ دینا شروع کرتے ہیں یوں وہ اچھا خاصا ڈراما بنا دیتے ہیں۔

ہ بعض سامعین ایک ایک روپے کی پن نکلی ہوئی کاپیاں نعت خواں کے سر پر وار کر فضا میں اچھال دیتے ہیں۔ نوٹ اوپر سے نیچے بارش کی طرح گرتے ہیں کیا یہ مجرے کا انداز نہیں؟ مجرے کے انداز سے مشابہت کی بناء پر اسے جائز نہیں کہا جا سکتا۔ عاشقان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز کب زیب دیتا ہے؟ دراصل یہ سب روپے کی نمائش ہے۔ ظاہر داری ہے۔ اگر کسی نے نعت خواں کو کچھ نذر کرنا ہے تو وہ بڑے آرام سے اس کے پاؤں کے قریب ایک ہی وقت رکھ سکتا ہے۔ اگر روپے لٹاتے ہوئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی خیال نیت میں آگیا (جیسے روپے کی نمائش، نعت خواں پر اپنی دوستی ثابت کرنا، ویڈیو میں آنے کی خواہش، دوسروں پر چھا جانے کی تمنا وغیرہ) تو یقیناً" نیکی برباد گناہ لازم

والی بات ہو جائے گی۔ روپیہ بھی ضائع گیا اور ثواب بھی نہ ملا۔ الٹا اللہ و رسولؐ کو ناراض کر لیا۔ اس سے بچنا چاہیے۔ نعت خواں کو ضرور کچھ نہ کچھ دینا چاہیے لیکن نمائش کر کے نہیں۔

و اگر کسی محفل میں کوئی پیر صاحب بھی تشریف فرما ہیں تو ہر آدمی روپیہ لے کر پہلے ان سے ہاتھ ملاتا ہے' ان کی دست بوسی کرتا ہے پھر روپیہ نعت خواں کو دیتا ہے۔ ہر آدمی سوچتا ہے کہ ویسے تو پیر صاحب تک رسائی مشکل ہے' ایک روپیہ نکالو' ہاتھ ملالو' پاؤں چوم لو' لوگ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ یہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہے۔ یہاں کے آداب مخصوص ہیں۔ اس محفل میں بڑے سے بڑا پیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقیر ہے۔ خود پیران عظام کو بھی اس امر کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ ہر وہ کام جس سے سامعین کی حضوری کی کیفیت مجروح ہوتی ہو' محفل کا نظم و ضبط متاثر ہو اور نعت خواں کی توجہ بٹے' قابل اصلاح ہے۔

ز بعض اوقات کوئی سچا عاشق رسولؐ نعت خواں آنکھیں بند کیے' ڈوب کر پڑھ رہا ہوتا ہے بلکہ اپنے خیالوں میں روضہ اقدس پر حاضر ہوتا ہے ادھر اس کا کوئی شناسا جب دیکھتا ہے کہ میں تو ایک سو روپے کا نوٹ لایا ہوں' یہ دیکھ ہی نہیں رہا تو وہ زور سے سبحان اللہ کہتا ہے' نعت خواں کا بازو ہلاتا ہے اور اس کی آنکھیں کھلوا کر سو روپیہ اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے تاکہ وہ دیکھ لے۔

ح بعض سامعین بے وضو ہی نعت خوانی سننے چلے آتے ہیں اگرچہ یہ کوئی شرط نہیں' تاہم افضل و اولیٰ یہی ہے کہ نعت خوانوں کی طرح سامعین نے بھی صاف ستھرا پاکیزہ لباس پہن رکھا ہو' باوضو ہوں' محفل کے دوران میں باتیں نہ کریں اور نعت سنتے ہوئے اگر انہیں حضوری کی سعادت حاصل ہے تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کر کے بیٹھیں ورنہ یہ سمجھیں کہ ہم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہیں سرکارؐ ہمیں مشاہدہ فرما رہے ہیں اور کچھ نہیں تو سبز گنبد اور سنہری جالیوں کا نقشہ ہی دل میں جما کر بیٹھیں' پھر ان شاء اللہ ان سے اس کیفیت میں خلاف آداب نعت کوئی حرکت سرزد نہیں ہوگی۔ مندرجہ بالا جملہ معروضات کا مقصد وحید ایسی نعت خوانی کا فروغ ہے جو اپنے جملہ عناصر سمیت' اس ہر ایک قباحت' غلطی' تکدر اور بے ربطی سے پاک ہو جسے ثناء خوانی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی' کسر شان یا اصل رنگ سے کمتر تصور کیا جا سکتا ہو لعا توفیقی الا باللہ۔

ان گزارشات کا اختتام راقم الحروف اپنی اس نعتیہ نظم پر کرنا چاہتا ہے جو بہ تخصیص "نعت سننے کے آداب" پر مشتمل ہے جس کا عنوان "آداب محفل نعت" ہے:

مومنو! نعت کی محفل میں جو آ کر بیٹھو

گردن و سر ہی نہیں' دل بھی جھکا کر بیٹھو
نعت سننے کی سعادت بھی کرم ہے حق کا
اس دم خاص کو شہکار بنا کر بیٹھو
ایک بھی سانس نہ ہو پاس ادب سے خالی
عجز کو آنکھ کی پتلی میں سجا کر بیٹھو
یاں سمٹ جاتے ہیں' جبریل امیں کے پر بھی
اس ادب گاہ میں ہستی کو مٹا کر بیٹھو
شہپر نعت' مدینے میں اڑا لے جائے
دل میں لو ایسے زیارت کی لگا کر بیٹھو
آنکھ ہو بند' نظر روضے کی جالی پہ رہے
اور سینہ در اقدس سے لگا کر بیٹھو
چوب حنانہ کی مانند کرو' ہوش فدا
نقد جاں دلبر یثربؐ پہ لٹا کر بیٹھو
معبد روح میں ایماں کی جو چاہو جگمگ
محفل نعت میں یکسوئی سے آکر بیٹھو

حواشی

۱ - کلام خدا' قرآن مجید' سورۃ الاحزاب پ ۲۲ رکوع ۴ آیت ۵۶
۲ - آفتاب احمد نقوی ڈاکٹر (مرتب)' مجلہ "اوج نعت نمبر ۱" قلمی مذاکرہ (امید ملتانی) ص ۴۶۸ - ادبی مجلہ گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور ۹۳ - ۱۹۹۲ ع
۳ - بدر فاروقی (کراچی) - یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص ۴۸۰ -
۴ - صابر براری (کراچی) - یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص - ۵۱۷ -
۵ - ایوب رضوی پروفیسر - یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص ۵۴۵ -
۶ - عارف رضا پروفیسر - یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص ۵۸۵ -

۷ - رشید محمود راجا۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۵۹۸۔
۸ - وحید الحسن ہاشمی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۵۱۲۔
۹ - عاصی کرنالی پروفیسر۔ یہی حواشی حوالہ نمبر۲ص ۴۹۴۔
۱۰ - طفیل ہوشیارپوری' یہی حواشی نمبر۲ص ۷۰۴۔
۱۱ - محمد خاں کلیم پروفیسر۔ یہی حواشی نمبر۲ص ۷۰۴۔
۱۲ - اخلاق عاطف۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۷۱۵۔
۱۳ - انور مسعود پروفیسر۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۵۸۸۔
۱۴ - وحید الحسن ہاشمی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۵۱۲۔
۱۵ - حنیف اسعدی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۴۲۷۔
۱۶ - شوکت الہ آبادی۔ یہی حواشی' نمبر۲ص ۴۱۳۔
۱۷ - صہبا اختر۔ یہی حواشی' نمبر۲ص ۵۲۸۔
۱۸ - تابش دہلوی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۴۸۳۔
۱۹ - ماجد صدیقی۔ یہی حواشی' نمبر۲ص ۵۴۳۔
۲۰ - عبدالغنی تائب' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۷۰۸۔
۲۱ - مرزا عبداللطیف' یہی حواشی' نمبر۲ص ۶۸۳۔
۲۲ - محبت خاں بگش' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۵۸۲۔
۲۳ - محمد اکرم رضا پروفیسر۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۶۳۲۔
۲۴ - آفتاب احمد نقوی ڈاکٹر (مرتب) اوج نعت نمبر۲۔ قلمی مذاکرہ (کرم نواز صابری) ص ۷۳۔۴۔ گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور ۹۳۔ ۱۹۹۲ع۔
۲۵ - ملک غلام محمد۔ یہی حواشی حوالہ نمبر۲۳ص ۴۳۲۔
۲۶ - حضور الکونین سید' یہی حواشی حوالہ نمبر۲۳ص ۴۳۸۔
۲۷ - آفتاب احمد نقوی (مرتب) مجلہ اوج نعت نمبر۲ص ۳۳۹ لاہور ۹۳۔ ۱۹۹۲ع۔
۲۸ - نذیر حسین نظامی' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۳ص نمبر۴۲۵۔
۲۹ - لیاقت حسین گیلانی' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ص ۳۶۷۔
۳۰ - رفیع الدین اشفاق سید پروفیسر ڈاکٹر' اردو میں نعتیہ شاعری ص ۵۶۔ اردو اکیڈمی سندھ کراچی

۱۹۷۶ء۔

۳۱ ۔ منصور تابش۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص ۳۲۲۔

۳۲ ۔ مظفروارثی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲ ص ۵۱۱۔

۳۳ ۔ طفیل ہوشیار پوری۔ یہی حواشی حوالہ نمبر ۲ ص ۴۰۷۔

۳۴ ۔ محمد ثناء اللہ بٹ' یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۳۲۸۔

۳۵ ۔ منصور تابش' یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص نمبر ۳۲۲۔

۳۶ ۔ عاصی کرنالی' مضمون "عزیز الدین خاکی کا ذوق نعت گوئی" مشمولہ مجلہ "ذکر صل علیٰ" ص ۱۳۔ تنظیم استحکام نعت کراچی ۱۹۹۴ء۔

۳۷ ۔ رفیق عزیزی سید' دیباچہ "عقیدت کی سوغات ذکر صل علےٰ" (شاعر: عزیز الدین خاکی) ص نمبر ۱۶۔ تنظیم استحکام نعت کراچی ۱۹۹۴ء۔

۳۸ ۔ محمود غازی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص ۳۴۷۔

۳۹ ۔ محبوب احمد ہمدانی۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص ۳۳۸۔

۴۰ ۔ محمد یوسف میمن' یہی حواشی' حوالہ نمبر ۲۴ ص ۳۶۱۔

۴۱ ۔ عبدالحق محدث دہلوی' اقرب السبل علی اخبار الاخیار ص ۲۶۱ منقولہ الیواقیت والجواہر (مصنفہ مفتی محمد امین) ص ۲۹۔۲۸ دارالعلوم جامعہ امینیہ رضویہ فیصل آباد ۱۳۹۵ھ

۴۲ ۔ کلام الٰہی' قرآن مجید' سورۃ الاحزاب پ ۲۲ رکوع ۳ آیت نمبر ۴۵ نیز پ ۲۶ رکوع ۹ آیت ۸

۴۳ ۔ احمد رضا خاں بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا' ترجمہ "کنزالایمان" ص ۷۶۲ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور (حوالہ نمبر ۶۴ ضیاء القرآن)

۴۴ ۔ اسماعیل حقی شیخ' تفسیر "روح البیان" جلد نمبر ۹ ص ۱۸ سورۃ الفتح منقولہ و ترجمہ از مفتی محمد امین' الیواقیت والجواہر ص نمبر ۱۸۔

۴۵ ۔ اسماعیل حقی حضرت مولانا' تفسیر مظہری۔ اردو ترجمہ از مولانا عبدالدائم ص ۳۸۸' سعید ایچ ایم کمپنی کراچی ۱۹۸۵ء۔

۴۶ ۔ محمد امین مفتی' الیواقیت والجواہر' ص ۳۶ بحوالہ درۃ الناصحین ص ۲۲۵۔

۴۷ ۔ کلام الٰہی' قرآن مجید' سورۃ الاحزاب پ ۲۱ رکوع ۱۷۔ آیت ۶۔

۴۸ ۔ محمد قاسم نانوتوی مولانا' تحذیر الناس ص نمبر ۱۱ قاسم پریس دیوبند ۱۳۴۴ھ۔

۴۹ ۔ کلام الٰہی' قرآن مجید' سورۃ الانبیاء پ ۱۷ رکوع ۷۔ آیت نمبر ۱۰۷۔

۵۰ ۔ احمد رضا خاں بریلوی مولانا' کنزالایمان ص ۵۹۵ یہی حواشی حوالہ نمبر ۴۳۔

۵۱ ۔ عبدالکریم جیلی مولانا' جواہرالبحار جلد ۱ ص ۲۵۹ منقولہ یہی حواشی حوالہ نمبر ۱۴ ص نمبر ۲۴۔

۵۲ ۔ جلال الدین سیوطی علامہ' الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۴۵۳ منقولہ الیواقیت والجواہر ص ۳۱۔

۵۳ ۔ اخبار رضوان لاہور ۷ / ۱۴ اپریل ۱۹۵۳ء منقولہ ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مترجم و شارح "روح البیان" موسوم بہ فیوض الرحمان پارہ نمبر ۲۶ ص ۳۴۹۔ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور ۱۹۹۱ء۔

۵۴ ۔ محمد امین مفتی مولانا' الیواقیت والجواہر ص نمبر ۶۰۔ یہی حواشی حوالہ نمبر ۴۱۔ بحوالہ فیوضات مجددیہ ص ۱۱۔

۵۵ ۔ محمد احمد قادری ابوالحسنات علامہ' طیب الوردۃ علی قصیدۃ البردہ ص ۲۲ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۳۹۳ھ۔

۵۶ ۔ محمد اقبال ملک پروفیسر' وصل حبیب اللہؐ ص نمبر ۱۹۶ (بحوالہ تحفہ قادریہ ص ۸۲ و بہجۃ الاسرار)۔ رابطہ تنویر اقلوب راولپنڈی س۔ن۔

۵۷ ۔ کلام الٰہی' قرآن مجید' پ ۲۶ سورۃ الفتح رکوع نمبر ۹ آیت ۸۔

۵۸ ۔ احمد رضا خاں بریلوی' مترجم کنزالایمان ص ۹۲۱۔ یہی حواشی نمبر ۴۳۔

۵۹ ۔ احمد رضا خاں بریلویؒ۔ تمہید ایمان ص ۷۔۶' رضا پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۸ھ۔

۶۰ ۔ عیاض بن موسیٰ قاضی اندلسی' الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلد نمبر ۲ ص نمبر ۲۰ شرکہ مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۹۵۰ء۔

۶۱ ۔ ریاض مجید ڈاکٹر' مقالہ نعت' مشمولہ نقوش رسول نمبر ۱۰ ص نمبر ۲۸۔ ادارہ فروغ اردو لاہور۔

۶۲ ۔ احمد رضا خاں بریلوی مولاناؒ۔ قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام ۲ مشمولہ مجموعہ رسائل (مرتبہ مفتی سید شجاعت علی قادری) حصہ اول ص نمبر ۳۱۷۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی س۔ن۔

۶۳ ۔ محمد خاں مفتی قادری مولانا' شاہکار ربوبیت ص ۲۳۶' جامعہ رحمانیہ لاہور ۱۹۹۲ء۔

۶۴ ۔ محمد طاہر القادری پروفیسر ڈاکٹر' تذکار رسالت جلد اول ص ۵۲۸ منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۳ء۔

۶۵ ۔ فرمان رسول اکرمؐ' مشکوٰۃ شریف مترجم (ترجمہ از عبدالعلیم علوی مولانا) جلد نمبر ۲ ص نمبر ۶ مکتبہ رحمانیہ لاہور س۔ن۔

۶۶ ۔ ارشاد شاکر اعوان' عہد رسالت میں نعت ص ۱۵۱۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۳ء۔

نیز ۔ محمد احمد قادری علامہ ابوالحسنات' طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ ص ۲۷ یہی حواشی حوالہ نمبر۵۵۔

نیز ۔ محمد یحییٰ خاں شفا حکیم' مضمون "عربی زبان میں نعتیہ کلام" مشمولہ نقوش رسول نمبر۱۰۔ ص ۲۳۱' یہی حواشی حوالہ نمبر۶۱۔ یہی مضمون مجلہ اوج نمبر۲ میں بھی چھپا ص ۲۳۱۔

۶۷ ۔ محمد ثناء اللہ بٹ' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۲۸۔

۶۸ ۔ ایضاً" حوالہ نمبر۶۷ ص نمبر۴۳۰۔

۶۹ ۔ منظور الکونین سید' یہی حواشی حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۳۶۔

۷۰ ۔ محمد نذیر سیالوی' یہی حواشی حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۵۸۔

۷۱ ۔ ارشد اقبال' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۶۳۔

۷۲ ۔ مشتاق احمد حافظ یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۷۵۔

۷۳ ۔ غلام محمد ملک' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۴ ص ۴۴۲۔

۷۴ ۔ اختر حسین قریشی' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۴۵۔

۷۵ ۔ کلام الٰہی' قرآن مجید' پ۱ سورۃ البقرہ رکوع ۵ آیت ۴۱۔

۷۶ ۔ احمد رضا خاں بریلوی' یہی حواشی' حوالہ نمبر۴۳ ص ۱۲۔

۷۷ ۔ محمد نعیم الدین سید' تفسیر خزائن العرفان حوالہ نمبر۴۳ ص نمبر۱۲۔

۷۸ ۔ کلام الٰہی پ ۲ البقرہ رکوع ۹ آیت ۲۰۱۔ ترجمہ مولانا محمود الحسن شیخ الہند۔

۷۹ ۔ شرح صحیح مسلم شریف' جلد خامس (علامہ غلام رسول سعیدی) ص ۹۱۵ فرید بک اسٹال لاہور ۱۹۹۱ء۔

۸۰ ۔ کلام الٰہی پ ۲ البقرہ رکوع ۹ آیت ۲۰۱۔

۸۱ ۔ سکندر لکھنوی' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ ص ۴۲۵۔

۸۲ ۔ غلام رسول سعیدی علامہ مولانا' شرح صحیح مسلم۔ یہی حواشی' حوالہ نمبر۷۹ ص ۹۱۷۔

۸۳ ۔ سعید بدر' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲ ص ۶۵۶۔

۸۴ ۔ محمد یوسف چشتی' یہی حواشی حوالہ نمبر۲۴' ص نمبر۴۳۱۔

۸۵ ۔ رشید محمود راجا' نعت کائنات' مقدمہ ص ۴۳ عمود ۱۔ جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۳ء۔

۸۶ ۔ نشاط احمد ساقی' یہی حواشی' حوالہ نمبر۲۴ ص نمبر۴۷۶۔

۸۷ - منصور تابش، یہی حواشی، حوالہ نمبر۲۴ص نمبر۴۲۲۔

۸۸ - محمد نذیر سیالوی، یہی حواشی، حوالہ نمبر۲۴ص نمبر۴۵۹۔

۸۹ - محمد نذیر سیالوی، یہی حواشی، حوالہ نمبر۲۴ص ۴۵۹۔

۹۰ - رشید محمود راجا، یہی حواشی، حوالہ نمبر۸۵ص ۴۳۔

۹۱ - محمد یوسف میمن، یہی حواشی حوالہ نمبر۲۴ص ۴۶۱۔

۹۲ - کلام الٰہی، قرآن مجید، پ ۲۶ سورۃ الحجرات، رکوع ۱۔ آیت نمبر۲

۹۳ - احمد رضا خاں بریلوی مولانا، یہی حواشی، حوالہ نمبر۴۳ص ۹۲۷۔

۹۴ - منظور الکونین سید، یہی حواشی، حوالہ نمبر۲۴ص ۴۳۳۔

۹۵ - احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانیؒ، مواہب الدنیہ، ترجمہ از مولوی محمد عبدالجبار خاں (سیرت محمدیہ۔ جلد اول) ص ۲۰۲۔ مکتبہ علمیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ۔

۹۶ - ارشاد شاکر اعوان، مضمون "عربی نعت کا دور اول، بعثت سے ہجرت مدینہ تک" مشمولہ ماہنامہ "فکر و نظر" ص ۹۳ (سیرت نمبر) اسلام آباد، شمارہ فروری ۱۹۸۰ء۔

۹۷ - ارشاد شاکر اعوان، یہی حواشی، حوالہ نمبر۲۶ص ۹۱۔۹۰۔

۹۸ - ارشاد شاکر اعوان، یہی حواشی، حوالہ نمبر۲۶ص ۹۱۔

۹۹ - محمد امداد اللہ مہاجر مکی مولاناؒ، فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵۔ راشد کمپنی دیو بند۔ س۔ ن۔

۱۰۰ - حضرت غلام رسول علوی صاحب مدظلہ، ریٹائرڈ ٹیچر ہیں۔ آقا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے عاشق ہیں خود کو غلام غلامان آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلواتے ہیں۔ ان کا سلسلہ چشتی نظامی اور اویسی ہے۔ پیری مریدی نہیں کرتے البتہ اسلام کی خدمت، مسلمانوں کی بہبود اور مستحقین کی امداد کے لیے ہمیشہ کربستہ رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان و اسلام کا مختصر ترین خلاصہ تعظیم رسولؐ ہے۔ راقم الحروف کو نعت میں "تو" "تم" کے استعمال سے حضرت صاحب ہی نے منع فرمایا اور وہ شروع سے ہی اس بات کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اردو میں صرف "آپ" کے صیغے سے مخاطب کرنا چاہیے۔ اس مضمون کے سلسلے میں بھی ان کی رہنمائی کا اعتراف کرتا ہوں۔ افضال احمد انور گوجروی۔

۱۰۱ - کلام خداوندی، قرآن مجید، پ ا رکوع ۱۳ سورۃ البقرہ آیت ۱۱۵۔

۱۰۲ - محمد اقبال ملک، ذمل حبیب اللہ، ص ۳۰۵ بحوالہ اخفائی ص ۴۴۳۔

۱۰۳ - عبدالمصطفےٰ اعظمی مولانا، کرامات صحابہ ص ۲۵۱۔ مشتاق بک کارنر لاہور س۔ ن۔

۱۰۵ ـ اقبال احمد فاروقی، دیباچہ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ ص ۷ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۳۹۳ھ۔

۱۰۶ ـ افضال احمد انور، ماہنامہ نعت لاہور ص ۱۲۔ (نعت ہی نعت نمبر حصہ سوم)۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴۔

فیصل آباد کا نعتیہ منظر نامہ

شبیر احمد قادری

فیصل آباد وطن پاک کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی شہر ہے مگر صنعت و حرفت میں بھی بین الاقوامی پہچان رکھتا ہے۔ یہاں کے شعرائے کرام جہاں دیگر اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں وہاں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گلہائے عقیدت بھی نچھاور کرتے ہیں۔ متعدد شعرا کا نعتیہ کلام کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ کئی نعتیہ انتخاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل محبت سے داد حاصل کر چکے ہیں۔

خطۂ پنجاب کا شہر ہونے کے ناتے یہاں پنجابی زبان میں خوب نعتیہ شاعری ہوئی ہے۔ قومی زبان اردو کے ساتھ ساتھ شعرا فارسی' عربی اور انگریزی میں بھی نعتیں لکھ کر حضور علیہ السلام سے اپنی عقیدتوں کا اظہار کرتے رہتے ہیں............ یہ وہ شہر ہے جہاں غیر منقوط نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ بغیر حرف الف کے نعتوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس شہر کو یہ تخصص بھی حاصل ہے کہ یہاں نعت گوئی کے حوالے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے تین اور ایم۔ اے پنجابی کا ایک تحقیقی مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید "اردو میں نعت گوئی" اور ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی "برصغیر پاک و ہند میں عربی نعت" ڈاکٹر مظفر عالم جاوید "اردو میلاد نامے" کے موضوع پر پی۔ ایچ ڈی اور سعادت علی ثاقب فیصل آباد کی پنجابی نعت کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ایم۔ اے پنجابی کا مقالہ لکھ چکے ہیں۔ یہ فیصل آباد ہی ہے جہاں سے نعتیہ قطعات اور نعتیہ رباعیات کے باقاعدہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں مجموعے حافظ لدھیانوی کی ذات رسول ؐ سے تعلق خاطر کے ترجمان ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے پنجابی نعتیہ ہائیکو کا مجموعہ "حیّ علی الثناء" کے نام سے شائع ہو چکے ہے............ فیصل آباد میں بچوں کے لیے نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ سرور بجنوری مرحوم کے بچوں کے لیے نعتوں کے دو مجموعے "حمد و نعت" اور نعت و منقبت اس ضمن میں بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں............ خاتون شعرا کے ہاں بھی نعتیہ رجحانات بڑے واضح طور پر دیکھے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ پروفیسر سعیدہ رشم کی پنجابی نعتوں کا ایک مجموعہ "دل تسبیح" کے نام سے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

فیصل آباد سے کئی نعتیہ انتخاب بھی شائع ہو کر مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک نعتیہ انتخاب نعتوں کی خوشبو کے نام سے راقم السطور نے بھی ترتیب دیا ہے۔ آصف بشیر چشتی فیصل آباد ڈویژن کے تینوں اضلاع فیصل آباد' جھنگ اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب ترتیب

دے رہے ہیں جو قریب الاشاعت ہے۔.......... یہ اعزاز بھی فیصل آباد کو حاصل ہے کہ یہاں سے "ہندو شعرا کا نعتیہ کلام" کے نام سے ۱۹۶۲ء میں ایک کتاب شائع ہوئی جس کے مرتب خانی مراد آبادی تھے اور پاکستان میں غیر مسلم شعرا کی نعتوں کا پہلا انتخاب ہے۔

حمد و نعت بک بینک کراچی کے جناب غوث میاں نے اردو نعتیہ مجموعوں اور نعتیہ انتخاب کی جو فہرستیں مرتب کی ہیں ان کا مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ فیصل آباد نعت کے میدان میں خاصا زرخیز شہر ہے۔ غوث میاں کے مطابق کراچی اور لاہور کے بعد فیصل آباد تخلیق و تدوین نعت کے سلسلہ میں تیسرے نمبر پر ہے۔ اگر اس میں نعت کے حوالے سے تحقیقی کاوشوں کو بھی شامل کرلیا جائے تو اس شہر فرخندہ نہاد کو مزید اعتبار حاصل ہو جاتا ہے........ غیر منقوط اردو پنجابی' عربی' فارسی نعتیں اس کے علاوہ ہیں۔ غزلوں اور نظموں کے مجموعوں کے شروع میں شامل نعتوں کا کچھ شمار نہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا مجموعہ کلام ہو گا جس میں حمد کے بعد ایک دو نعتیں شامل نہ ہوں گی........ ایسے بے شمار شاعر ہیں جو باقاعدہ نعت گو شاعر ہیں مگر ان کی کوئی کتاب ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکی.......

گویا فیصل آباد میں تخلیق نعت کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدوین نعت کے ذیل میں بھی قابل قدر کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ یہاں کے شعراء کی نعتوں میں فنی و فکری اور موضوعی حوالے سے وہ تمام پہلو نظر آتے ہیں جو آج کی نعت کے مقتضیات میں سے ہیں۔ فیصل آباد کے شعراء اس صنف اقدس کی مبادیات و ضروریات اور احتیاطات سے کماحقہ' آگاہ ہیں اور یہاں تخلیق ہونے والی نعتیہ شاعری کو دیگر شہروں کے اہل الرائے برابر سراہتے اور خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔ فروغ نعت کے سلسلہ میں نمایاں خدمات کے اعتراف کے طور پر مقامی شعراء قومی سیرت ایوارڈ کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے ملکی و بین الاقوامی ایوارڈ اور اعزازات حاصل کر چکے ہیں۔

فیصل آباد کے پختہ فکر شعراء میں سے خلیق قریشی مرحوم (المتوفی ۱۹۷۴ء) کو اپنی ہمہ رنگ شخصیت کی بدولت بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ غلام رسول خلیق قریشی مرحوم بیک وقت صاحب طرز شاعر عمدہ نثار' پرگو خطیب نباض نقیب' تحریک پاکستان کے مخلص کارکن تھے۔ قیام پاکستان کے فوراً" بعد "لائل پور اخبار" کے ایڈیٹر رہے۔ بعد ازاں اپنا ذاتی اخبار "عوام" کے نام سے جاری کیا جو آج بھی علمی' ادبی سیاسی و سماجی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔

خلیق قریشی مرحوم کے تین مختصر مجموعے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے تھے اور تین مجموعے وفات (۱۹۷۴ء) کے بعد شائع ہوئے ہیں ان میں سے ایک نعتیہ مجموعہ بھی ہے۔ "برگ سدرہ" نامی اس نعتیہ مجموعے میں خلیق مرحوم کی دلآویز نعتیں شامل ہیں ایک نعت کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔

اے صاحب معراج! تری شان بڑی ہے کونین کے سرتاج! تری شان بڑی ہے
جھک جھک کے ترے در کے گداؤں کے جلو میں دیتی ہے شہی باج! تری شان بڑی ہے
خاک رہ بطحا کی بہا کون بتائے ہر ذرّہ ہے ہمراج تری شان بڑی ہے

منظور احمد منظور ان شعراء میں سے ہیں جنہیں فیصل آباد کی ادبی و شعری تاریخ میں ایک معتبر مقام حاصل ہے۔ ان کے دو شعری مجموعے "دیر و حرم" اور "آہنگ نور" قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئے تھے۔ "شاخ طوبیٰ" ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ منظور احمد منظور کی نعت گوئی کے عمل کو پروفیسر محی الدین خلوت خالص اسلامی ذہنیت کا نتیجۂ فکر قرار دیتے ہیں۔

سلام اس پر نہیں ہمسر کوئی جس کا رسولوں میں
نہ ایسا چاند گردوں پر نہ ایسا پھول پھولوں میں

سلام اس پر ہوئی تخلیق جس کی ذات کی خاطر
بنا یہ سلسلہ جس فخر موجودات کی خاطر

سلام اس پر نوازا جس نے آخر زلف گیتی کو
کیا شاداب جس کے فیض نے ہر دل کی کھیتی کو

معاصر نعتیہ منظرنامے میں حافظ لدھیانوی بڑے معروف ناعت ہیں۔ ان کی اب تک پچیس کے قریب مختلف النوع کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں سے پندرہ نعتیہ مجموعے ہیں۔ حافظ لدھیانوی کو نعتیہ ادب میں "مخصوص تخصص" بھی حاصل ہے وہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کے نعتیہ قطعات اور نعتیہ رباعیات کے باقاعدہ مجموعے شائع ہوئے۔ نعتیہ ترانے اور نعتیہ مثنویاں موصوف کی قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں احمد ندیم قاسمی کے بقول حافظ لدھیانوی کے ہاں جذبے کا رچاؤ انتہا پر ہے۔ چنانچہ ان کی نعتوں کے ایک ایک شعر میں معنی و مفہوم کی پوری دنیا آباد ہوتی ہے:

کے خدا کوئی مقامات نہ جانے تیرے سیدی روح دو عالم ہیں ترانے تیرے
ہر گل تازہ سے آئی تری زلفوں کی مہک گیت گائے ہیں بہاروں میں صبا نے تیرے
نور و نکہت سے عبارت ہے سراپا تیرا کیا حسیں نقش بنائے ہیں خدا نے تیرے
تیرے جلووں سے ہے شاداب جہان کہنہ سب زمانے مرے آقا ہیں زمانے تیرے

الحاج صائم چشتی اردو اور پنجابی کے معروف شاعر ہیں۔ چھوٹے بڑے نعتیہ مجموعوں کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ان کا نیا مجموعۂ نعت "جان بہار" کے نام سے شائع ہوا اس میں شامل ایک اردو

نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

حسن محبوب نے عالم کو سجا رکھا ہے رشتہ مخلوق کا خالق سے ملا رکھا ہے
پھولوں میں، چاند میں تاروں میں تبسم ان کا ان کے جلووں کے سوا دنیا میں کیا رکھا ہے

تخلیقِ نعت کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقیدِ نعت کے حوالے سے جہاں نعت کا ایک معتبر نام ڈاکٹر ریاض مجید کا بھی ہے جنہیں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے اردو میں نعت گوئی کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔ پنجابی نعتیہ ہائیکو کے مجموعہ "حیّ علی الثناء" کے بعد اردو نعتوں کا پہلا مجموعہ "اللّٰھم صل علی محمد" ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ اس نعتیہ مجموعے کے ذریعے صوفی محمد افضل فقیر مرحوم کے بقول:

> "ریاض مجید نے عامۃ الناس کے ذوقِ نعت کی سطح کو بلند تر کرنے کی کوشش کی ہے۔"

طبیعت جب کبھی بھی نعت گوئی پر مچلتی ہے صدا صلِّ علیٰ کی ہر بن مو سے نکلتی ہے
بڑے آداب ہیں اس احترام آباد طیبہ کے یہاں نبض جہاں تیز اور ہوا آہستہ چلتی ہے
وہ جس کا نور حسن افزائی جنت کا باعث ہے خوشا قسمت! وہ مشعل میرے طاق جاں میں جلتی ہے

پروفیسر عارف رضا کو ان کے نعتیہ مجموعہ "عطا کی خوشبو" پر ۱۹۹۲ء میں قومی سیرت ایوارڈ مل چکا ہے۔ ان کی نعتیں عقیدت و محبت کا عمدہ نمونہ ہیں۔

نظر میں نور جگر میں قرار ان سے ہے گلِ خیال میں رنگ بہار ان سے ہے
انہی کے نام سے والا تبار ہیں اصحاب ہر اک عظیم کا قائم وقار ان سے ہے
یہ کوہ و دشت، یہ دریا، یہ کہکشاں، یہ فلک عروس دہر کا سارا نکھار ان سے ہے

سید مسرور بدایونی کی نعتوں میں مجبوری کا دکھ اور حضوری کی خواہش ساتھ ساتھ چلتے ہیں "آیۂ رحمت" ان کی ذاتِ والا صفات سے قلبی وابستگی اور دلی عقیدت کا مظہر ہے...... روضۂ رسول پر حاضری کی تڑپ ان کی نعتوں کو سوز و گداز عطا کرتی ہیں:

ایک بکھرے بکھرے منظر کی طرح اڑتا رہا میں کہ خوشبوئے گلِ تر کی طرح اڑتا رہا
خوبصورت کس قدر ہے، اس کا پرواز خیال دل سوئے طیبہ کبوتر کی طرح اڑتا رہا
نور دو عالم سے حاصل روشنی ہو اس لیے میرا دل خورشید خاور کی طرح اڑتا رہا

نادر جاجوی کا شمار فیصل آباد کے انتہائی محترم شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کے اردو پنجابی کے متعدد

مجموعے اور ایک کتاب سیرت "تکریم رسول" بھی شائع ہو چکی ہے "نذرانے" کے نام سے ان کا مجموعہ صنف نعت سے ان کے تعلق خاص کا مظہر ہے:

چھو کے اس زلف معنبر کو ہوا آئی ہے خلد بردوش مرے ذوق کی پہنائی ہے
اک ترے قریہ مہتاب سے نسبت ہے جنہیں ان فقیروں کے تو کشکول میں دارائی ہے
سلسلہ رحمت عالم کا خنک ہے کتنا دھوپ اس کوچۂ محبوب میں دھندلائی ہے

سید محمد امین علی نقوی پر رب عطا کا خاص کرم ہے کہ وہ بیک وقت چار زبانوں میں نعتیہ شاعری کر رہے ہیں اردو' پنجابی' فارسی اور عربی زبانوں پر انہیں عبور حاصل ہے۔ اردو اور عربی کے باقاعدہ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں پنجابی اور فارسی نعتیں بھی شامل ہیں۔ عربی نعتیہ مجموعہ "محمد رسول اللہ" کا تخصص یہ ہے کہ یہ بقول شاعر کے چودہ سو سال میں پہلا عربی مجموعہ ہے جو غیر منقوط نعتوں پر مشتمل ہے۔ اردو کا غیر منقوط مجموعہ "محمد ہی محمد" (۱۹۸۵ء) کا ہر کلمہ اور ہر مصرع اردوئے معراء سے مستور ہے اور مہوولا سے معمور ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شہید کے بقول:

> "حضرت نقوی نے وہ راستہ اپنایا ہے جو مشکل ترین ہی نہیں مشکل ترین کی حدوں سے بھی بہت آگے ہے۔ عام شاعر حروف کو اپنی گرفت میں لے کر معانی کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے لیکن یہاں بہت سے حروف کو اپنی ابجد سے باہر نکالنا پڑا ہے۔" (دیباچہ)

غیر منقوط اردو اور عربی مجموعوں کے علاوہ سید محمد امین علی نقوی کا بغیر حرف الف کے اردو نعتیہ مجموعہ شائع ہو کر نعتیہ ادب کو ایک نئے ذائقہ سے آشنا کر چکا ہے۔ (اس مجموعے کا اختتامی مضمون راقم الحروف کو لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی)۔ "حسن محمد" (۱۹۹۳ء) نامی نعتیہ مجموعے میں شامل بغیر حرف الف کی ایک اردو نعت کے تین شعر آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر:

محمد سید جن و بشر ہیں محمد مرشد فکر و نظر ہیں
محمد مظہر معبود برحق محمد معتمد ہیں معتبر ہیں
محمد سرور ہر ملک و ملت محمد رونق ہر بحر و بر ہیں

سرور بجنوری نے خود کو بچوں کی شاعری کے لیے وقف کر دیا۔ اور بچوں کے لیے نعتوں کی دو کتابیں بچوں کے ادب میں گرانمایہ اضافہ کیا۔ "حمد و نعت" اور "نعت و منقبت" میں شامل ان کی بیشتر نعتیں ایسی ہیں جن سے بچے اور نوجوان اپنی اپنی ذہنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتے ہیں اور آپ سے عقیدت و محبت کو بھی فروغ ملتا ہے "نعت و منقبت" میں شامل بچوں کے لیے سرور بجنوری مرحوم کی ایک

نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

محمد پر جو بشر ایمان لایا
خدا نے مرتبہ اس کا بڑھایا
وہی ممتاز ہیں دونوں جہاں میں
جنہوں نے دل میں درد ان کا بسایا
انہی کے واسطے ہر ایک شے کو
خدا نے اپنی رحمت سے بنایا
ہمیں اب ہر برائی سے بچا کر
چلانا ان کے رستے پر خدایا

ماجد علی کاوش زیدی کا ایک حمدیہ اور ایک نعتیہ مجموعہ ان کی وفات (۳ فروری ۱۹۹۱ء) کے بعد شائع ہوا۔ حمدیہ مجموعہ بحضور حق تعالیٰ ہے جبکہ مدحت خیرالانام کے نام سے نعتیہ مجموعہ مارچ ۱۹۹۱ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ کاوش زیدی کی نعتوں میں اردو نعت گوئی کا وہ مخصوص انداز جھلکتا ہے جو بقول ریاض مجید ہر دور کے عوام میں معروف و مقبول رہا ہے۔

تزئین دو جہان کا ساماں حضور ہیں
افسانۂ حیات کا عنواں حضور ہیں
جس کو کبھی نہ کفر کی پھونکیں بجھا سکیں
ایمان کی وہ شمع فروزاں حضور ہیں
ہے پیروی حضور کی سامان مغفرت
سرمایۂ حیات مسلماں حضور ہیں

محمد افضل خاکسار کا فارسی زبان سے لگاؤ ان کی اردو نعتوں پر بڑے واضح طور پر اثر انداز ہوا ہے......ان کی نعتیں فکری اعتبار سے توانا اور فنی لحاظ سے بڑی پختہ ہوتی ہیں۔ اچھوتے موضوعات کو اچھوتے انداز میں بیان کرنے کا ان کے ہاں شعوری رجحان ملتا ہے:

اللہ رے یہ شان کرم' یہ ادائے خیر
بہر عدو بلند ہیں دست دعائے خیر
معراج نطق کیوں نہ ہو تیری ثنا مجھے
تو ابتدائے خیر ہے تو انتہائے خیر
تیری نقوش پا سے ہے تہذیب کو فروغ
قدموں سے تیرے پھوٹ رہی ہے ضیائے خیر

کوثر علی فیصل آباد کے پختہ اور راست فکر شعراء میں سے ہیں۔ ان کی نعتیں صنف نعت کے تقاضوں پر پورا اترتی ہیں اور وہ نعت لکھتے وقت حد درجہ احتیاط سے کام لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ صنف باقی اصناف سخن کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل ہے اور اس کے تقاضے بھی یکسر مختلف ہیں اس لیے کہ اس کا موضوع ہی مختلف ہے۔ باعث تکوین کائنات کے حضور گلہائے محبت نچھاور کرتے ہوئے ان کے فکرو خیال پر عقیدت کی چادر تنی رہتی ہے۔ ان کی یہ نعت بڑی مقبول ہے:

ایسے خوشبو سے لدی باد بہاری گزری جیسے آقائے دو عالم کی سواری گزری
آج کی رات بھی سونا مرا بیکار گیا آج کی رات بھی دیدار سے عاری گزری
حب احمد کا دل و روح میں چشمہ پھوٹا جسم کو چھوتی ہوئی رحمت باری گزری
شاعری اور بھی کی، داد بھی پائی ہم نے دل کی گہرائی سے پر نعت نگاری گزری

فیصل آباد سے متعلق چند شعراء کے خوبصورت اور منتخب نعتیہ شعر ملاحظہ ہوں:

چمن میں دست صبا گلفشاں ہے ان کے لیے
ظہور صنعت رب جہاں ہے ان کے لیے

طلوع مہر منور ہوا ہے ان کے سبب
دیار شب میں رہ کہکشاں ہے ان کے لیے

ڈاکٹر سید احسن زیدی مرحوم

ان کے قدموں میں سر جھکا کر آج
عرش اعظم کو چھولیا میں نے

ساحر قدوائی

زمیں پر امن کے وہ پھول برساتے ہوئے آئے
وہ عدل و قسط کے انوار پھیلاتے ہوئے آئے

حکیم محمد رمضان اطہر

اپنا لگے جو غیر کو بھی بات بات میں
ایسا ترے سوا نہ ملا کائنات میں

نصرت صدیقی

آپ آئے تو اجالے ہو گئے آپ سے پہلے کہاں تھی زندگی

خالد شبیر احمد

سارا ہر قدم پر ہے تمہارا یا رسول اللہ مقدر کا مرے چمکا ستارا یا رسول اللہ

سکندر ایاز سید

زینت ہر جہاں ہے کون زینت ہر جہاں حضور — رونق ہر مکاں ہے کون' رونق ہر مکان حضور
سینۂ کائنات میں دم سے ہیں کس کے دھڑکنیں — جان و دل جہاں ہے کون جان و دل جہاں حضور

محمد افضل کوٹلوی

خدا کے ساتھ فرشتے درود پڑھتے ہیں — جہاں میں آپ پہ سارے درود پڑھتے ہیں
سیاہ رات کبھی راہ میں نہیں آئی — حضور پاک پہ جب سے درود پڑھتے ہیں

حمید شاکر

میں ادھر کاش کسی نعت کا مقطع لکھوں — اور ادھر روح مری مجھ سے جدا ہو جائے

قمر عباس قمر

میں گنہگار تری نعت بھلا کیا لکھوں — جو بھی لکھوں وہ کسی اور کا لکھا لکھوں

محمود ثنا

قافلے دل سے گزرتے ہیں رہ طیبہ کے — ہر مسافر میری آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

احمد شہباز خاور

اے ہوائے حرم باب الہام و کشف ہنر کھول دے — طائر آشیانہ مدحت ہوں میں میرے پر کھول دے

آمنہ بشیر چشتی

المختصر فیصل آباد میں عصر حاضر میں لکھی جانے والی کم و بیش جملہ اصناف میں نعتیہ شاعری ہو چکی ہے اور یہ سلسلۂ خیر و برکت جاری و ساری ہے۔ فروغ نعت کے سلسلہ میں ریڈیو پاکستان فیصل آباد کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مقامی اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں کے ساتھ ساتھ روزانہ اشاعتوں میں نعتوں کی اشاعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ ادبی تنظیمیں باقاعدہ نعتیہ مشاعرے کرواتی ہیں۔ متعدد اشاعتی ادارے ہیں جو بڑے عمدہ اور معروف نعتیہ مجموعے شائع کر کے دامن علم و ادب مالا مال کر چکے ہیں۔ بیت الادب' نعت' اکادمی' چشتی کتب خانہ' باب الھدیٰ کی اشاعت نعت کے لیے خدمات نسبتاً" زیادہ قابل قدر ہیں ان کے علاوہ بھی کئی اشاعتی ادارے اس صنف خیر کے فروغ اور اشاعت کے لیے کوشاں ہیں۔

اردو میں نعت کا مستقبل (فیچر)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ریڈیو نے ہمارے ادب کو متاثر کیا ہے۔ ریڈیائی یا ریڈیو ڈرامے رسائل میں بھی شائع ہوتے ہیں اور کتابی صورت میں بھی۔
ریڈیائی فیچر میں خاصا تنوع ہوتا ہے۔ فیچر میں موضوع کے مطابق کرداروں کی گنجائش بھی ہوتی ہے، مثلاً کسی ادیب یا شاعر سے متعلق فیچر میں اس کے مکالمے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں ایسے فیچر بھی شائع ہو چکے ہیں
نعت اور اردو نعت سے متعلق فیچر ریڈیو پاکستان کے مختلف اسٹیشنوں سے نشر ہوتے ہیں، مگر ایسا کوئی فیچر اس سے پہلے شاید شائع نہیں ہوا۔
یہ اردو نعت گوئی کا جائزہ نہیں۔ راقم الحروف نے فیچر کے موضوع اور عنوان کو ہر مرحلہ پر پیش نظر رکھا ہے۔ "نعت کا مستقبل" اسی لیے نشر و اشاعت اور برقیاتی وسائل ابلاغ اور نعتیہ محفلوں کا بھی ذکر ہے۔
مجھے احساس ہے کہ اختتامی حصے میں انتخاب کچھ اور طویل ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں عبدالعزیز خالد اور قمر ہاشمی کی نظم مرسل آخر کے بعض ٹکڑے میں نے شامل کئے تھے، لیکن ریڈیو میں وقت کے "جبر" کا سامنا ہوتا ہے، اسی لیے ان حصوں کو خارج کرنا پڑا، اور اس بات کو میں نے پسند نہیں کیا کہ فیچر کی نشریاتی صورت، قرطاسی صورت سے الگ ہو
امید ہے کہ قارئین اس تحریر کو دلچسپی سے پڑھیں گے، اس میں "انتقاد عالیہ" (مہدی الافادی) نہیں ہے، لیکن بہت سی کام کی باتیں آگئی ہیں میں نے نعت گو شعرا کی فہرست سازی نہیں کی ہے۔
سید محمد ابوالخیر کشفی

لے منظر سے ابھرتی ہوئی آواز زیادہ واضح ہوتی ہوئی۔ دور سے قریب آتے ہوئے۔

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب سے تاحشر جو فردا ہے، وہ تنہا تیرا

راوی نمبر ۱: حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کتنے ہی رسول اور ہادی مختلف ادوار اور مختلف اقوام کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے ان سب کا بنیادی پیغام ہدایت ایک ہی تھا جس میں اقوام و ادوار کے تقاضوں کیمطابق جزئیات اور قوانین میں فرق ہوتا۔ آخر وہ مرحلہ آگیا جب انسان نے ذہنی پختگی اور بلوغ حاصل کر لیا' اور اسی بنیاد پر تاریخ کا عہد جدید شروع ہوا اور وہ رسول مبعوث ہوا جس کی رسالت کا دامن' دامن قیامت سے بندھا ہوا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

راوی نمبر ۲:۔ چودہ صدیوں میں کتنے ہی انقلاب آئے وقت کی آنکھ نے کتنی ہی قوموں کا عروج و زوال دیکھا ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بھی کتنے ہی نشیب و فراز آئے اور اس طویل مدت کی اسلامی تاریخ پر جامع ترین تبصرہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ ان کے نام اور ان کے پیغام سے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ کر مسلمان نے ہر پست کو بالا کر دیا۔ وہ جنھوں نے مسلمانوں کو مغلوب کیا۔ بغداد جیسے مرکز تمدن کو تاخت و تاراج کر دیا' انھیں اسلام کی قوت اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ نے فتح کر لیا۔

(تحت میں شعر)

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

راوی نمبر ۱:۔ مدینہ کی اسلامی ریاست کے حدود عہد خلافت راشدہ میں وسیع تر ہوتے گئے' قیصر و کسریٰ کی مملکتیں قصۂ ماضی بن گئیں ان زمینوں پر محمد عربیؐ کے غلاموں نے تمدن کی شمعیں روشن کیں' فلسفہ و علوم کی روشنی نے ذہنوں کو اجال دیا' شعر و ادب کو انسان ساز موضوعات مل گئے۔

راوی نمبر ۲:۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی کی ستیزہ کاری جاری رہی۔ صدیاں گزرتی رہیں اور یہ حقیقت روشن تر ہوتی گئی کہ اب ہر دور' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ زمانے کا حسن انھیں کی ذات تجلیٰ صفات کا پرتو ہے۔ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تاریخ کا تسلسل اور انسان کے ارتقا کی بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔

(دو آوازوں میں یہ شعر پیش کئے جائیں آواز کا فاصلہ گھٹتا بڑھتا تحت کے ساتھ ترنم میں بھی شعروں کی ادائیگی ہو ایک نسوانی آواز بھی استعمال کی جائے۔)

پہلی آواز

سر پر ہر ایک عصر کے احساں برنگ چرخ
چھایا ہوا انھیں کا زمانہ دکھائی دے

دوسری آواز

امین حسن زمانہ وہ ہیں محبتوں کا خزانہ وہ ہیں
وہ روح مستقبل بقا ہیں، تمام ماضی و حال ان کا

پہلی آواز

اک مہر جہاں تاب ابھرتا ہے حرم سے
اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں

(یہ شعر ترنم کے ساتھ)

رمز ہستی، راز فطرت، سرِّ ذات و کائنات
ہر خبر پائی تلاش مصطفیٰ کرتے ہوئے
لوگ چمکاتے چلے جائیں گے اپنے روز و شب
اسوۂ سرکار سے کسبِ ضیاء کرتے ہوئے
التفات سید سادات کب محدود ہے
وسعت دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

آواز سامع: میں ایک عام سامع ہوں اور دخل اندازی پر معذرت خواہ ہوں آپ دونوں معزز راویوں نے جو کچھ فرمایا ہے اور جو شعر ہمیں سنائے ہیں ان سے یہ بات کسی حد تک سامنے آگئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوۂ حسنہ نے ہر دور میں مسلمانوں بلکہ انسانوں کی رہنمائی کی ہے اور ملت اسلامیہ کی بازآفرینی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ نعت گو شاعروں نے ہر عہد کے اجالوں میں سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کلام کا جلوہ دیکھا اور دکھایا ہے چودہ سو سال کی مدت، اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثنا خوانوں نے انسان کے مستقبل کو آپ کی سیرت کردار اور گفتگو سے وابستہ کیا اور انسانیت کو مایوس نہیں ہوئی۔

اب آپ ہمیں یہ بتائیں اور عام زبان میں کہ اردو نعت گوئی "کا مستقبل کیا ہے۔ اور آج نعت گوئی کو جو فروغ حاصل ہے اس کے اسباب کیا ہیں۔

راوی نمبر ۱: بے حد شکریہ آپ نے اپنے تاثر کا اظہار جس سلیقہ سے کیا ہے اسے دخل اندازی

کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ پروگرام آپ کے لیے ہے اور یوں آپ کا ہے۔

(Bridge Music)

راوی نمبر ۲۔ نعت گوئی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عربی زبان میں باضابطہ طور پر شروع ہوئی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کو منبر نبوی پر بیٹھنے اور نعت پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ نعت گوئی کا ایک مقصد کفار کے اعتراضات کا جواب دینا تھا۔ یوں نعت گوئی لفظوں کے ذریعہ جہاد تھی۔ صحابہ کرام زندگی کو نبی آخرالزماں کے حوالے سے دیکھتے اور پیش کرتے تھے۔

راوی نمبر ۱۔ عربی زبان کے بعد فارسی اور بالخصوص اس کی شاعری اسلامی اقدار و تصورات کی مظہر بنی بعض لوگ تصوف کو اسلام کی زمین میں ایک اجنبی پودا کہتے ہیں یہ بات اس تصوف کے لیے تو درست ہے جو ہندی اور عجمی تصورات کو اپنی بنیاد بناتا ہے لیکن ہمارے عظیم صوفیوں نے سلوک، تزکیۂ نفس اور احسان کو تصوف کی اساس بنایا ہے۔ یہ تصوف دنیا سے بے نیازی، خدا سے قربت اور مخلوق کی خدمت کا نام ہے فارسی شاعری اسی تصوف کی امین ہے اور فارسی شعرا نے عقیدت اور محبت، جذبہ اور فکر کو نعت گوئی میں یوں جمع کیا ہے کہ فارسی نعت، اعلےٰ ترین شاعری بن گئی۔

راوی نمبر ۲۔ اردو میں دکنی دور ہی سے شاعر نعت گوئی کی طرف متوجہ ہوئے گول کنڈا اور بیجاپور کے فرماں روا ربیع الاول کی تقریبات بڑے اہتمام سے مناتے تھے۔ ان تقریبوں کے لیے وہ خود اور ان کے شاعر نعت کہتے تھے جب اردو شاعری کا مرکز دلیؔ منتقل ہوا تو اردو شاعری کی طرح نعت کے اسالیب اور زبان میں نکھار پیدا ہوا۔ نعت گوئی صرف باعث ثواب عمل ہی نہیں رہی بلکہ اسے فنی اعتبار بھی حاصل ہوا۔ میر تقی میر جیسے عظیم شاعر نے کہا،

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسولؐ کا

راوی نمبر ۱۔ میر تقی، سودا، انشاءاللہ خاں انشاء، مصحفی، نظیر اکبر آبادی اور ان کے دوسرے معاصرین کے ہاں یادگار نعتیں ملتی ہیں۔ یہ دور اجتماعی انتشار کا دور تھا معاشرے میں اقدار بکھر رہی تھیں۔ اخلاقی ضوابط دم توڑ رہے تھے۔ ان حالات میں شاعروں کے سامنے انسانی شرافت اور اخلاق و کردار کی ایک ہی مثال تھی جس سے صدیاں روشن تھیں۔ اور ان کے دور میں بھی اسی مثال کا سایہ نور بن کر ان کے دلوں کو منور کر رہا تھا۔ ان کے معاشرے میں جو خوبیاں نظر آرہی تھیں وہ اسی مثال کی بازگشت کا درجہ رکھتی تھیں۔

راوی نمبر ۲۔ شاعر صداقت، خیر اور حسن کے متلاشی ہوتے ہیں اور انہیں تین عظیم اقدار کے سہارے اپنے فکر و فن کے نقوش بناتے ہیں اور ایک مثالیہ کو جنم دیتے ہیں شاعروں کو یہ تینوں بنیادی اور اساسی اقدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات اور اقوال میں نظر آئیں میر نے

اپنی خاطر کے حزن کو دور کرنے کے لیے رسول کائنات سے رجوع کیا۔

(شعر خوانی)

جرم کی کھو شرمگینی یا رسولؐ اور خاطر کی حزینی یا رسولؐ
ہمچوں ہوں نقصان دینی یا رسولؐ تیری رحمت ہے یقینی یا رسولؐ
رحمۃ للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

(Short Bridge Music)

راوی نمبرا:۔ انیسویں صدی کے نصف اول تک نام کی مغل سلطنت قائم تھی، اگرچہ دیوار تاریخ پر لکھی ہوئی تحریر اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں غیر ملکی غلامی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ شاہ عالم ثانی ۱۸۰۳ء میں دلّی میں جنرل لیک کی مدد سے داخل ہو سکے۔ زبان خلق پر یہ الفاظ ضرب المثل بن چکے تھے۔ "سلطنت شاہ عالم..... از دلّی تا پالم"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے حضرت سید احمد شہید کا جہاد اور شہادت ہماری تاریخ کا ایک زندہ باب ہے۔ مومن خاں مومن اس تحریک کے عظیم شاعر تھے اور انہیں اردو کا پہلا قومی شاعر کہنا درست ہو گا شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں "مومن نے مولانا سید احمد کے خیالات کی ترجمانی اس طرح کی جس طرح بعد میں علی گڑھ تحریک کی حالی نے"

راوی نمبر ۲:۔ ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہید کی شہادت مومن کے لیے بڑا سانحہ تھی ان کے لیے دنیا ایک دشت بن گئی اور ان کی ذات جیسے آہوئے سراسیمہ کی مثال ہو گئی۔ اپنے لیے اور ملت اسلامیہ کے لیے منزل مراد کی تلاش ان کی ذہنی کاوشوں کا حاصل ٹھہری۔ وہ اپنی جستجو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوئے اور اس خطاب کو حضرت قدسی نے آسان بنا دیا انہوں نے قدسی علیہ الرحمہ کی نعت کی تضمین کی اور یہ تضمین قدسی کی طرح ان کی صحت کا وسیلہ اور ذریعہ بنی۔ مومن نے اپنے تخلص کا استعمال یوں کیا ہے کہ اس میں عمومیت پیدا ہو گئی ہے۔

(نظم خوانی تحت اللفظ)

دشت عالم میں سراسیمہ گزاری اوقات آج تک منزل مقصود نہ پائی ہیہات
مدد اے خضر کرامت کہ نہیں پائے ثبات باہمہ تشنہ دہانیم و توی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

مومن زار کی صحت کا نہ تھا کچھ اسلوب نہ دوا اور نہ پرہیز مرض حرص و ذنوب
یہ ترا لطف ہے اعجاز مسیحا سے بھی خوب یا طبیب الفقراء انت شفاء القلوب

زاں سبب آمدہ قدسی پے درماں طلبی

راوی نمبرا:۔ ۱۸۵۷ء میں برِ عظیم برطانیہ کے زیرِ نگیں آگیا۔ دہلی کی مسلم سلطنت کی حیثیت ایک تہذیبی علامت سے زیادہ نہ تھی اور یہ علامت بھی ختم ہو گئی۔ اس وقت مسلمانوں کی جو کیفیت تھی اور زوال وانتشار کی جو منزل تھی شاید اس کی ایک جھلک اس شعر میں نظر آسکے۔

چمکا ہے مقدر کیا اس تیرہ نصیبی کا
سورج بھی شب غم کا پرچم نظر آتا ہے

اب ملت کے لبوں پر یا تو مناجات تھی یا اپنے رسول کے حضور اس کی فریاد تھی۔

راوی نمبر ۳:۔ آخر اسی تاریک رات کے بطن سے ہماری حیات نو اور نشاۃ الثانیہ کا سورج طلوع ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام دینی اور فکری استحکام کا باعث بنا اور دوسری طرف سرسید کے مدرسۃ العلوم نے دین سے وابستگی کا رشتہ عقلیت پسندی اور نئے حقائق کے ادراک سے جوڑا اس دور کے اردو ادب اور بالخصوص شاعری کا حصہ ان عملی کوششوں سے کم نہیں سرسید، حالی، شبلی، نذیر احمد، عبدالحلیم شرر نے ہمیں ملی تشخص عطا کیا، ہمیں اپنے ماضی پر شرمندگی سے بچالیا، حال کی تعمیر کے لیے ہمیں حوصلہ بخشا اور اسی کے ساتھ ساتھ ہم مستقبل کے امکانات سے آشنا ہوئے۔

راوی نمبرا:۔ اب تک نعت ہماری شاعری کی روایت میں تو شامل تھی، مگر اسے ایک باضابطہ صنف سخن کی حیثیت حاصل نہ تھی، لیکن اس بحران سے نکلنے کی فکری جدوجہد نے نعت کے خط و خال کو اور روشن کیا اور پہلی بار ہماری ادبی تاریخ میں نعت گوئی ہمارے شاعروں کی دنیائے فن کی مسند نشیں بن گئی کرامت علی شہیدی، امیر مینائی، محسن کاکوروی اور حالی کے بعد مولانا احمد رضا خاں، حسرت موہانی، اقبال، ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہر نے اردو نعت کو وسعت آشنا کیا۔

یہی وہ مرحلہ تھا جب حالی نے اپنے مسدس مدّوجزر اسلام میں سرور کائنات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالی کے علاوہ ان کے اوصاف حمیدہ اور انسانیت ساز کارنامے اور پیغام کی طرف توجہ کی۔

راوی نمبر ۲:۔ اسی مرحلے پر حالی کو احساس ہوا کہ اپنے زوال، پستی اور ادبار سے مسلمان کے جذبات میں جمود آگیا اور اس جمود کو توڑنے کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ اسے آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ تک پہنچا دیا جائے وہ ان کے وجود کی معنویت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرے وہ اپنے آپ کو مواجہ شریف میں کھڑا ہوا پائے چشم نم اور دھڑکتے ہوئے دل اور لرزاں جسم و روح کے ساتھ وہ حضور سے اپنی باز یافت کی دعا کرے۔

(نظم خوانی)

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے
فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہباں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

راوی نمبر ۲۔ حالی کی مسدس اور عرض حال بہ جناب سرور کائنات ہماری قومی زندگی اور ملی جدوجہد کا حصہ بن گئی۔ قومی اور ملی جلسوں میں اور تقریبوں میں "اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے" کی صدا گونجنے لگی۔ حالی اور اقبال کی آواز نے اسم محمدؐ کو نعرۂ نصرت میں بدل دیا۔ مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی نعت اگرچہ شخصی واردات اور نغمۂ قلب ہے، مگر اس میں بھی اجتماعی زندگی کے حوالے موجود ہیں۔

ابر نیساں مومنوں کو، تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

راوی نمبر ۱۔ حالی کے بعد اقبال نعتیہ شاعری میں نئی رفعتوں کے امین بن کر آئے۔ اقبال نے اردو میں باضابطہ نعتیں نہیں لکھیں اور جو دو ایک نعتیں لکھیں بھی تو انہیں بعد میں اپنے مجموعوں کا حصہ نہیں بنایا، لیکن اقبال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کائنات کو دیکھتے ہیں اور کائنات کے تناظر میں انسانیت کے نجات دہندہ اور انسانیت کے درماں کی ذات کو پیش کرتے ہیں۔ جہان رنگ و بو محمد عربی کی نظر اور التفات کا نام ہے جہاں کہیں خاک سے آرزو کے پھول اپنی جلوہ آرائی کر رہے ہیں یا تو وہ نور مصطفےٰ کا عکس ہیں یا تلاش مصطفیٰ میں سفر کر رہے ہیں۔

راوی نمبر ۲۔ اقبال نے عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات نظم کئے، اپنے عہد کے معاشرے اور سیاست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تبصرے کئے، آپ کے نام کی جاں بخشی کے احساس کو عام کیا۔ آیئے تفصیلات سے بچتے ہوئے اقبال کے کچھ نعتیہ شعر سنئے کہ یہی اشعار

اقبال کی نعت گوئی پر بہترین تبصرے کا درجہ رکھتے ہیں۔

(تیزی کے ساتھ ایک مردانہ اور ایک نسوانی آواز میں اشعار اقبال پیش کئے جائیں۔)

پہلی آواز

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دوسری آواز

وہ دانائے سُبل، مولائے کل، ختم الرسل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

پہلی آواز

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

دوسری آواز

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

راوی نمبر۱:۔ بیسویں صدی

سامع معاف کیجئے گا آپ ہی نے تو کہا کہ اقبال نے اپنے عہد کی سیاست پر بھی نعت کے حوالے سے تبصرے کئے کیا آپ ان کے اس شعر کو نعت گوئی میں شامل نہیں کریں گے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

راوی نمبر۱:۔ آپ نے ہمارے اس معروضہ پر توجہ نہیں فرمائی کہ اقبال کائنات کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ "ساقی نامہ" میں ساقی کی علامت بھی فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

راوی نمبر۱:۔ میں یہ عرض کررہا تھا کہ بیسویں صدی میں آزادی کی جدوجہد تیز تر ہوگئی۔ ان مجاہدین آزادی میں کئی اردو کے نامور شاعر تھے۔ حسرت موہانی پہلے رہنما تھے جنہوں نے آزادیٔ کامل کا مطالبہ کیا' مولانا محمد علی جوہر تو امام حریت تھے۔ ظفر علی خان کاروان آزادی کے نقیب تھے اور ان سب کے قلب و نظر کی قوت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنی ایک نعتیہ غزل کے مقطع میں فرمایا۔

ڈر غلبۂ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک
فرمائیں مدد سید والائے مدینہ

مولانا ظفر علی خاں شمع ناموس رسالت کے پروانے تھے۔ ان کا یہ اعلان سنئے

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

مولانا ظفر علی خاں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے لیے مومنوں کی دنیا کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ یہ وہ ذات تھی جو پست ماندہ افراد و اقوام کے لیے بلندی کی علامت تھی۔ ان کے لہجے کا ادب اور سلیقہ ملاحظہ ہو

(شعر خوانی)

دل جس سے زندہ ہے' وہ تمنا تمہیں تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو
دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو
گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے اے تاج دار یثرب و بطحا تمہیں تو ہو

راوی نمبر۲:۔ حسرت' ظفر علی خاں اور جوہر کے دوسرے ہم عصر نعت گو شعراء میں اصغر گونڈوی' جگر مراد آبادی اور اقبال سہیل اعظمی شامل ہیں۔ ان شعرا کے بعد حفیظ جالندھری' بہزاد لکھنوی' ماہر القادری اور حمید لکھنوی نے نعت عقیدت کو نئی سمتوں سے آشنا کیا۔ حفیظ جالندھری کے شاہ نامہ اسلام کی پہلی جلد تو منظوم سیرت رسول کریم ہے۔ حفیظ کی مختصر نعتیہ نظموں میں عہد حاضر کے مسائل اور چیلنجوں کا واضح اشارہ ہے۔ حفیظ کی طرح ماہر القادری بھی اسلامی تحریک کے شاعر تھے ان کی نعتیں صرف حال کے ہی نہیں بلکہ مستقبل کے ان جدوجہد کرنے والوں کی رہنمائی کرتی رہیں گی جو کمزوروں اور زیردستوں کے حقوق کی جنگ لڑیں گے جو نسل پرستی لادینی قوتوں اور سرمایہ داری کے خلاف جہاد کریں گے۔ حفیظ جالندھری کی ایک نعت کے چند شعر

(نظم خوانی)

غلاموں کو سریر سلطنت پہ جس نے بٹھلایا یتیموں کے سروں پر کردیا اقبال کا سایا
گداؤں کو شہنشاہی کے قابل کردیا جس نے غرور نسل کا افسوں باطل کردیا جس نے
دلایا جس نے حق انسان کو عالی تباری کا شکستہ کردیا ٹھوکر سے بت سرمایہ داری کا

راوی نمبرا:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں احسانات کو مولانا ماہر القادری نے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ہاں حفیظ کا بیانیہ اسلوب نہیں' بلکہ وہ غزل کے انداز کو تسلسل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(نظم خوانی)

وہ مکہ کی سختی' وہ طائف کا منظر محمدؐ خدا کی رضا بن کے آئے
امیروں کو راز اخوت بتایا غریبوں کے حاجت روا بن کے آئے
زمانے کی سوکھی ہوئی کھیتیوں پر گھٹا بن کے برسے' ہوا بن کے آئے

(Bridge Music)

راوی نمبر۲:۔ قیام پاکستان تک نعت گوئی کے اس قافلے میں نئے شاعر شامل ہوتے گئے پاکستان بننے کے بعد ہمارے لیے زندگی کا مفہوم بدل گیا۔ آزادی سب سے بڑا بوجھ ہے جو انسان اپنے کندھوں پر اٹھا سکتا ہے۔ اور پاکستان کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ اسے عہد حاضر میں اسلامی اصولوں کی تجربہ گاہ بنایا جائے پاکستانی نعت میں یہی پہلو نمایاں ہے۔

راوی نمبرا:۔ اقبال کا شعر ہے۔

انساں کو ثبات کی طلب ہے دستور حیات کی طلب ہے

اور اس کائنات میں جس کا دستور ہی تغیر ہے صرف اسلام ہی قائم رہنے والا دستور حیات ہے اور محمد عربی کی ذات ثبات کی علامت ہے

فنا کے دشت میں ہے روضۂ بقا کی طرح

قیام پاکستان سے پہلے اقبال' حفیظ اور ماہر القادری وغیرہ کی نعت گوئی میں یہ پہلو موجود تھا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی تکمیل کا مسئلہ تھا۔ آزادی خود منزل نہیں ہوتی' ہاں منزل کی راہوں کو ہمارے سامنے لے آتی ہے۔

پاکستانی نعت' نعت گوئی کا حال ہی نقش فردا بھی ہے۔ آپ کی نعت میں شعور کی شمعیں روشن ہیں۔ یہ نعت کار حیات اور ہنگامۂ ہستی کو ہمارے لیے سہل کرتی ہے۔ چند پاکستانی شعرا کے شعر مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں محض مثال کے طور پر ورنہ

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

اور تقدیم و تاخیر کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

مستقبل تہذیب ہے مخدوش، نہ جب تک
دستور زمانہ بنے قرآن محمدؐ

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

چار سو اک مہیب تاریکی ہر طرف مطلع جہاں پہ غبار
تیرے انفاس روح پرور سے آگئی گلشن جہاں میں بہار
جاگ اٹھا بخت خفتہ انساں آگئی ہاتھ دولت بیدار

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

اس معمورہ سے تیرہ شبی کم نہیں ہوتی
دنیا کو روشنی کی ضرورت ہے آپؐ سے

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

تو مظہر انصاف ہے تو روح مساوات
کیا وصف بیاں ہو ترے اطوار حسیں کا

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

آتے ہوئے دنوں سے بھی مجھ کو کوئی خطر نہیں
ماضی و حال میں بھی جب پورا ہوا کہا ترا

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

وہ آبرو کہ ہے محروم آدمی جس سے
حضور سرور کون و مکاں سے ملتی ہے

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبۂ بیمار یہ اپنی گرمئ گفتار، پستئ کردار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی تکرار حسین لفظوں کے انبار اڑ گیا مضموں
میں ایک نعت لکھوں، سوچتا ہوں کیسے لکھوں

راوی نمبر۲:۔

(آواز)

ملک خدا پھر تنگ ہے ہم پر، آؤ پھر ان کو یاد کریں
پہلے بھی جب وقت پڑا ہے، ان کا نام ہی کام آیا ہے

(Bridge Music)

راوی نمبر۱:۔ نعت کی صنف کسی شعری پیکر تک محدود نہیں۔ نعت ہر فارم اور ہیئت میں کہی گئی ہے۔ غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ، مسدّس اور مخمس وغیرہ کے بعد آزاد نظم نثری نظم اور ہائکو۔ اس تنوع کو بھی اس دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

راوی نمبر۱:۔ جب ہم پر وقت پڑا تو ان کا نام اللہ کے نام کے بعد ہماری محفلوں اور مجلسوں میں گونج اٹھا آٹھویں عشرے سے نعت گوئی اور نعت خوانی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ ہر جلسہ میں تلاوت قرآن پاک کے بعد نعت خوانی لازم ہو گئی۔ نعت خوانوں کو برقیاتی ذرائع ابلاغ یعنی ٹیلی ویژن ریڈیو کے ذریعہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ محمد اعظم چشتی، قاری وحید ظفر قاسمی، خورشید احمد اور صدیق اسمٰعیل وغیرہ کی آواز کراچی سے خیبر تک گونج اٹھی خواتین نعت خوانوں میں منیبہ شیخ اور امّ حبیبہ کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔

راوی نمبر۲:۔ بعض معتبر اور اچھے نعت گو شعراء جو اپنا کلام ترنم سے پڑھتے تھے وہ بھی نعت خوانوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ ایسے شاعروں میں مظفر وارثی اور صبیح رحمانی کے نام سب سے پہلے ذہن میں آتے ہیں۔ اعظم چشتی مرحوم بھی آخری زمانے میں نعت کہنے لگے تھے۔

راوی نمبر۱:۔ عہد حاضر میں نعت سے متعلق رسالے شائع ہونے لگے ہیں۔ راجا رشید محمود کے نعت اور شہزاد احمد کے حمد و نعت کے بعد صبیح رحمانی کے نعت رنگ نے نعت سے متعلق صحافت کو ایک نیا افق دے دیا ہے۔ مسائل نعت پر اس سے پہلے فکر کا یہ سلسلہ ہمیں نظر نہیں آتا اور یہ سلسلہ ہماری ادبی فضا کا حصہ بن گیا ہے اسی طرح نعت کے مجموعوں پر انعامات کا سلسلہ بھی نعت گوئی کے فروغ میں ایک اہم عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔ وزارت مذہبی امور کے علاوہ بعض بنک ادارے بھی سالانہ انعامات

دے رہے ہیں۔ ان میں حضرت حسان حمد و نعت بک بینک کا نام نمایاں ہے۔

راوی نمبر۲:۔ اب ادبی رسائل و جرائد کے علاوہ نعت کے انتخاب بھی تواتر سے شائع ہو رہے ہیں حفیظ تائب کا انتخاب "بہار نعت" ادبی نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں شفیق بریلوی کے "ارمغان نعت" مین بہت وسعت اور تنوع ہے۔ اب مختلف شہروں کے حوالے سے نعتیہ انتخاب شائع ہو رہے ہیں صبیح رحمانی کے ایوان نعت میں کراچی کے زندہ شعرا کی نعتیں شامل ہیں۔ ملتان کے شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب مرتضیٰ اشعر نے "م۔ محمد" کے نام سے مرتب کیا ہے۔

نعت خوانی کا یہ فروغ' یہ نعتیہ انتخابات اور نعت سے متعلق یہ رسائل اردو میں نعت گوئی کے مستقبل کے روشن امکانات کا اشارہ ہیں۔

یہ صنف ہائکو کے بعد واکا میں بھی نعت کا آغاز ہو چکا ہے

یوں نعت کے طفیل ایک نئی صنف سخن کو سربلندی مل گئی ہے۔ حضور کے ذکر کے لیے کوئی صنف اجنبی نہیں۔

آزاد نظم میں بڑے امکانات ہیں کیونکہ قافیہ اور ردیف شاعر کے راستے کی رکاوٹ نہیں۔ قمر ہاشمی کی مرسل آخر ایک طویل نظم ہے جس کا بیشتر حصہ نظم آزاد میں ہے۔

راوی نمبر۲:۔ صبیح رحمانی کے دو نعتیہ ہائکو ملاحظہ ہوں

(آواز)

کھولے سب جوہر
آپ نے نوع انساں کو
فکر نو دے کر

(آواز' دوسری)

لکھیے ان کا نام
اجلے موسم اتریں گے
دل پر صبح و شام

راوی نمبر۲:۔ نعت گوئی کو صرف شاعری تک محدود کرنا بھی اردو نعت کی روایت کے ساتھ ایک طرح کی ناانصافی ہے۔ شبلی کا ظہور قدسی بہت خوبصورت نعت ہی تو ہے شاعرانہ اور تخلیقی جذبہ کا اظہار تخلیقی نثر میں بھی کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے۔ شبلی کے علاوہ خواجہ حسن نظامی کی نثری نعتوں کو بھلا کون نظرانداز کر سکتا ہے۔

راوی نمبر۱:۔ نعت گوئی کے مستقبل کے ایک پہلو کا اظہار غیر مسلم شعرا کے نعتیں بھی ہیں۔ ہندو

شاعروں نے ہر دور میں نعت کہی ہے، لیکن عہد حاضر کے بعض شاعروں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کو نئے انداز سے دیکھا اور دکھایا ہے۔ ایسے شاعروں میں فراق گورکھپوری تلوک چند محروم، ہری چند اختر اور جگن ناتھ آزاد کے نام ممتاز ہیں۔ آزاد کے سلام کے دو شعر آپ کے حسن سماعت کی نذر ہیں۔

(آواز)

سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضریٰ
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا
سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رنگیں بیانی کا

راوی نمبر ۲:۔ اور آخر میں یہ بات عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہو گا کہ ہم نے اردو نعت کے مستقبل کا جائزہ اس کے ماضی اور حال کے آئینے میں لیا ہے۔ یہ فیچر نعت گوئی کے تمام رجحانات اور اہم نعت گو شعرا کا احاطہ نہیں کرتا ہے۔ خدا حافظ

سامع کی آواز: آپ کی یہ وضاحت بہت مناسب ہے جی چاہتا ہے کہ جوش ملیح آبادی کے مسدس ولادت رسول کا ایک بند میں بھی پیش کر دوں

راوی نمبر ۲:۔ ضرور

سامع:

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر حشر تک طالع رہے گی تیرے جلوؤں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا اے ہادئ نوع بشر مرد یوں مرتیں لگاتے ہیں جبین وقت پر
کروٹیں دنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

نعت خوان و نعت نگار محمد اعظم چشتی

پروفیسر حفیظ تائب

محمد اعظم چشتی نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک لحن و سخن کا جادو جگاتے رہے اور انہیں خواص و عوام کی محبوبیت کا شرف حاصل رہا۔ انہوں نے نعت خوانی و نعت گوئی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ چنانچہ اس وقت جتنے بڑے نعت خواں موجود ہیں انہوں نے یا تو براہ راست محمد اعظم چشتی سے استفادہ کیا ہے یا پھر بالواسط اور غیر شعوری طور پر ان تک حضرت چشتی کا فیض پہنچا ہے۔ نعت خوانی میں انہیں وہ عروج نصیب ہوا کہ ان کی نعت نگاری کی طرف اہل ادب نے کم کم دھیان دیا' حالانکہ وہ اس میدان میں بھی رہنمایانہ کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

محمد اعظم چشتی مزاجاً "ذہن جدید کی نمائندگی کرتے رہے' حالانکہ مختلف علوم و فنون والسنہ میں دسترس حاصل کرنے کے اعتبار سے ان کا ذوق اسلاف سے ملتا تھا۔ ان کے ذہنی پس منظر کو ظاہر کرنے کے لیے' ان کی زندگی کے کچھ کوائف پیش کرتا ہوں' جو ان کے تصدیق شدہ ہیں۔

محمد اعظم ۱۵۔ مارچ ۱۹۲۱ء کو ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں برج چک نمبر ۱۰۲ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام محمد دین چشتی تھا' جو عالم' صوفی' طبیب اور درویش منش انسان تھے۔ مجھے ان کی زیارت کی سعادت اکثر نصیب ہوئی محمد اعظم نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے گاؤں کے اسکول میں دعا کہلواتے کہلواتے نعتیں بھی پڑھنے لگے۔ پھر چک جھمرہ کے ہائی اسکول تک جاتے جاتے وہ نعت خوانی میں مصروف ہو گئے۔

۱۹۳۷ء میں جب محمد اعظم' سید ہجویر رحمتہ اللہ علیہ کے قطب الارشاد لاہور میں پہنچے تو ابھی جوانی کی سرحد میں داخل ہو ہی رہے تھے۔ وہ خوش طبع و خوش گلو بھی تھے اور خوب رو بھی۔ چنانچہ آواز کا جادو جگاتے ہوئے جلد ہی زندہ دلان لاہور کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ جمعرات کی شب وہ داتا حضور رحمتہ اللہ علیہ کے دربار فیض بار میں نعت خوانی کرتے تو جمعتہ المبارک کے وقت مسجد وزیر خاں میں نمازیوں کو جذب و شوق کا سامان مہیا کرتے۔ لاہور میں نعت خوانی کے لیے حکیم فضل الٰہی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے' لیکن اصل استاد ان کی اپنی طبیعت ثابت ہوئی اور جلد ہی وہ لاہور سے باہر دور دور تک نعت خوانی کے لیے بلائے جانے لگے۔

جلد ہی وہ دوسرے بزرگوں کی اردو پنجابی نعتوں کے ساتھ ساتھ اپنی کہی ہوئی پنجابی نعتیں اور غزل کے انداز میں کہی ہوئی اردو نعتیں بھی پڑھنے لگے مشغلۂ نعت گوئی و نعت خوانی کے ساتھ دینی و طبی علم

حاصل کرنے کا جذبہ بھی دل میں موجزن تھا۔ چنانچہ ابوالحسنات مولانا سید محمد احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور درس نظامی اور طب اسلامی میں خاصی استعداد پیدا کرلی۔ اس سے قبل وہ اپنے والد بزرگوار سے فارسی ادبیات کی کئی اہم کتابیں پڑھ چکے تھے اور فارسی میں شعر بھی کہنے لگے تھے۔ وہ علم موسیقی سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے استاد برکت علی خاں سے بھی استفادہ کرتے رہے۔

ان کی اپنی کہی ہوئی نعتیں جلد ہی مقبول ہونے لگیں تو حافظ برکت علی قادری رحمتہ اللہ علیہ نے مختصر سا مجموعہ بھی چھپوا دیا۔ کلام اعظم کے نام سے یہ مجموعہ کئی بار چھپا اور ۱۹۳۸ء ہی میں ان کے پیر خانے چکوڑی شریف کے خدام کی طرف سے بھی چھاپا گیا۔ اسی اثنا میں انہوں نے فن کتابت میں بھی پوری مہارت حاصل کرلی۔

۱۹۴۰ء میں جب تحریک پاکستان چلی تو محمد اعظم چشتی، علمائے کرام، مشائخ عظام اور مسلم لیگی لیڈروں کے ہمراہ ملک بھر کے دوروں میں شریک ہو کر شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ مسلمانوں کے دل نغمات نعت سے گرماتے رہے اور یوں انہوں نے قریۂ عشق محمدؐ پاکستان کے قیام میں بھرپور کردار ادا کیا۔

۱۹۴۴ء میں مجموعۂ شاعری "غذائے روح" پہلی بار شائع ہوا، جس میں نعتوں کے علاوہ غزلیں بھی شامل تھیں۔ قیام پاکستان کے وقت ان کی بہت سی نعتیں شہروں اور دیہاتوں میں یکساں گونج رہی تھیں۔ ایک مقبول ترین نعت کے دو اشعار سے اس وقت کے رنگ نعت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

سارے جگ توں نرالیاں وسدیاں نیں عربی سرکارؐ دیاں گلیاں
کوہ طور تائیں شرمندہ کرن خالق دے یار دیاں گلیاں
پچھ جبرائیلؑ امیں کولوں پچھ مالک یوم الدیں کولوں
چنگیاں نیں عرش بریں کولوں مدنی دلدار دیاں گلیاں

محمد اعظم چشتی کی طبیعت کا ایک خاص وصف یہ رہا کہ وہ عوامی مقبولیت سے کبھی مطمئن نہ ہوئے، کیونکہ اردو فارسی کی کلاسیکی شاعری کے مطالعہ کی بدولت ان کا ذہن بلند سے بلند تر ہو رہا تھا۔ لہذا بہتر سے بہتر شعر کہنے کی لگن بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ چنانچہ ان کے دوسرے مجموعۂ شاعری "رنگ وبو" (جو پہلی بار ۱۹۵۳ء میں چھپا) میں ایسے بہت سے اشعار موجود ہیں جو ادبی معیارات پر فائز تھے اس دور کی ایک نعت سے ایک نمونہ ؎

تمہارے آنے سے پہلے کیا تھی ہمارے صبح و مسا کی صورت
نہ کوئی مونس، نہ کوئی ساتھی پڑے تھے بس نقش پا کی صورت

ان کے مخاطب، عوام کی پسند، ان کا دامن دل کھینچتی رہی، مگر وہ اپنی دھن میں آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ صوفی تبسم مرحوم اور فیض صاحب کی خصوصی صحبتوں، حضرت احمد ندیم قاسمی کی محبتوں،

شہزاد احمد اور دوسرے معاصر شعرا کی رفاقتوں نے انہیں اتنی ادبی فضا مہیا کی اور وہ شعری معارف و جمالیات کی بھرپور آگاہی حاصل کرکے' اپنے کلام کو مسلسل نکھارتے چلے گئے۔ یہ عاجز بھی ان کا شریک سفر رہا اور صوفی و فیض سے ان کے مراسم سے پہلے ہم لوگ سید عابد علی عابد' علامہ لطیف انور' قتیل شفائی سے بھی ملاقاتیں کرتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں "نیر اعظم" کی اشاعت تک ایک نہایت خوش گوار تبدیلی ان کے کلام میں رونما ہو چکی تھی۔ اور وہ ادبی انفرادیت کے سفر میں آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ اس تبدیلی کا احساس ایک شعر میں یوں ظاہر ہوا ۔

نعت کا رنگ جو بدلا تو میں سمجھا اعظم
پہلے میں کہتا تھا اب کوئی کہلواتا ہے

اس دور میں تغزل کے ساتھ ساتھ انہوں نے قصیدہ کی روایت سے بھی بھرپو استفادہ کرکے نعت کو مزید آگے بڑھایا اور قرآن و سیرت کے مضامین کو نہایت خوبی سے نعتیہ قصائد میں سمویا ۔

سینہ آئینۂ الم نشرح دل خدا کی امانتوں کا مقام
تھا یہی انشراحِ صدر کا راز اس سے لینا تھا آئنے کا کام
ہاتھ مشکل کشائیوں کی کلید جس سے کھل جائے ہر در انعام
ہیں ید اللہ فوق اید-ہم انہی ہاتھوں میں دو جہاں کی زمام
خاک نعلین پاک وہ جس سے عرش کے بھی چمک اٹھیں درو بام

اس زمانے میں محمد اعظم چشتی نے پنجابی نعت کے سرمائے میں اضافے کی غرض سے مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کی کچھ فارسی نعتوں کو نہایت کامیابی سے پنجابی جامہ پہنایا۔ ساتھ ہی ساتھ پنجابی نعت کی متصوفانہ روایت کو دوہے لکھ کر آگے بڑھایا اور کتاب "انیندر رنے" ۱۹۷۴ء میں چھپ کر سامنے آئی۔

فن نعت میں ان کے عہد آفرین حصے کا قومی سطح پر بھی اعتراف کیا گیا اور انہیں ۱۹۷۹ء میں صدارتی تمغہ حسن کارکردگی دیا گیا۔ ان کی بے پناہ تخلیقی قوتوں اور صلاحیتوں کو اب بھی قرار نہ آیا' بلکہ لگن اور تڑپ میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا گذشتہ تین دہائیوں میں تبدریج نعت گوئی کو نہایت سازگار فضا میسر آئی ہے اور اب کوئی شاعر ایسا نہیں جو نعت کہنے کی سعادت سے محروم ہو بہت سے شعرائے کرام مستقل نعت کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں۔ تمام شعراء کی فکری کاوشوں اور تمام تر شعری تجربوں کی شمول سے نعت گوئی کے بہت سے نئے امکانات بھی سامنے آئے ہیں۔ نعت اب پوری زندگی کا احاطہ کرنے لگی ہے۔ تخلیقی سطح پر ورفعنالک ذکرک کی تصدیق ہو رہی ہے اور نعت نگاری کے اس ارتقائی عمل میں محمد اعظم چشتی بھی پوری شان و شوکت کے ساتھ شامل رہے ہیں۔

۱۹۷۰ء تک وہ نعت کے ساتھ ساتھ غزل بھی کہتے رہے۔ لہذا ان کی ربع صدی کی غزل گوئی بھی

ناقدین فن کی توجہ کی حقدار ہے۔ "نیر اعظم" کی اشاعت کے بعد انہوں نے تمام تر توجہ نعت نگاری ہی پر مرکوز کر دی اور اس لیے وہ اس صنف کے جدید تر تقاضوں کا ساتھ دیتے ہوئے، فن نعت گوئی میں رفیع و وقیع اضافہ کرنے کے قابل ہوئے۔ چنانچہ ان کا زیر اشاعت خالص مجموعۂ نعت، "معراج" حقیقتاً ان کے فن نعت نگاری کی معراج ہے۔ صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین نے ان کی نعت کو ایک خاص قسم کی طرح داری عطا کی ہے۔

آنکھوں میں ڈھل جا دل میں اتر جا — خالی پڑا ہے کب سے یہ منبر
ناسوت کیا ہے، جبروت کیا ہے — ان کی گزرگاہ کا ایک منظر
یہ آسماں کیا، یہ لامکاں کیا — کیا کچھ نہیں ہے سینے کے اندر

ان کے دل میں مسلسل پرورش پانے والی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہی گہری ہوتی گئی اور ان کا اعتبار فن بنی ہے۔ حج وزیارات کی تمنا تمام عمران کے سینے میں موجزن رہی لیکن پہلے یہ کہکر دل کو تسلی دیتے رہتے۔

کتنا محبوب ہے اعظم انہیں رونا میرا
ساری دنیا کو بلایا نہ بلایا مجھ کو

پھر جب حاضری، زیارت اور حضوری کا شرف پانے لگے تو ان کیفیات کو موضوع نعت بناتے ہوئے، نہایت منفرد و ممتاز انداز اختیار کیا

کعبہ دیکھا تو تری بت شکنی یاد آئی
خلو دیکھی تو ترا صحن حرم یاد آیا

نعت کے رنگ جدید کی نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے آشوب ذات، آشوب عصر اور آشوب کائنات کو بھی نعت میں جگہ دی ہے اور طلب رحمت بھی کی ہے۔ پھر اپنے وطن عزیز کے لیے دعاؤں سے بھی نعت کو مزین کیا ہے۔

ہیں مشرق و مغرب بھی تجسس میں سکوں کے — درکار ہے سب کو ترے دامن کا سہارا
تپتے ہوئے ماحول سے گھبرا کے یہ دنیا — اب ڈھونڈھ رہی ہے تری دیوار کا سایا
بخشا ہے تو اب اس کی نگہداشت بھی فرما — محبوب ہے ہر ذرّہ مجھے اپنے وطن کا

محمد اعظم چشتی کو اپنے ممدوح کریم پر ہمیشہ ناز رہا اور اسی ناز نے ان سے آخری دور میں کہلوایا۔

مرا کریم بھی کیسا کریم ہے اعظم
کہ میرا عیب بھی جسکو ہنر نظر آئے

مگر انہیں یہ بھی گراں احساس رہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا اصل تقاضا آپ

کا کامل اتباع ہے' چنانچہ وہ کس درد سے پکارے ہیں ۔

تجھ سے الفت بھی ہے احساس ندامت بھی ہے
اپنا حق مجھ سے کوئی مانگ رہا ہو جیسے

یہ احساس بہت غنیمت بلکہ مبارک بھی ہے اور گنہگاروں پر سعادتوں اور رحمتوں کے دروازے کھولتا ہے۔ دوسری طرف نعت اور اس پہ ممدوح کریم کی رحمت بیکراں ناعت کو آسودگی کی وہ فضا مہیا کرتی ہے' جس کے بارے میں محمد اعظم چشتی نے کہا ۔

اعظم گزر رہی ہے کس آسودگی کے ساتھ
سایہ ہے ان کا سر پہ مرے آسماں نہیں

نعت میں محمد اعظم چشتی کی فکری و روحانی رسائیوں کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ ان کی نعت میں ہر ذائقہ اور ہر حسن موجود ہے عوامی جذبات کی ترجمانی بھی ہوئی ہے' صوفیانہ و فلسفیانہ ہی نہیں عاشقانہ بلکہ قلندرانہ رنگ کی جھلک بھی ملتی ہے۔ ذات و صفات رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وابستگی کا اظہار ادب آشنا لہجے میں ہوا۔ یوں ان کی نعت' کلاسیکی روایت اور رنگ جدید کا ایسا امتزاج بن کر سامنے آئی ہے' جسے دور آئندہ میں بھی معیار مانا جائے گا۔

جلوۂ شہرِ نبیؐ دل کے نہاں خانے میں ہے
اب بھی دن بھیں وہ شامیں دیکھتا رہتا ہوں میں
میں نے جن آنکھوں سے دیکھی ہیں سنہری جالیاں
آئینے میں اب وہ آنکھیں دیکھتا رہتا ہوں میں

(اقبال حیدر)

تخیل جب عقیدت کی حد آخر تک آجائے
تو ۔ پھر پیش نظر لفظوں کی آرائش نہیں رہتی
اسی اک لفظ میں زیدی مکمل نعت پنہاں ہے
محمدؐ کہہ کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی

(قمر زیدی)

جاذب قریشی جدید تر لہجے کا شاعر

عزیز احسن

یوں تو کسی بھی قسم کی شاعری کو فکر سے جدا نہیں کیا جاسکتا لیکن فکری گہرائی اور فلسفیانہ عمق ہر شاعری کا جزو نہیں ہوتا اردو میں غالب نے فکری شاعری کی بنا رکھی اور اقبال کے توسط سے یہ روایت بعد کی نسل نے اپنائی جاذب قریشی کی شاعری اسی قبیل کی شاعری ہے۔

فکری شاعری میں زبان و بیان کے مروجہ ڈھانچوں سے انحراف کرنا' شاعری کی ضرورت اور شاعر کی مجبوری ہوتی ہے۔ شاعر جب کم لفظوں میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہے تو لفظوں کو لغت کے معانی کی محدود دنیا سے نکال کر کائنات گیر وسعتیں دے دیتا ہے۔ توسیع معانی کی یہ کاوش فکری تخلیقات میں جابجا نظر آتی ہے۔ جن شعرا کے یہاں قوت تخلیق ان کی فکری رو کے ہم رکاب چلتی ہے صرف وہی شعراء کامیاب قرار دیئے جاتے ہیں ورنہ محض فکر ایک طرف تو شعریت کے فقدان کا سبب بنتی ہے اور دوسری طرف اس کا ابلاغ محدود ہو جاتا ہے۔

جاذب قریشی کی شاعری اپنے فکری عمق اور اپنے نئے اور نامانوس لفظیاتی دروبست کے باوجود شعریت سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے یہ مانے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ جاذب شعر کو فکری آہنگ دینے اور فکر کو شعری پیکر پہنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ میں نے جو نامانوس لفظیاتی دروبست کی بات کی ہے تو یہ بھی اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ جاذب قریشی کی شاعری روایتی طرز احساس اور لگے بندھے اسلوب اظہار کی شاعری قطعی نہیں ہے' جس کے لئے ڈھلے ڈھلائے سانچے موجود ہوں۔

ن ۔ م ۔ راشد اور میراجی کے بعد سب ہی جدید شاعروں کی تخلیقات میں زبان کا استعمال قدرے مختلف ملتا ہے لیکن علامتوں کا جو التزام شکیب جلالی کی شاعری میں ملتا ہے وہ بالخصوص قابل ذکر ہے۔ جاذب قریشی کی شاعری پر شکیب جلالی کے تخلیقی رویے کا پر تو دیکھا جاسکتا ہے۔ بلکہ خود وہ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔

علامتی طرز اظہار کو ناقدین نے ادبی اظہار کی اعلیٰ ترین شکل تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ راستہ بہت کٹھن ہے۔ جاذب طبعاً "دقت پسند اور جدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اس راستے کو اختیار کیا

ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم جاذب کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت آمیز مسرت ہوتی ہے کہ وہ اس شاعری میں بھی اپنی شناخت اور اپنا شاعرانہ اسلوب برقرار رکھنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

نعت گو شعراء کو ہم اپنی سہولت کے لئے دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جو صرف نعت کہتا ہے، دوسرا وہ طبقہ جو عمومی شاعری (General Poetry) میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے اور کبھی کبھی نعت بھی کہتا ہے۔ جاذب قریشی نعتیہ شاعری کے حوالے سے دوسرے طبقے میں شامل ہیں۔

میرا احساس یہ ہے کہ جو شعراء غزل یا نظم کہتے ہیں وہ نعتیہ (یا مذہبی) شاعری کرتے وقت اپنے تخلیقی رویے سے ہم آہنگ شاعری نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بیشتر شعراء اپنی مذہبی واردات کو تخلیقی تجربے کا جزو بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ نتیجتاً" اچھے خاصے جدید لہجے کے شعراء بھی سرگشتۂ خمار رسوم و قیود نظر آتے ہیں جاذب قریشی کے ساتھ قطعاً" یہ معاملہ نہیں ہے وہ تو جس تخلیقی قوت اور جس جذبے کی شدت (Intensity) کا اظہار اپنی عمومی شاعری میں کرتے ہیں اور جو علامتیں اس شاعری کے لیے تراشے ہیں کم و بیش وہی تخلیقی قوت وہی جذبے کی شدت اور وہی علامتوں کی ندرت اپنی مذہبی شاعری میں بھی بڑی ہنرمندی سے نباہتے ہیں۔

اس حوالے سے پہلے حمد کے تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

زمیں سے آسماں تک ہر غبار اجلا دکھائی دے
تری وحدت کا اندازہ اگر اک بار ہو جائے

تری آواز شہر جسم و جاں میں یوں اترتی ہے
کہ جو امکان ہے وہ روشنی آثار ہو جائے

اگر تو دھوپ کے صحرا کو اپنی چھاؤں پہنا دے
تو اک طائر اڑے اور آسماں کے پار ہو جائے

دعائیہ نظم "سائبان" کی ایمجری اور لہجے کی تازگی بھی دیکھتے چلئے۔

زرد پرچھائیوں میں جلوں کب تلک مجھ کو زندہ اجالوں کی تصویر کر
جن کو آتے ہوں صورت گری کے ہنر ان ستاروں میں مجھ کو بھی تحریر کر
جھوٹ آسیب ہے تو گرفتار ہو میری آواز کو حق زنجیر کر

اسی سلسلے میں نعتوں کے چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

دشمن لہو کو امن کی پوشاک کر دیا خنجر تمام توڑ دیئے انتقام کے
لہجے عداوتوں کے وہ منسوخ کر گئے آواز کو سکھائے ہنر احترام کے
تبسموں کے اجالے شفاعتوں کے حرم مجھے بلا کہ میں تجھ پر نثار ہو جاؤں
میں اپنے عہد کا صحرا ہوں مجھ کو حسرت ہے ترے حضور گروں آبشار ہو جاؤں
آندھی کے سفر میں جو کوئی تجھ کو پکارے سورج سے زیادہ ترا نقش کف پا ہو

حد امکان یزداں تک وہی اول وہی آخر
کہ خال وخد کہیں ملتے نہیں ان کی شباہت کے
ہوا کے دوش پر روشن پرندے اڑتے رہتے ہیں
مدینے کا اجالا ہے کہ عکس طور ہے لوگو
سیہ پرچھائیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جس نے
زمین و آسماں نے ایک ایسا بھی دیا دیکھا

ان اشعار میں بیان کی جو تازگی ہے اور جو ایمیجری ہے وہ روایتی شعرا کو تو میسر ہو ہی نہیں سکتی دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے جدید شعرا بھی نعت کو جدید طرز احساس اور اسلوب اظہار سے ہمکنار کرنے کی کوشش نہیں کرتے یا شاید وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ اس حوالے سے نعت گو شعراء کی ناکامی کی وجوہات پر غور کرنے سے کچھ باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ مذہبی شاعری کرتے وقت عموماً "مذہبی واردات کو اپنی تخلیقی کیفیتوں کا جزو بنانا ہر شاعر کا ہنر نہیں بن پاتا ہے۔

۲۔ غزل یا نظم کہتے وقت جو جذبہ شعر گوئی کا محرک ہوتا ہے اس کی شدت زیادہ ہوتی ہے اور مذہبی شاعری کی طرح اس شاعری میں فکری حد بندی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کی طبع وہاں رواں ہوتی ہے اور یہاں آکر رکنے لگتی ہے۔

۳۔ مذہبی شاعری میں چونکہ شعریت کی داد ملنے کے مواقع کم ہی ہوتے ہیں کہ اس شاعری میں تو

موضوع کے تقدس کا تصور ہی واہ واہ سبحان اللہ کہلوالیتا ہے اس لئے شعراء مذہبی شاعری میں وہ محنت نہیں کرتے جو غیر مذہبی شاعری میں کرتے ہیں۔

۴۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ مذہبی شاعری کرتے وقت شاعروں کو شعوری طور پر اپنے سامعین یا قارئین کی ذہنی سطح کا خیال رہتا ہو اور وہ اس خیال سے لطافت فن اور عظمت ہنر کو قربان کردیتے ہوں۔

بہر حال وجہ کوئی بھی ہو میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جاذب قریشی کی طرح ہر شاعر مذہبی شاعری میں اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کی پاسداری نہیں کرپاتا۔ یہاں نہ تو میں جاذب قریشی کی شاعری کو تمام مذہبی شاعری پر فوقیت دے رہا ہوں اور نہ ان کی شاعری کا دوسرے شعراء کے کلام سے کوئی موازنہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں تو صرف شعری آورش سے وفاداری کے اس احساس میں آپ کو شریک کرنا چاہتا ہوں جو جاذب قریشی کی مذہبی شاعری پڑھتے ہوئے میرے قلب و نظر پر چھا گیا ہے۔

جاذب کی مذہبی شاعری پر ایک نظر ڈالنے کے بعد جو پہلا تاثر ملتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم ان تمام تنقیدی آراء کا اطلاق ان کی مذہبی شاعری پر بھی کرسکتے ہیں جو مختلف نقادوں نے جاذب کے کلام پر دی ہیں اور جو کچھ ان کی عمومی شاعری کے بارے میں کہا گیا ہے اسے مذہبی حوالے دے کر ان کی حمد و نعت اور منقبت کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے میں تین شعر پیش کروں گا جن میں حضورؐ کے اسم ذات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ردیف کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اس ردیف کے ساتھ روایتی شاعری تو ممکن ہے لیکن اس میں طبیعت کی جودت اور نظام لفظیات کی جدت برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہاں روایتی حوالے سے چھوٹی بحر کی قیامت خیزی کو بھی پیش نظر رکھیں تو اور حیرت ہوتی ہے۔

غبار کو آئنہ بنایا ... سو کیسے صلِ علیٰ محمدؐ
وہ بے خزاں موسموں کے گھر ہیں ... جدھر ہیں جلوہ نما محمدؐ
جہان آواز و عکس و خوشبو ... کتاب رنگ بقا محمدؐ

غزل کی فارم میں کی جانے والی نعتیہ شاعری میں کم کم ایسا ہوتا ہے کہ پوری نعت کا مجموعی تاثر موضوع کے تقدس کے حوالے سے برقرار رہ سکے۔ بیشتر شعراء جدت طرازی اور ہنرمندی کے اظہار میں نعت کو بھی غزل ہی کی سطح پر لے آتے ہیں۔ تاہم جاذب کے یہاں ایسے اشعار نہ ہونے کے برابر ہیں جن کو نعت کے کینوس سے باہر رکھ کر دیکھا جاسکے۔

اس سے اس محتاط رویے کا بھی پتا چلتا ہے جو نعت کہنے کے لئے جاذب قریشی نے اپنایا ہے۔

آج کی نعتیہ شاعری کا غالب رجحان حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال صوری کے بجائے آپؐ کے حسن معنوی یعنی سیرت طیبہ کے نقوش ابھارنے کا رجحان ہے۔ جاذب کی نعتیہ شاعری کے افق پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ستارے جگمگا رہے ہیں۔ غزل کی ہیئت میں ان کی نعتیہ شاعری کے نمونے میں پیش کر چکا ہوں جن میں ایسے اشعار کی تعداد یقیناً زیادہ ہے جن سے سیرت اطہر کا کوئی نہ کوئی پہلو عکس ریز ہو رہا ہے۔

میری خواہش ہے کہ آپ میری معروضات کی روشنی میں جاذب کی مذہبی نظموں کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں نعتیہ نظم "لوحِ جاں" کی چند لائنیں دیکھئے۔

تیری آواز تھی روشنی کا سفر
برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا
تو نے صحرا کی اڑتی ہوئی ریت کے درمیاں
بے چراغاں زمینوں پہ گھر رکھ دیے
.... تیری چھاؤں میں زخمی بدن آگئے
تو نے دریا میں پیاسے شجر رکھ دیے

☆ ○ ☆

میں جنگل میں گھرا ہوا ہوں
اپنے خوابوں کے امکاں پر
آنسو کی تحریریں لکھ کر دیکھ رہا ہوں
لوحِ جاں کو چاہنے والے لوگ امر ہو جاتے ہیں
نام محمدؐ کا لے کر
صحرا بھی شجر ہو جاتے ہیں

(شہر علم)

منقبتی نظموں میں بھی تازہ کاری کا وہی التزام ملتا ہے جو نعتوں میں برتا گیا ہے۔

دیارِ ہجرت سے فتح مکہ تک
ایک لبیک کا تسلسل ہے
جس میں صدیقؓ کی صدائیں چمک رہی ہیں

کچھ اتنا سچا تھا عشق ان کا
کہ بچپنے سے ہی
طاقِ جاں میں چراغ سا ایک جل رہا تھا
سیاہ صحرا پگھل رہا تھا

(صدیق اکبرؓ)

دعاؤں کا کم سخن پرندہ
زمین اور آسماں کے تازہ سفر سے پلٹا
تو ایک چہرہ چمک رہا تھا
تمام صحرا دمک رہا تھا

(فاروق اعظمؓ)

وہ اجالوں کی تلاوت کر گئے سچے خوابوں سے محبت کر گئے
اور ہیروں کی تجارت کر گئے پتھروں کے شہر میں آئے تھے وہ
وہ مجھے بھی خوبصورت کر گئے ان کا چہرہ میرے آئینے میں ہے

(عثمان غنیؓ)

پتھر جیسی آنکھوں میں بھی پھول کے عکس اتر سکتے ہیں
اس تمثیل کو میں سمجھا ہوں شہر علم کے دروازے پر

تازہ خوشبو کے موسم خود میرے تعاقب میں آتے ہیں
میں تتلی بن کر اڑتا ہوں شہر علم کے دروازے پر

جن میں کاغذ اور پتھر کے چہروں والے عکس نہیں ہیں
وہ تحریریں میں لکھتا ہوں شہر علم کے دروازے پر

(علیؓ مرتضےٰ)

وہ ایک عکس عظیم تھا
جو خدا کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا
بریدہ جسموں کی آیتوں کو

گلاب چہرہ جراحتوں کو
لہو سے لکھی ہوئی مثالی حکایتوں کو
سیاہ صحرا میں آئینے کی چٹان تھا وہ
منافقوں میں صداقتوں کی اذان تھا وہ

(سیدا الشہداءؓ)

ہر عہد کے تقاضے اور مسائل الگ الگ ہوتے ہیں۔ زندگی کے عکس جب ادب کے آئینے میں دکھائی دیتے ہیں تو لازم نہیں کہ ہر صورت کو مکمل اور ہر منظر کو واضح طور پر دیکھا جاسکے۔ ادب کو روایتی پیمانوں سے پرکھنے والے لوگ تجدد کی مثالیں کھلے دل سے قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقتوں کے ادراک کے زاویے عصری آگہی اور روایت پسندی کے حوالے سے جدا جدا قوسیں بناتے ہیں۔ شعری لہجوں میں بھی مخصوص عہد کے تقاضوں کے تحت تبدیلیاں ہوتی ہیں کسی خاص عہد کے بیشتر شعراء میں جو مبہم یا بعض صورتوں میں بڑی واضح یکسانیت محسوس ہوتی ہے وہ بھی اجتماعی شعور اور عصری حسیت کے توسط سے وجود میں آتی ہے۔ آج کی شعری اور نثری تخلیقات میں علامتوں کا استعمال اس بات کا غماز ہے کہ تخلیق کاروں کے ذہن بیانیہ (Narrative) اور خطابیہ (Rhetoric) شاعری کی سادگی اور یکسانیت سے اکتا گئے ہیں۔ فکر و احساس کی یہ لہر غیر مذہبی تخلیقات میں تو واضح صورت اختیار کر چکی ہے لیکن مذہبی شاعری تا حال اسمٰعیل میرٹھی کی سادگی اور حالی کی تاریخ نویسی سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ موضوع کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے لہجے کی تازگی اور زبان کے اجتہادی استعمال کی پر خلوص کاوشوں کو سراہا جائے۔

اس وقت جاذب قریشی صاحب کی نعتیہ شاعری کے محدود نمونے میرے سامنے ہیں اور انہی نمونوں کی بنیاد پر میں نے اپنی معروضات پیش کی ہیں۔ کاش جاذب صاحب کا قلم حمد و نعت کی سمت مسلسل چلتا رہے۔ میں یہ تمنا اس احساس کی بنا پر کر رہا ہوں کہ مذہبی شاعری کو جس لہجے کے حوالے سے اور جس اسلوب کے ساتھ جدید ادب کا حصہ بنایا جاسکتا ہے جاذب اسی لہجے میں اور اسی اسلوب میں بات کر رہے ہیں وہ عصری ادبی رجحانات میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی گہرا شعور رکھتے ہیں۔

حاصلِ مطالعہ

شفیق الدین شارق

انعام گوالیاری مرحوم کا مجموعہ نعت "سب اچھا کہیں جسے" ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے مرتب ان کے صاحبزادے ظہور الاسلام جاوید ہیں جو خود بھی ایک خوش فکر شاعر ہیں۔ لیکن تلاش معاش کے لئے ملک سے باہر رہتے ہیں۔ وطن سے دوری اس نعتیہ مجموعے کی اشاعت میں تاخیر کا سبب بن گئی۔ تاخیر سے سہی لیکن ایک اچھا نعتیہ مجموعہ نعت نگاری کے منظر پر ابھر آیا ہے۔

انعام الرحمن گوالیاری ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۴ء سے مشغلہ سخن گوئی اختیار کیا۔ ۱۹۷۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی اور جنوری ۱۹۸۶ء میں واصل بحق ہوگئے۔ ان کا کلام قدیم و جدید شاعری کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ وہ غزل اور نعت دونوں میں قادر الکلام تھے۔ جہاں انہوں نے اپنی غزلوں میں عصری رجحانات کی عکاسی کی ہے وہاں اپنی نعتوں میں بھی دینی اور دنیوی مقتضیات کو سمو دیا ہے۔ اسلامی جذبے کی ایک تیز لہر ان میں پائی جاتی ہے۔ اچھی نعت نگاری غزل گوئی سے زیادہ مشکل ہے۔ نہ صرف اپنے جذبات اور خیالات کو سنبھل سنبھل کر ادا کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ انھیں قاری یا سامع کے دل میں بھی اتارنا ہوتا ہے۔ ابلاغ کی یہ صورت اتنی آسان نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی دین شامل نہ ہو۔ الحمد للہ زیر مطالعہ مجموعہ میں یہ بات موجود ہے۔ کتاب کا نام اسی کتاب میں شامل ایک شعر سے لیا گیا ہے۔

دنیا کی ہر بھلائی ہے منسوب آپؐ سے
اچھا وہی ہے لوگ سب اچھا کہیں جسے

اس شعر کی صداقت اس کتاب کی پہلی نعت کے پہلے شعر ہی سے واضح ہو جاتی ہے۔

اے نسیم سحر مدینے کی تو ضمانت ہے میرے جینے کی

یہ شعر اس نعتیہ مجموعے کی جان ہے اور بقیہ سارا کلام اس کی تشریح۔ سادگی، روانی اور اثر پذیری جن عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں ان کی بنا وہبی صلاحیتوں پر ہوتی ہے لیکن عزیز جہاں اور عزیز جہاں آفریں ہونے کے لیے کسب کمال بھی لازم ہے۔ نعت میں یہ کسب کمال صرف ہنر اور فن کی بلندیوں کو چھو لینے کا نام نہیں ہے۔ یہ قلبی لگاؤ اور فکری تعلق کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔ ان دو عوامل کے بغیر نعت فنی صناعی کا نمونہ تو بن سکتی ہے۔ لیکن اس میں تاثیر کی گہرائی نہیں آسکتی۔ مندرجہ بالا شعر کا پہلا مصرع شاعرانہ حسن کا حامل ہے اور دوسرا زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔ اس شعر کی برجستگی اور سادگی ایک تازگی کا احساس بھی رکھتی ہے اور ایک پیغام بھی دیتی ہے۔ کتاب کے نام ہی کے حوالے سے ایک خوبصورت قطعہ ہے۔

کوئی مثال لائے ہمارے رسولؐ کی
لائے کوئی جواب ہمارے رسولؐ کا

دنیا میں جو چراغ بھی آیا وہ بجھ گیا
روشن ہے آفتاب ہمارے رسولؐ کا

انعام گوالیاری زندگی اور موت کو اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور اس میں ایک معنوی ربط اور باہمی تسلسل قائم رکھتے ہیں۔ ایک ہی نعت میں اس کی ایک مکمل مثال ہے۔

زندگی:۔ وہ دن آئے کہ لوگوں سے کہوں میں خدا حافظ مدینے جا رہا ہوں
قبر:۔ نہ ہوگا قبر میں میری اندھیرا کہ میں پروانۂ بدر الدجیٰ ہوں
حشر:۔ مجھے کیا خوف گرمیٔ قیامت میں زیرِ دامنِ شمس الضحیٰ ہوں

یہاں بدر الدجیٰ اور شمس الضحیٰ کی صفات نبویؐ کے استعمال میں جو ندرت اور معنی آفرینی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شاعر نے زندگی اور محشر دونوں کی کڑی دھوپ میں امن و عافیت تلاش کر لیے ہیں۔ سب خیالوں سے مدینے کا خیال اچھا ہے اور اگر حضوری کے لیے بے قراری ہو تو حال بھی اچھا ہے۔ محبت رسولؐ اور اتباع رسولؐ میں اہل ایمان کے لئے سب کچھ ہے۔ فنائے حیات میں بقائے دوام کا سامان موجود ہے۔ جہاں نہیں ہے وہاں بھی ہونے کی ضمانت انعام گوالیاری کا اسلوب بیان دلواتا ہے۔

اللہ کے محبوب سے ہے جس کو محبت اللہ کا محبوب ہے معلوم نہیں کیوں
مئے حب رسولؐ پی جس نے حشر تک اس کو تشنگی ہی نہیں

جس دل میں درودوں کا اجالا ہی نہیں ہے اس گھر میں فرشتوں کا گزارا ہی نہیں ہے
حب رسولؐ کی کیفیت میں جب شدت کا اضافہ ہو جاتا ہے تو بے اختیار آپ کے نام نامی کا ورد شروع ہو جاتا ہے۔
اسم محمدؐ کا استعمال لطف تکرار کے ساتھ ہونے لگتا ہے

کتاب میں چار حمدیں' ایک سو سات نعتیں ہیں۔ نعتیہ قطعات اور فردیات بھی ہیں۔ راغب مراد آبادی اور شبنم رومانی کی فلیپ کی آرا ہیں۔ پروفیسر عاصی کرنالی نے "نفس گم کردہ می آید" کے عنوان سے شاعر کی نعتیہ شاعری عمدہ اور قدرے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ جمیل الدین عالی "حرفے چند" میں لکھتے ہیں۔ "ان نعتوں کی کتنی صفات بیان کی جائیں ایسے نعت گو کے ساتھ میں کیا انصاف کرسکتا ہوں جس نے یہ مطلع کہہ دیا ہو۔

تجلیوں کا خزینہ دکھائی دیتا ہے
ہر ایک سمت مدینہ دکھائی دیتا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم

جناب حنیف اسعدی ابنِ اسعد شاہجہاں پوری ایک کراچی ہی کیا پورے پاکستان بلکہ پوری اردو دنیا کے اپنے عہد کے صف اول کے شعرا میں سے ہیں۔ رسول اکرمؐ کو "آپؐ" سے خطاب کرنے کے داعی ہیں۔ چنانچہ کئی شعرا نے حضورؐ کو تو اور تم سے خطاب کرنا ترک کر دیا ہے۔ جناب حنیف اسعدی کا پہلا نعتیہ مجموعہ "ذکر خیر الانام" تھا اور اب یہ دوسرا نعتیہ مجموعہ "آپؐ" کے نام سے منصۂ شہود پر آیا ہے۔

یہ کتاب ایک حمد سے شروع ہو کر ایک نعتیہ سلام پر ختم ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان چالیس نعتیں' نو تضمینیں اور چار سہ مصرعیاں ہیں۔ حمد اور سلام میں ایک جذب کی سی کیفیت اور ایک جوئے آب سی روانی ہے۔ دونوں کی ایک ہی دورکنی بحر ہے۔ دونوں نو نو مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہیں۔ دونوں میں ہر بند کے آخری ایک ہی مصرع کی تکرار ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ حمد کے آٹھ مصرعے ہم قافیہ اور نواں مصرع تکرار والے مصرع "ہم" کا ہم قافیہ ہے جبکہ نعت میں نو مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ حمد کا تکرار والا مصرع ہے۔ "اے محمدؐ کے رب" اور سلام کا "تم پہ لاکھوں سلام" ہے۔ پڑھیے تو سماں بندھ جاتا ہے۔ اس سلام میں تم کا لفظ شاعر کی مجبوری ہے۔ یہ سلام مشہور ہوا اور پہلے نعتیہ مجموعے میں بھی شامل ہے۔ اس تم کی تلافی ایک اور سلام سے کر دی گئی ہے۔ "آپؐ پر سلام" "تم پہ لاکھوں سلام" کے

علاوہ دس نعتیں اور تین تضمین ایسی بھی زیر مطالعہ کتاب میں شامل ہیں جو پہلے مجموعے میں بھی شامل تھیں۔ غالباً یہ نعتیں اور تضمینیں صاحب کتاب کو اتنی پسند ہیں کہ انھوں نے ان کی شمولیت دوسرے مجموعے میں بھی ضروری خیال کی۔

یہ کتاب ظاہر ہے کہ نعتیہ شاعری کی ہے لیکن نعت کے لئے بھی پہلے حمد ضروری ہے۔ چنانچہ حنیف اسعدی نے اپنے سخن کے دو ہی اصول بتائے ہیں ایک حمد یعنی ذکر خدا اور دوسرا نعت یعنی ذکر رسولؐ لیکن ایک جگہ مدح رسولؐ کو حمد بھی کہہ گئے ہیں۔ وہ نام اپنی حمد پہ خود ہی ہوا گواہ۔ وہ ذات اپنے وصف میں بھی بے حدود ہے۔ غالباً یہ سہوا ہو گیا ہے۔

اس کتاب میں شاعر کے دو جذبے خاص طور پر اپنا اظہار پاتے ہیں۔ ایک زیارت روضہ رسولؐ کی شدید آرزو اور دوسرا وہ جذبہ جو ایک خاص کیفیت کو تخلیق کر کے وہ تصور بھی دے دیتا ہے جس میں یہ آرزو متشکل نظر آنے لگتی ہے اور دیدہ پر خواب اپنی تعبیر دیکھنے لگتا ہے۔ وہاں ایک نعت ایسی بھی ہے جس میں شاعر نے اپنی طبعی حاضری کا حال بیان کیا ہے۔

عرش کو ناز ہے جس پر وہ زمیں دیکھ آئے	ہم بھی آرام گہ سرور دیںؐ دیکھ آئے
طالب ذوق یقیں، شہر یقیں دیکھ آئے	دیدہ و دل نے بصد شوق مدینہ دیکھا
اپنی آنکھوں سے وہ گلزار حسیں دیکھ آئے	خواب دیکھے تھے سدا جن کے وہ منظر دیکھے

ایک تیسری بات جو اس کتاب میں بار بار آتی ہے وہ شاعر کے اپنے عجز بیان کے بارے میں ہے۔ جو وہ کہنا چاہتے ہیں۔ الفاظ میں نہیں کہہ پاتے اور دل کی تڑپ کو سپرد قلم کرنے سے عاجز ہیں۔ گریہ پیہم مانع تحریر ہونے لگتا ہے۔ لیکن یہ عجز بیان آپؐ کے حضور میں ہے۔ ہمارے لیے تو حنیف اسعدی ایک بہت پیارے قادر الکلام نعت گو شاعر ہیں۔ نعت گوئی کی ایک اعلیٰ درجہ کی سطح ادبی محاسن کے ساتھ ان کے یہاں ہے۔ اسی عہد کے ایک اور بڑے نعت گو شاعر حفیظ تائب نے حنیف اسعدی کی نعتیہ شاعری کی حد درجہ توصیف کی ہے اور اس کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ "حنیف اسعدی ایک باکمال شاعر ہیں اور نطق و بیان کی جمالیات سے پوری طرح بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مضامین نعت کا خاص ادراک رکھتے ہیں۔ ادب و آگہی کے امتزاج نے انھیں وہ لہجہ جمیل عطا کیا ہے جو ان کا امتیاز ہے۔ وہ روح عصر اور ذوق جدید کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں۔

اس کتاب کا ایک گوشہ تضمینوں کے لیے وقف ہے۔ معروف نقاد اور شاعر سحر انصاری کے الفاظ میں "حنیف اسعدی کی تضمینیں ایک تخلیقی شان رکھتی ہیں۔ ان میں شگفتگی بھی ہے، حسن بیان بھی اور فنی

خوبیوں کا لطف بھی۔ ان تضمینوں کے حوالے سے چند معروف شعرا کی خوبصورت نعتیں بھی ہمیں پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ جان محمد قدسی، بیدم وارثی، راغب مراد آبادی، شاعر لکھنوی، سحر انصاری، جاذب قریشی، صبیح رحمانی کی نعتوں پر صاحب کتاب کی تضمینیں گویا چار چاند لگا دیتی ہیں۔ شبنم رومانی کی نعت بھی اچھی ہے لیکن مطلع محل نظر ہے۔ جس میں انھوں نے رسول اکرمؐ کے نام کو اسم اعظم کہہ دیا ہے۔ اسم اعظم صرف اللہ کا نام ہے۔

کتاب کے شروع میں پروفیسر مجتبیٰ حسین اور جناب تابش دہلوی کے مضمون اس نعتیہ شاعری کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ یوں تو مدحت رسولؐ کی جو تشنگی ہے وہ سیراب ہونے کی متمنی ہے لیکن زبان و بیان عاجز ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر

اس دعا پر اہل ایمان صاحب قلم آمین کہتا ہے۔

کلامِ لاکلام

"کلام لا کلام" ایک صاحب طریقت بزرگ شاہ انصار الہ آبادی کا نعتیہ کلام ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کے شاعر کا اصل میدان تصوف و روحانیت ہے لیکن واردات قلبی اور کیفیات دل کے اظہار کے لیے وہ شاعری کا وسیلہ استعمال کرتے ہیں اور یوں مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد کے سلسلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب میں نعتوں کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہارؓ نیز دیگر بزرگان دین کی منقبتیں بھی شامل ہیں۔ "کلام لا کلام" سے پہلے شاہ صاحب کے دو نعتیہ مجموعے "سراج السالکین" اور "صلوٰۃ و سلام" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا رنگ سخن اگرچہ قدیم ہے لیکن وہ اپنے متعلقہ اوصاف سے متصف بھی ہے۔ مضمون آفرینی اور عمق فکر ان کے کلام کا خاصہ ہے۔ وہ خود اپنی نعتیہ شاعری کو روح کی لطف اندوزی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دل کی تڑپ، تمنائے حضوری، کیف نظارگی اور شب بیداری ان کے کلام کے لازمی عوامل ہیں۔ روایت میں ندرت پیدا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ البتہ شاہ صاحب فرط عقیدت، وفور محبت اور عالم سرشاری میں اپنے سجدے بھی نعتوں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ جائے احتیاط ہے۔ احتراماً سر کو جھکا لینا اور بات ہے لیکن سجدے کا لفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور صرف

معبود حقیقی کے لئے مخصوص ہے۔ ممکن ہے کسی باطنی کیفیت کے زیر اثر ایسی صورت پیدا ہو۔ تاہم عقیدت میں بھی غلو سے احتیاط لازم ہے۔ عام غزلیہ شاعری کے رموز و علائم کا نعت میں استعمال نہ ہو تو بہتر ہے۔ ایسے چند مقامات سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو اس میں نزاکت خیال اور لطافت فکر اپنی بہار پر ہیں۔

بیاد ہجر محمدؐ بہار ہو کہ خزاں
ہمارا گریہ گلوں کی ہنسی سے ملتا ہے

یاد حق میں جو غم اشک نمک جاتا ہے
سبز گنبد مری نظروں میں جھلک جاتا ہے

کیف حضوری اور عالم جذب ان نعتوں کے اجزائے ترکیب اور یقین اس نعتیہ کلام کی جان ہے۔

بوقت نزع جب ہونٹوں پہ نام شاہ دیں آیا
مجھے مرنے سے بڑھ کر اپنے جینے کا یقیں آیا

جو دل سے پیرو دین متین ہوتے ہیں
قسم خدا کی مجسم یقین ہوتے ہیں

یقین کی اس کیفیت کے ساتھ اس نعتیہ شاعری میں یاد نبیؐ کی جو تڑپ ہے اس سے وہ زندگی کے لیے ایک نظام عمل بھی مرتب کرتے ہیں۔ یہ شعور و آگہی کی منزل ہے۔ آگے چل کر یہ تڑپ ایک ایسی بے خودی میں تبدیل ہو جاتی ہے جو پورے منظرنامے پر حاوی ہو کر اس کلام کا حاصل کلام بن جاتی ہے۔ شاہ صاحب کا تمام کلام کسی نہ کسی عنوان کے تحت ہے۔ کہیں یہ عنوان کسی ایک شعر کے حوالے سے ہے اور کہیں پوری نظم کے حوالے سے۔ شاہ صاحب اپنے قدیم رنگ میں بھی اسلوب تازہ کی صورت میں جدت طرازی کا سامان پیدا کر لیتے ہیں۔ اس عمل میں ردیف و قوافی کے استعمال سے بھی کام لیتے ہیں۔ مثلاً"

کمال عاشقی حد سے سوا اچھا نہیں لگتا
در اقدس پہ حاضر ہو کے بھی ہوں غیر حاضر سا

کیا خوش آزار عقیدت کی خلش ہوتی ہے
دل بے تاب کی تابانیاں ماشاء اللہ

جمال روح دو عالم ہے درنگاہ حضورؐ
رہ حضوری حق کیوں نہ ہو براہ حضورؐ

معنویت میں روزن عرفاں دیکھنے میں سنہری جالی ہے

مجھ سا فقیر کیسے بھلا دربدر پھرے
پھرتے نہیں ہیں انؐ کی حضوری سے سر پھرے

کونین میں کیا ہو کوئی حضرتؐ سے زیادہ وحدت بھی نمایاں ہوئی کثرت سے زیادہ
ذروں کے چشم و قلب میں ہے دو جہاں کا حسن واللہ ارض پاک میں ہے یہ کہاں کا حسن

خوش آزار روزن عرفاں اور ایسی دیگر تراکیب شاہ صاحب نے بڑی معنی خیز استعمال کی ہیں۔ یہ کلام اپنے اندر ایک کشش اور جاذبیت رکھتا ہے۔ البتہ قاری پر ایک بھاری ذمہ داری بھی عائد کردیتا ہے کہ کیفیات بے خودی کو نکات خودی سے الگ رکھے۔ کتاب میں موصوف کا ایک قلمی اسکیچ بھی شامل کیا گیا ہے۔ کتاب کے ہر صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام ہے۔ کتاب کی پیشکش میں کفایت کا سلیقہ شامل ہے۔

رنگ روشنی خوشبو

رسول اکرمؐ کی صفات مبارکہ کے رنگ آپؐ کی حیات طیبہ کی روشنی اور آپؐ کی ذات نفیسہ کی خوشبو انسانی زندگی کے کون سے شعبے میں نہیں۔ پھر ان کی خصوصیات کی بے شمار جہتیں کہ جس زاویے سے دیکھو نمایاں سے نمایاں تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ رنگ' یہ روشنی اور یہ خوشبو جب شاعری میں نعت کا انداز اختیار کرلیتی ہیں تو قرطاس و قلم کا اعتبار مضبوط ہو جاتا ہے۔

ختم میرے آقاؐ پر رنگ' روشنی' خوشبو ذکر شاہ بحروبر رنگ' روشنی' خوشبو
ہے مقیم میرے گھر رنگ' روشنی' خوشبو جب سے ہے اساس فن مدحت شہ دوراںؐ
ہے شعور کا محور رنگ' روشنی' خوشبو آپؐ کے حوالے سے آپؐ کے وسیلے تک
بانٹتا پھروں در در رنگ' روشنی' خوشبو جاؤں میں جہاں پر بھی انؐ کا ذکر ہو لب پر

یہی رنگ' روشنی اور خوشبو جب گنبد خضرا کے حوالے سے ایک شاعر پر مہربان ہو گئے تو وہ اپنے پہلے والے موضوعات سخن کو چھوڑ چھاڑ نعت نگاری کا ہو گیا۔ اس کے دل پر انوار رسالتؐ کے دریچے کھل گئے۔ اس کے ذہن کو عرفان اور اس کے جذبوں کو بقا کا سامان مل گیا اور وہ اپنی نعتوں کا مجموعہ "رنگ روشنی خوشبو" کے نام سے چھپوا کر خود سند و بہرہ مند ہو گیا۔ اس شاعر کا نام ہے سجاد سخن

سجاد سخن شاعروں کی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو پہلے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے لیکن جب نعت نگاری کی طرف آئے تو اسی کے ہو رہے۔ ان کا شمار کراچی کے سینئر شعرا میں ہوتا ہے۔ قادرالکلام ہی لفظ کی حرمت اور اس کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ زیر نظر نعتیہ مجموعہ ان کی یک سالہ کاوش کا نتیجہ ہے۔

نذر اولیں ہے یہ اے سخن عقیدت کی　　پیش شافع محشر رنگ، روشنی، خوشبو

سجاد سخن نے یہ نعتیں بڑی لگن کے ساتھ کہی ہیں۔ یہ ان کا عاقبت کے لیے جمع کیا ہوا زاد راہ ہے۔ اپنی نعتوں میں شعریت کا خیال رکھتے ہیں۔ حمد کہتے ہیں تو اس میں بھی احتیاط کے ساتھ مدحت رسولؐ کا رنگ بھر دیتے ہیں۔

مولا　ترا　عرفان　ہے　عرفان　محمدؐ
ہے　تیرے　لیے　خلق　ثناء　خوان　محمدؐ

ہم　جیسے　گنہگاروں　کو　اے　داور　محشر
ہے　تیری　عطا　نسبتِ　دامان　محمدؐ

قرآن　کی　صورت　میں　دیا　ضابطۂ　زیست
احسان　ہے　ترا　پسِ　احسان　محمدؐ

یہ　سب　تری　محبوب　نوازی　ہے　خدایا
شاہوں　سے　بھی　افضل　ہیں　غلامان　محمدؐ

یوں تو سجاد سخن کا طرز کلام فطری طور پر ان کے تمام کلام پر چھایا ہوا ہے لیکن ان کی نعتیہ شاعری میں جذبات کی پاکیزگی، محسوسات کی سچائی اور حقیقت نگاری اس طرح آمیز ہو گئی ہیں کہ ان کے نعتیہ اشعار شاعرانہ حسن سے نکھر نکھر گئے ہیں۔ ان کے رنگ سے بصیرت افروز روشنی پھوٹ رہی ہے۔ یہی روشنی اپنے ساتھ ایک جاں نواز اور زندگی بخش خوشبو لیے فضا کو مہکا رہی ہے۔ نعت نگاری کی جو لہر شاعر کے ذہن و دل میں اتر آئی ہے وہ نہایت طاقتور، ایمان کی حرارت سے بھرپور اور فکر کو تحریک دینے والی ہے۔ اس لہر نے نہ صرف شاعر کی طبع رسا کو مہمیز کیا ہے بلکہ فکر سلیم اور ذوق جمیل کو بھی انگیز کیا ہے۔ ایک شدید خواہش سیرت رسولؐ کی پیروی کی اور ایک تڑپ دیار رسولؐ میں حاضری کی ان نعتوں میں پائی جاتی ہے۔ گنبد خضرا مطمح نظر اور شہر طیبہ دل کی آرزو ہے۔ اضطراب کی ایک کیفیت شاعر کو مستقلاً "بے چین رکھتی ہے۔ کبھی تو یہ کیفیت بھی ہوتی ہے۔

مزے آنے لگے ہیں دل کو دوری میں حضوری کے　　تصور میں ہے حسن لازوال گنبد خضرا

سجاد سخن جب محبوبؐ خدا کے لیے مدحت سرا ہوتے ہیں تو ذات عالیؐ کی صفات عالیہ بھی بیان کرتے ہیں اور بشریت کے حوالے سے بھی آپؐ کی عظمت کی بات کرتے ہیں۔ عام ڈگر سے ہٹ کر اپنی طبع زاد

ردیفیں بھی نکالتے ہیں۔ البتہ چند ردیفیں ایسی بھی ہیں جن میں ایک دو شعر تو نبھ گئے لیکن پوری نعتیں ان ردیفوں کے حق میں نہیں ہیں۔ نہ ہوتیں تو بہتر تھا۔ کہیں کہیں روانی طبع میں زیادہ ہی تیزی آگئی ہے۔ توقع ہے کہ اس یک سالہ کاوش فکر کے بعد کا مرحلہ زیادہ ہموار ہوگا۔ دل میں سرکارؐ کی محبت و عقیدت کے دیئے روشن ہوں تو راہ روشن تر ہو جاتی ہے۔ جناب اختر حامد خان نے کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے جو ان کے اپنے مخصوص اور دلچسپ اسلوب میں شاعر کی شخصیت اور اس کی شاعری دونوں کا تعارف پیش کرتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ حضورؐ کے در تک پہنچنے کے لئے شاعر کی لگن بامراد ہو۔ آمین!

ہم بھی دیکھ آئیں گے دربار مدینہ گر یونہی
آنے والے ہم کو جانے کی دعا دیتے رہیں

سارے حرف گلاب

ایک خوبصورت نعتیہ مجموعہ ہم دست ہوا ہے۔ سبحان اللہ! پہلے تو اس کے صوری حسن نے دامن نگاہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ نام ہے "سارے حرف گلاب" ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس سے پہلے عاصی کرنالی کا ایک نعتیہ مجموعہ "نعتوں کا گلاب" ۱۹۸۶ء میں چھپ چکا ہے۔ نعتوں کے زیر نظر گلاب اب شوکت ہاشمی کے یہاں کھلے ہیں۔

اس کتاب میں رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کے ۶۳ سال کی مناسبت سے ۶۳ نعتیں ہیں۔ پہلے پانچ صفحات پر ایک ایک شعر درج ہے۔ توحید و رسالت' حرف سخن' مدینے کے مہکتے موسموں' درودوں کی سلامی اور مدحت رسولؐ کی سعادت کے بارے میں۔ اس کے بعد ایک حمد ہے۔ حمد کے ہر صفحے پر تسبیح و تحمید کے کلمات درج ہیں۔ نعتوں کے تمام صفحات درود پاک سے مزین ہیں۔ ہر نعت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ نعت کس مقام پر لکھی گئی ہے۔ اتنا اہتمام کون کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شوکت ہاشمی نے سارے گلاب حرف ایک خاص ماحول اور ایک خاص کیفیت میں لکھے ہیں۔ اس نعتیہ مجموعے کے "سارے حرف گلاب" کے پہلی نعت کی ردیف کا حصہ ہیں۔

احمدؐ اسم؛ محمدؐ نام کے سارے حرف گلاب
ذکر و ثناء و نعت و سلام کے سارے حرف گلاب

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ سفر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مدینے چلے ہیں خراماں سفر ہو رہا ہے بہاراں' بہاراں

شہ دو جہاں کے غلام آ رہے ہیں مودب مودب چھیاں چھیاں
مدینے کی راہیں مدینے کے رستے درخشاں درخشاں فروزاں فروزاں

اس کے بعد سترہ اشعار پر مشتمل ایک ایسی نعت ہے جس میں وہ اپنے وفور شوق اور جذب رواں سے مخاطب ہوتے ہیں۔ کیف و سرور کا عالم ہے۔ لب لرزاں ہیں اور دل گریہ کناں ہے۔ درد نہاں خود بول رہا ہے۔ زندگی آداب حضوری کے ساتھ اپنا سلام پیش کررہی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دستور کے مطابق اور قرآنی حکم کے تحت زبان آہستگی کے ساتھ اور اشکوں کی روانی اپنی خوش بیانی کے ساتھ عجز کا اظہار کررہی ہیں۔ اس نعت میں جو اپنی اکائی میں ایک نظم ہے شاعر اپنے جذبات اور محسوسات کو نہایت کامیابی کے ساتھ الفاظ کا روپ دے لیتا ہے۔ یہ ایک نعت ہی شوکت ہاشمی کی نعت نگاری میں تخلیقی صلاحیت کا ثبوت ہے۔ جس طرح ایک ندی اپنے بہاؤ کے لئے اپنا راستہ خود متعین کرتی ہے اس طرح شوکت ہاشمی کی روانی طبع بھی اپنی زمین اور اپنا رخ خود متعین کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جذبات و محسوسات ازخود الفاظ کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور ان کے افکار اپنے اظہار کے لئے ردیف و قوافی بھی خود ہی لے آتے ہیں۔ اس کیفیت میں آمد ہی آمد ہے۔ مدینہ پہنچتے ہیں تو ادب و احترام کا مرقع بن جاتے ہیں۔

یہ سماں ہے صبح طیبہ کا سماں' آہستہ بول' اے وفور شوق اے جذب رواں آہستہ بول

ردیف و قوافی کی بات ہوئی ہے تو یہ تروتازہ اور شاداب زمینیں دیکھئے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ سب فطری طور پر ظہور میں آگیا ہے۔

بہار' روشنی' خوشبو' گلاب تیرا نام بشارتوں کا مکمل نصاب تیرا نام
خیال روشنہ اطہر مبارک مبارک اے دل منظر مبارک
وہ فارقلیطؑ وہ حمطایا' انا اعطینک الکوثر خود رب جہاں نے فرمایا' انا اعطینک الکوثر
اسلام ہے' ایمان ہے آقاؐ تری تعلیم اک بولتا قرآن ہے آقاؐ تعلیم

اس شاعری میں کیف آوری تو ہے لیکن سرشاری کی وہ شدت نہیں جو انسانی ذہن کو منجمد اور محدود کر دیتی ہے۔ اس میں پورے ہوش و حواس کے مواج لیکن گہرے پانیوں کی شناوری ہے۔ شاعر کو اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ فی الواقع وہ کہاں کھڑا ہے۔ "سارے حرف گلاب" کے پڑھ کر ایک تو اختر لکھنوی یاد آتے ہیں جن کی نعتیہ شاعری بھی کچھ ایسی کیفیات سے معمور ہے لیکن ان کے یہاں نعتیہ شاعری کی تنزیل فوری نہیں ہوتی۔ وقت کی ایک مدت گزرنے کے بعد ہوتی ہے۔ دوسرا خیال آتا ہے۔

حفیظ تائب کا جن کے یہاں شگفتہ اور نو بہ نو ردیف و قوافی اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں لیکن الفاظ کے حسن استعمال کا یہ انداز شوکت ہاشمی کا طبع زاد بھی ہو سکتا ہے۔ مندرجہ بالا "آہستہ بول" والی نعت جس کیفیت کی عکاس ہے اس کی فضا تخلیق کرنے میں شوکت ہاشمی کے اپنے لب و لہجہ کا بھی بڑا دخل ہے۔ ان کی باطنی واردات کا ظاہری اظہار زیادہ وقت نہیں لیتا۔ احساس ان کا عمل اور اظہار ان کا فوری رد عمل ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ کہنا ہو گا کہ ان کا اظہار ان کے احساس کا عمل در عمل ہے اور اسی ایک عمل کو آگے بڑھانے کا نام ہے۔

ان نعتوں میں وہ حسرت بھری تڑپ نہیں ہے جو محرومیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ مدینے کا مسافر مدینے پہنچ جاتا ہے۔ یہاں محرومی اور حسرت کی تشنگی نہیں ہے، حضوری کی سیرابی ہے۔ یہ نعتیں تمنا براری کے جلو میں لکھی گئی ہیں۔ موسم باران کرم شاعر کا شنیدہ نہیں دیدہ ہے۔ آنکھوں میں دید کے دیپ روشن ہیں اور سانسوں میں مہکتے پھول کھل رہے ہیں۔ شاعر اپنے تمام حواس کے ساتھ ان سے بہرہ یاب ہو رہا ہے۔ اس کیفیت میں بھیگ رہا ہے۔ البتہ کہیں کہیں اس سے ایسے اشعار بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔

یہ دوری بھی میری حضوری ہے آقاؐ خبر آپ کو پوری پوری ہے آقاؐ

حالانکہ یہ اشعار مسجد نبویؐ میں کہے گئے اور روضۂ اطہر پر پیش کیے گئے۔ شاعر نے نبی اکرمؐ سے خطاب کا جو انداز اختیار کیا ہے اس میں بھی توازن نہیں ہے۔ تو، تم اور آپ سے خطاب کرتے ہیں۔ ایک اچھے نعتیہ مجموعے میں یہ ناہمواری اچھی نہیں لگتی۔ امید ہے کہ شوکت ہاشمی مزید احتیاط سے کام لیں گے۔ اس آرزو کے ساتھ کہ باوضو ہو کر عمر بھر اور بچشم تر سیرت خیر البشر لکھتا رہوں، ان کے لیے یہ سعادت ہی کیا کم ہے کہ وہ نعت سرکارؐ اور ان کے انوار لکھتے رہتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاںؒ، حفیظ جالندھری اور ماہر القادری کے سلاموں کی طرح سے شوکت ہاشمی کا کتاب کے آخر میں ۷۸ اشعار پر مشتمل جو سلام ہے۔ وہ بھی اپنا ایک انداز رکھتا ہے۔ اس کے ہر شعر کا پہلا مصرع سلام کے لفظ سے اور دوسرا مصرع درود کے لفظ سے شروع ہوتا ہے۔ نہایت پر کیف ہے۔

یہ کتاب نعتیہ شاعری کا ایک بہتر مطالعہ پیش کرتی ہے۔ صوری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ

مہرِ جہاں تاب

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے دل و دماغ عطا فرمائے ہیں۔ اسے نطق سے

نوازا ہے۔ اسے اس کے اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار پر قادر کیا ہے۔ اس لیے انسانوں میں سے جو اہل ایمان ہیں وہ حمد الٰہی اور مدحت رسولؐ کے لیے اپنے علم اور صلاحیت کے مطابق اپنے الفاظ بھی ایسے استعمال کرتے ہیں۔ جن سے ان کے مدعا کا ابلاغ بخوبی ہو سکے۔ ہر وہ اہل ایمان جس کو قدرت نے قوت تحریر ودیعت فرمائی ہے یہ سعادت حاصل کرنے میں حتی الامکان کوشاں رہتا ہے۔ نہ صرف کوشاں رہتا ہے بلکہ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا خواہاں بھی ہوتا ہے اور یہ عین فطری امر ہے۔

جناب مقبول شارب بھی شعر گوئی کا ذوق اور سلیقہ رکھتے ہیں۔ اردو ادب میں ایم اے اور ایک تعلیمی ادارے کے سربراہ ہیں۔ حب رسولؐ کے جذبے سے سرشار ہیں۔ یہ سرشاری نعتیہ شاعری میں منتقل ہو کر "مہرجہاں تاب" کے نام سے کتابی صورت میں طلوع ہوئی ہے۔ اس مہرجہاں تاب کی روشنی اتنی ہی نرم ہے جتنی کہ ایک ہلکے ابر کے سورج کے سامنے آجانے سے ہوتی ہے۔ کلام میں سادگی اور دل نشینی ہے۔ جس ذات والاصفات کی یہ مدحت ہے' اس کے لئے کہتے ہیں۔

کوئی حسین کیسے سمائے نگاہ میں حسن صفات و ذات کا عالم نظر میں ہے
ہر وقت رحمتوں کا جہاں پر نزول ہے ایسا دیار صرف دیار رسولؐ ہے

اس کتاب کے مندرجات کے بارے میں سید عزیز الرحمن عزیز جے پوری نے اپنی تقریظ میں ان کے محاسن شعری تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ "زاد آخرت" کے عنوان سے سالک عزیزی کا مضمون شامل کتاب ہے۔ مقبول شارب کے نعتیہ کلام میں "روشنی" کے استعارے کے بارے میں ڈاکٹر راحت عالم نسیم کا ہدیہ تہنیت ہے۔ دیگر مختصر مضامین شاعر کے استاد خادی اجمیری اور سید ضامن حسنی کے ہیں۔ بزم فروغ ادب کے سرپرست اعلیٰ سید قمرالزماں شاہ صاحب کا بھی ایک مضمون "عشق رسولؐ" کے عنوان سے ہے۔

مقبول شارب کا رنگ سخن سادہ اور روایتی ہے۔ اس میں نہ سخن آرائی کی مرصع کاری ہے نہ فکرو خیال کی جدت طرازی ہے۔ لیکن پر خلوص مدحت رسولؐ ہے اور اس میں جو کیف و سرور ہے وہی مقصد حصول ہے۔ چند اشعار دیکھیے۔

جس کو رہتا ہے ہر اک لمحہ خیال مصطفٰےؐ ایک دن وہ دیکھ ہی لے گا جمال مصطفٰےؐ
پھول الفت کے کھلائے نفرتوں کے دشت میں یہ تو کوئی کم نہیں شارب کمال مصطفٰےؐ
آقائے نامدارؐ کا غم کیا ہوا نصیب میرے لیے نشاط کا سامان ہو گیا
محبتوں کے مروتوں کے نوازشوں کے عطا کے موتی قدم قدم پر میں رولتا ہوں ولائے خیرالوریٰ کے موتی

تمام نعتیں کسی نہ کسی عنوان کے تحت ہیں۔ مثلاً "مخبر صادق، فخر دو عالم، معراج زندگی، آئینہ حقیقت، رہبر کامل۔

ان نعتوں کا پہلا پرت اگر ہٹا کر دیکھا جائے تو شاعر کے دل میں حب رسول موجزن ملے گا۔ سطح پر سکون ہے لیکن زیر سطح صورت حال مختلف ہے۔ مقبول شارب ردائے رحمت کے زیر سایہ حب رسول کی متاع بے بہا لیے رہتے ہیں۔ کتاب میں ایک حمد اور ۲۸ نعتوں کے علاوہ خلفائے راشدینؓ اہل بیتؓ دیگر اصحاب کبارؓ اور چند بزرگوں کی منقبتیں بھی ہیں۔ شاہ لطیف" کے لیے کہتے ہیں۔

گلشن سندھ کو ملی تم سے عظمت بے مثال شاہ لطیف"

آخر میں ہمارے عہد کے ایک معروف عالم، نقاد، استاد اور صاحب طریقت بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کی قابل قدر رائے سے اقتباس۔

"جناب مقبول شارب کا مجموعہ نعت دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ سیدھی سادی زبان میں نہایت خلوص و عقیدت کے ساتھ ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے جو بڑے بڑے نعت گو شعرا کا طرہ امتیاز ہے۔ انھیں اچھی غزل لکھنے کا تجربہ ہے اور اسی تجربے سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے بعض حسین نعتیں لکھی ہیں۔ مجھے یہ نعت بہت پسند آئی۔

کرم کی آبرو، الفت کی جاں ہے محمدؐ نازش کون و مکاں ہے
وہ جس سے رونق کون ومکاں ہے وہی انسانیت کا دل ہے جاں ہے
دیار مصطفےٰؐ کا ذرہ ذرہ حریف مہر و ماہ کہکشاں ہے
قدم لیتی ہے جس کا بڑھ کے منزل ہمارا وہ امیر کارواں ہے
شہ کونینؐ کی الفت ہے جس میں وہ دل عشق الٰہی کا جہاں ہے

اللہ خوش رکھے اور اس محبت میں استقامت بخشے۔ آمین ثم آمین۔ اس سے بڑھ کے سند قبولیت خواص مقبول شارب کے لیے کیا ہو سکتی ہے۔

مایۂ دل نشیں

صوبہ سندھ میں کراچی کے بعد حیدر آباد شہر میں علمی و ادبی مجلسیں زیادہ منعقدہ ہوتی ہیں۔ اس شہر میں الحاج سید قمر الزماں شاہ صاحب رہتے ہیں۔ جو ایک سے زیادہ علمی و ادبی انجمنوں کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔

ان کی ذات بابرکات سے ایک ایسا چشمہ فیض رواں ہے جو پیاسوں کو سیراب کرتا ہے۔ انھی کی ایک تحریر بعنوان "محبت رسولؐ - ایمان کی اساس" کے ساتھ وجاہت شوقی کا نعتیہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ وجاہت شوقی حج کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ چنانچہ ان کے کلام میں اس مبارک سفر کی جھلکیاں بھی جابجا نظر آتی ہیں۔

اے زمین مکہ یہ تیرا نصیب تجھ پہ محبوبِ خدا پیدا ہوا

کیا مدینے کی کوئی گلی آگئی دیدہ و دل میں اک تازگی آگئی

یہی دیدہ و دل کی تازگی جو فی الحقیقت ایمان کی تازگی ہے اس شاعر کے لئے مایہ دلنشیں ہے۔ چونکہ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہیں اور اس لحاظ سے دیکھئے تو معلم اعظم و آخر کے نقشِ قدم پر چلنے والے پرائمری سطح سے جامعہ کی سطح تک ہر استاد قابل احترام ہوتا ہے۔ اگر قدرت نے سخن گوئی کی صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے اور یہ صلاحیت نعت نگاری کے لیے استعمال کی جاتی ہے تو عزت و تکریم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ کہنا آسان ہے کہ وجاہت شوقی کا طرز سخن روایتی ہے لیکن غور کیجئے تو روایت اپنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ جس طرح ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی' ہر پتھر ہیرا نہیں ہوتا' ہر سیپ میں موتی نہیں ہوتا' اسی طرح ہر جدت بھی دامن کش دل و نگاہ نہیں ہوتی۔ اس کی مثال وہ نت نئے تجربے ہیں جو شعر و ادب میں کئے جا رہے ہیں۔ اگر نعت میں نعتیہ شاعری کے محاسن موجود ہیں اور مدحت رسولؐ میں جذبوں کی سچائی اور عقیدت کی گہرائی شامل ہے تو قدیم و جدید کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ رہی مضامین کی تکرار تو وہ قند مکرر سے کم نہیں ہوتی اور یہ قند مکرر کہاں نہیں پائی جاتی۔ بات صرف انداز بیان اور طرز ادا کی رہ جاتی ہے۔ اگر یہ تاثیر کی حامل ہیں تو بات یقیناً "بن جاتی ہے۔ اس تناظر میں وجاہت شوقی کی نعتیہ شاعری کو دیکھا جائے تو سادگی' برجستگی اور اثر پذیری کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ یہ شاعر کی کامیابی ہے۔ ربع صدی کی مشق سخن بھی نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض صلاحیتیں راتوں رات بام شہرت کو چھو لیتی ہیں لیکن یہ بات ہر اک کو حاصل نہیں ہوتی وجاہت شوقی نے جس محبت عقیدت' اور جذبہ ایمانی کے ساتھ یہ نعتیں کہی ہیں ان کی متبولیت کا اصل مقام تو بارگاہ خداوندی اور سرکار نبویؐ ہی ہے لیکن ان کے حلقہ تعارف میں بھی ان کو پسندیدگی حاصل ہے۔ شوکت ہاشمی نے وجاہت شوقی کے نعتیہ کلام کو زلال روح پرور سے تعبیر کیا ہے۔ تمام مندرجات کسی نہ کسی عنوان کے تحت ہیں۔ نعتوں کے علاوہ کتاب میں خلفائے راشدینؓ اور دیگر بزرگان دین کی منقبتیں بھی شامل ہیں۔ البتہ شاہ بھٹائیؒ کی منقبت بحر سے قدرے خارج ہو گئی ہے۔ نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ کہیں کہیں بات حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ توازن ضروری

ہے۔ کہیں کہیں خطابیہ انداز میں سقم بھی پایا جاتا ہے۔ غالباً "یہ سب سہوا" ہو گیا ہو گا۔

اب ہم وجاہت شوقی کے اس زلال روح پرور کے چند جرعات سے اپنے دل و جان کی تازگی کا سامان کرتے ہیں۔

خواہش خلد نہ درکار متاع دنیا دل سے شوقی ہے طلبگار رسول عربیؐ
ہے چمک نور نبیؐ کی خانہ دل کے قریب عشق احمدؐ کھینچ لایا مجھ کو منزل کے قریب
جہاں رنج والم کی دھوپ چھائی وہاں وہؐ ابر رحمت بن کے چھایا
عجب پرکیف ہیں نقش و نگار گنبد خضرا مری آنکھوں میں رہتی ہے بہار گنبد خضرا
دامان محمدؐ میں جب ہم نے اماں پائی پھر گردش دوراں بھی آتے ہوئے کترائی
جو آئے آپؐ تو غنچے کھلے فضا مہکی حضورؐ آپ کو جان بہار کہتے ہیں

جذبہ شوق شوقی سلامت رہے زندگی انؐ کے غم سے عبارت رہے
وہ مراد دلی آرزوے حسیں انؐ پہ لاکھوں درودانؐ پہ لاکھوں سلام

خوشبو سے آسماں تک

اس ذکر کی ہے رفعت کیا جانیے کہاں تک جس ذکر میں ہے شامل خود رب دو جہاں تک
ہم اور حقِ مدحت، ممکن کہاں ہے پھر بھی کیا کیفِ بے کراں ہے خوشبو سے آسماں تک

یہ قطعہ قمر وارثی نے لکھا ہے۔ اس کے چوتھے اور آخری مصرعے سے ۱۹۹۵ء کی تاریخ اشاعت نکلتی ہے اور "خوشبو سے آسماں تک" اس کتاب کا نام ہے جس کی یہ تاریخ اشاعت ہے۔

ایک نئی طرح اور نئی میں قائم دبستان وارثیہ نے یہ ڈالی ہے کہ پورا مصرع طرح دینے کی بجائے صرف ردیف دی جائے اور شعرائے کرام بحور اور قوافی اپنی طبع رسا کے مطابق اختیار کرتے ہوئے اپنی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے میں کشادگی محسوس کریں۔ سال کے بارہ نعتیہ مشاعرے اسی التزام کے ساتھ منعقد کیے گئے۔ ۹ اصحاب نے میزبانی کی۔ ۲۸ شاعروں نے ۸ حمدیں اور ۱۸۷ نعتیں پڑھیں۔ ۱۹۹۴ء کی ان تمام تخلیقات کو قمر وارثی اور اختر لکھنوی (مرحوم) نے مرتب کر کے ۱۹۹۵ء میں ایک نعتیہ مجموعہ شائع کیا۔ اس میں ۲۶ شعرا کے باتصویر کوائف، کتابت و طباعت کا حسن، سرورق کی دیدہ زیبی اور ترتیب و تدوین کا سلیقہ شامل ہیں۔ مجموعی طور پر یہ نعتیہ مجموعہ اپج اور تازہ کاری کی ایک نادر مثال ہے۔ بارہ ردیفوں میں سے چھ کے مطلع دیکھیے۔

بھلا کیسے نہ پہنچے اِس کے گھر سے اُس کے گھر خوشبو
کہ ذکرِ مصطفےٰؐ کے ساتھ کرتی ہے سفر خوشبو
عزیز الدین عزیز

ہاتھ آیا جب سے مرے سرکارؐ کا دامن
تاروں سے سجا طالعِ بیدار کا دامن
اختر لکھنوی

یہی دو نور ہیں جن سے ہوئے دونوں جہاں روشن
خدا کا عرش روشن اور نبی کا آستاں روشن
نشتر اکبر آبادی

دل نے روشن کیے ثناء کے چراغ
تیرگی دور کی جلا کے چراغ
صبیح رحمانی

اب ان کی گرد کو کرتی ہے ہر نگاہ تلاش
جو کر چکے ہیں درِ مصطفےٰؐ کی راہ تلاش
قمر وارثی

ضو فشاں جس دل میں ہو جائے شریعت کی کرن
اس کو آئینہ بنا دیتی ہے رحمت کی کرن
اقبال نخروں

اب اگلی چھ ردیفوں کے مقطع ملاحظہ کیجئے

حضورؐ بخش دیں انجمؔ کو بھی زمیں دو گز
یہ کر رہا ہے مدینے کی ہر گلی کا طواف
انجم شادانی

شہرِ آقاؐ یوں تو ساری خوبیوں کا شہر ہے
آپ جب جائیں وہاں راقمؔ تو لے آئیں مہک
راقم جونپوری

محبؔ عرفاں اجالوں کا نہ ہو گا
نہ دیکھے گردینے کے اجالے

محب لکھنوی

اظہارؔ بجز عشق محمدؐ دل وجاں میں
رکھتا نہیں کچھ اور مسلمان اثاثہ

اظہار جونپوری

زمانہ مجھ کو غلام نبیؐ کہے طاہرؔ
نفس نفس ہے مجھے ایسی زندگی کی لگن

طاہر سلطانی

سرکارؐ دو جہاں سے محبت نہ پوچھیے
اب تو ہے انؐ کا ذکر ہی شوکتؔ کا آسماں

شوکت قادری

مطلعوں اور مقطعوں کے درمیان جو اشعار ہیں وہ بھی جذبات، محسوسات، کیفیات اور تاثرات سے بھرپور ہیں۔ کہیں طلب سفر کی تڑپ کہیں باردگر کی تمنا ہے۔ کہیں حصول منزل کی آسودگی ہے۔ کہیں اسوہ رسولؐ کی جھلکیاں ہیں۔ مختلف شعرا نے ردیفوں کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ ان میں معنی آفرینی کے پہلو نظر آتے ہیں۔ پورے شعر کے ساتھ مل کر نئے نئے مفاہیم اجاگر ہوتے ہیں۔ بحور و قوافی کی اس رنگا رنگی نے اس نعتیہ شاعری کے افق کو وسیع کر دیا ہے اور اس یکسانیت سے پاک رکھا ہے جو بصورت دیگر طرحی مصرعوں سے بعض اوقات پیدا ہو جاتی ہے۔

اس نعتیہ مجموعے میں ایک تنوع یہ بھی ہے کہ اس میں شریک شعرا کی عمریں ۳۰ سے ۸۱ سال تک کی ہیں۔ فطری طور پر ان میں قدیم اور روایتی انداز بھی ہے اور جدید رنگ بھی رنگ کوئی سا ہو اگر فکر سلیم راست ہے تو تازہ بھی رہتی ہے اور سلامت بھی۔ ہم ردیفی یا ہم طرحی میں بھی تقابلی مطالعہ ویسا ہی لطف دیتا ہے جیسا افتخار احمد عدنی کو غالب اقبال اور ذہین شاہ تاجی کی ہم طرح غزلوں میں آتا ہے۔ جہاں بزرگ شعرا نے اچھی اور مضبوط نعتیں کہی ہیں وہاں نوجوان شعرا نے بھی دلنشیں اور پر تاثیر نعتیں کہی ہیں۔ البتہ بعض نعتوں میں کہیں کہیں زبان و بیان کی خامیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کہیں کہیں معنوی سقم بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی مثالیں کم ہیں۔ مجموعی طور پر "خوشبو سے آسمان تک" کی نعتیں اپنے اندر

تازگی ایمان اور نشاطِ روح کا پورا پورا سامان رکھتی ہیں۔

حریم نعت

۲۷ جون ۱۹۶۵ء کو پیدا ہونے والا ایک نعت خواں نعت گو بن کر ابھرا اور اس نے نام پیدا کیا۔ صبیح رحمانی اس کے بعد ۱۱ دسمبر ۱۹۶۹ء کو پیدا ہونے والا ایک اور نعت خواں نعت گو کی حیثیت سے متعارف ہوا اور اس نے نام پایا رئیس احمد۔ موخر الذکر نے اپنی نعت گوئی کی کیفیت یوں بیان کی۔

رئیسؔ نعت اترتی ہے جب کبھی دل پر   تمام وقت گزرتا ہے حاضری کی طرح

اٹھتی جوانی، خوبصورت آواز اور دلکش ترنم میں توانا الفاظ نے ان کے جسم و جاں پر رازہائے ہنر جس دلبیز پر کھول دیئے اور جہاں ان کو آگہی سے شناسائی ملی وہیں سے نہ صرف ان کی شاخِ نظر نے شادابی حاصل کی بلکہ حبِ نبیؐ کا چاند ان کے خیالوں کے افلاک پر چمک کر ان کی ہر شب کو سحر کی طرح سے اجالنے لگا۔ خود بھی نعت کہنے لگے اور دوسرے نعت گو شعرا کو ایسی نظر سے تکنے لگے گویا پہچان رہے ہیں۔ جن جن کو پہچان لیا ان کی تعداد ایک سو ایک نکلی۔ چنانچہ ایک سو ایک شعرا کی ایک سو ایک نعتیں منتخب کرکے ایک خوبصورت مجموعہ مرتب کیا اور ان کے مختصر کوائف بھی جمع کرکے اس میں شامل کیے۔ کتاب کے صفحات کو سجایا اور نام رکھا "حریم نعت"۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی فرماتے ہیں۔ "وہ نعتیہ انتخاب کا یہ مجموعہ ہمارے لیے لے کر آئے ہیں۔ یہ تحفہ اگرچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر ہمارے ذہنوں، ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں کے لیے ایک نعمت ہے۔ کیسی ہے وہ بارگاہ کہ اس میں پیش کیا جانے والا ہر نذرانہ پوری امت کے لیے ہوتا ہے"۔ شعرا کے کوائف کے بارے میں ڈاکٹر صاحب مزید کہتے ہیں۔ "اس سے شاعروں اور پڑھنے والوں کے درمیان ایک رابطہ پیدا ہو سکے گا۔ یہ ایک کارِ ثواب ہے کیونکہ مسلمان کے فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو برائے وصل کردن آمدی۔ خدا جناب رئیس احمد کے اس سفرِ عقیدت کو جاری رکھے۔ آمین"

کتاب کا پیش لفظ محترمہ ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب انصاری کا تحریر کردہ ہے۔ بڑی محبت، شفقت اور اپنائیت سے لکھا ہے۔ "ایک حد درجہ مہذب مودب اور شرافتِ نفس اور شبنمی لبجہ تکلم کا دلکش نمونہ ہماری چشمِ بصارت کا نور بن گیا اور ہم نے اس کو قرآن حکیم اور سیرتِ پاک کی محبت میں دیوانہ وار نعت خواں دیکھا تو وہ ہماری بصیرت کا سامان بن گیا۔ "ڈاکٹر عطیہ عرب کی یہ رائے تو اس نعتیہ مجموعے کے مرتب کے بارے میں ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کو انھوں نے "لافانی اور معیاری مجموعہ" کہا ہے۔ اب اگر کوئی زود رنج اور دیر فہم یہ کہے کہ یہ تو دوسرے شعرا کی اچھی نعتیہ شاعری ہے۔ اس میں مرتب کا کیا کمال

ہے تو میں کہوں گا کہ اس میں مرتب کی نگاہ انتخاب اور اس کی پیشکش کی نفاست باصواب کا کمال ہے۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست۔ ان ایک سو ایک نعتوں میں ایک سے ایک اچھی نعت موجود ہے۔ پڑھیے تو ایمان تازہ کیجئے اور جذبہ و فکر کی پاکیزہ نمی میں بھیگ جایئے۔ اس نعتیہ مجموعے سے اس نوجوان کی ایک اور خوبی سامنے آتی ہے۔ خود اپنا نعتیہ مجموعہ سامنے لانے سے پہلے انھوں نے دوسرے شعرا کی قابل توجہ نعتوں کا انتخاب شائع کیا۔ ترتیب میں شعرا کے نام حروف تہجی کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔ مرتب کا کہنا ہے۔ "حریم نعت میں جن شعراء کی نعتیں شامل ہیں اس میں اس صدی کے اوائل، درمیان اور عصر حاضر کے نعت گو شعراء اور شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ یقیناً" ان تینوں ادوار سے بہت سے اہم نام اس کتاب میں شامل نہیں کئے جا سکے جس کا مجھے احساس بھی ہے اور دکھ بھی"۔ احساس کی حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن دکھ کرنا ضروری نہیں۔ یہ ممکن تھا ہی نہیں یہ تو ایک بحر ناپیدا کنار ہے رئیس احمد کے اس مجموعے سے قبل سید قاسم محمود نے بھی ایک ایسا ہی نعتیہ مجموعہ مرتب کر کے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا ہے۔ "پاکستان کے نعت گو شعرا" کے نام سے وہ حصہ اول ہے۔ ایک سو شعرا کے مختصر کوائف اور مختصر تبصروں کے ساتھ ان کی دو دو نعتیں شامل کتاب ہیں۔ شاعروں کی ترتیب بھی حروف تہجی کے لحاظ سے ہے۔ کئی نام بھی دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔ تاہم ہم سید قاسم محمود اور رئیس احمد کی ان کاوشوں کو توارد نہیں کہہ سکتے۔ باعث تالیف دونوں صورتوں میں مختلف ہے۔ ایک آدھ جگہ کے علاوہ نگاہ انتخاب کے زاویئے بھی مختلف ہیں۔ بہرحال ایسی تمام کاوشوں کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں قبولیت اور اس کے محبوبؐ کی بارگاہ میں پسندیدگی کا شرف حاصل ہو۔ حریم نعت کی فضا میں جو نعتیہ اشعار گونج رہے ہیں ان میں چند نذر ہیں۔

جس کا قصیدہ خالق عرش بریں کہے ایسا حسین حسن بھی جس کو حسیں کہے
خدا نہیں ہیں مگر مظہر خدا ہیں رسولؐ بلندی بشریت کی انتہا ہیں رسولؐ
ہے یاد تری اپنا ہنر سید عالم اور اشک جگر تاب گہر سید عالم
مجھ کو تو اپنی جاں سے پیارا ہے انؐ کا نام شب ہے اگر حیات ستارا ہے انؐ کا نام
نعت میں کیسے کہوں انؐ کی رضا سے پہلے میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثناء سے پہلے

حضورؐ کی ہر گلی سے پہلے بہت سا یکجا کیا اثاثہ
بلا کے پھر اپنے گھر خدا نے مجھے کیا وہ عطا اثاثہ

ماہنامہ نعت لاہور

راجا رشید محمود لاہور سے ایک ماہنامہ "نعت" کے نام سے نکال رہے ہیں۔ اس کا ہر شمارہ کسی خاص موضوع سے متعلق ہوتا ہے۔ زیر نظر شمارہ بھی حسب معمول اس کی اشاعت خصوصی ہے۔ اس کے مدیر اس کو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا بھی کہتے ہیں۔ کتابی سائز کے ۴۱۶ صفحات پر مشتمل اس اشاعت خصوصی کے بارے میں مدیر موصوف رقم طراز ہیں۔

"جلد اول میں ردیف الف میں کہی گئی نعتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ اگر اس ردیف کی تمام نعتیں شائع کی جائیں تو ہزارہا صفحات درکار ہوں گے۔ اس لیے ترتیب کے ساتھ ان نعتوں کا ایک مصرع حوالے کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔ ردیف الف کی جزیاتی تقسیم کے تحت کچھ مکمل نعتیں بھی شامل کی جارہی ہیں۔ آ' با' تا' جا..... ردیفوں کے حوالے سے نعتیں جمع کی گئی ہیں"

چنانچہ سب سے پہلے آ کی ردیف میں ایک ایک مصرع شاعر کے نام اور حوالے کے ساتھ یوں درج ہے۔

حافظ مظہرالدین نعت پڑھ کیف اور سرور میں آ تجلیات' ص ۱۳

حفیظ تائب شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ صلو علیہ و آلہ' ص ۱۰۸

اکرم رضا عشق شہ حجاز کے قالب میں ڈھل کے آ شام و سحر' نعت نمبر ۵' ص ۱۳۱

ضیاء اعوان اے رحمت کل بگڑی بنانے کے لیے آ ضیائے حرم' جون ۷۷

اس کے بعد اسی ردیف میں حفیظ تائب کی نعت دی گئی ہے۔

شوق و نیاز عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ یہ کوچہ حبیبؐ ہے پلکوں سے چل کے آ
امت کے اولیا بھی ادب سے ہیں دم بخود یہ بارگاہ سرور دیںؐ ہے سنبھل کے آ
آتا ہے تو جو شہر رسالت مآبؐ میں حرص و ہوا کے دام سے باہر نکل کے آ
ماہ عرب کے آگے تری بات کیا بنے اے ماہتاب روپ نہ ہر شب بدل کے آ
سوز و تپش سخن میں اگر چاہتا ہے تو عشق نبیؐ کی آگ سے تائب پگھل کے آ

اسی طرح سے با' تا' ثا سے ہوتے ہوئے یا تک کی ردیفوں میں نعتوں کا ایک ایک مصرع دیا گیا ہے۔ ہر ردیف سے پہلے اس سے متعلق اعداد و شمار دیئے گئے ہیں اور اس کے آخر میں ایک یا ایک سے زیادہ

نعتیں دی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ یا کی ردیف تک چلا گیا ہے۔ یا کی ردیف میں نعیم صدیقی کا بھی ایک مصرع دیا گیا ہے۔ آپؐ میں ہم میں حجابات ہیں حائل کیا کیا۔ آخر میں نعتوں میں پہلی نعت نعیم صدیقی کی ہے لیکن مطلع کے بغیر اور چار اشعار جو یہ ہیں۔

ہم مدینے کے مسافر تھے کہیں دم نہ لیا ہر قدم سامنے آئی ہیں منازل کیا کیا
آپؐ ہی کے رخ تاباں پہ رہی اپنی نظر ورنہ بت ہم پہ بھی ہوتے رہے مائل کیا کیا
ہم نے لٹوائے ہیں جذبوں کے گھرندوے کتنے ہم نے جلوائے تمناؤں کے حاصل کیا کیا
آپؐ کے شوق میں کیا اچھلی ہیں خوں کی موجیں آپؐ کی یاد میں تڑپا ہے مرا دل کیا کیا

آ سے یا تک کے درمیان اچھی اچھی نعتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ تھا کی ردیف میں ایک نعت کے اشعار صبیح رحمانی کے بھی دیکھئے

خاک کو عظمت ملی، سورج کا جوہر جاگ اٹھا آپؐ کیا آئے کہ ہستی کا مقدر جاگ اٹھا
تیرگی سے خوف کھا کر جب پکارا آپؐ کو جسم و جاں میں روشنی کا اک سمندر جاگ اٹھا
جب ہوا در پیش مدح مصطفیٰؐ کا معرکہ ذہن کے میدان میں لفظوں کا لشکر جاگ اٹھا
قافلے جب بھی مدینے کے نظر آئے صبیح قلب منظر کسمایا، دیدہ تر جاگ اٹھا
منزل احساس کی راہیں منور ہو گئیں سوچ کے آئینے میں اک نور پیکر جاگ اٹھا

ردیفوں کے علاوہ جن نعتوں میں قافیے ہی استعمال ہوئے ہیں ان کا بھی ایک ایک مصرع ایسے ہی دیا گیا ہے۔ آخر میں ایسی نعتیں جن میں ردیف استعمال نہیں ہوئی، قوافی کا التزام بھی نہیں کیا گیا بلکہ صرف روی کے طور پر الف کا اہتمام کیا گیا ہے ان کا بھی ایک ایک مصرع دیا گیا ہے۔ ان تمام ردیفوں کے حوالے سے ان سب شاعروں کی فہرست علیحدہ سے بھی دی گئی ہے۔ جنھوں نے ان ردیفوں میں نعتیں کہیں۔ ان کے علاوہ نعتوں کے سلسلے میں کچھ مزید جائزے بھی مرتب کر کے شامل کئے گئے ہیں۔

اتنا بڑا اور تفصیلی کام ایک آدمی کے بس کا نہیں معلوم ہوتا۔ اس میں راجا رشید محمود کے رفقائے کار بھی شریک رہے ہوں گے۔ اس کتابی شمارے کا مقدمہ البتہ راجا صاحب کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف رسائل و جرائد کے نعت نمبروں کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ کچھ گلے شکوے بھی کئے ہیں۔ اپنے نقطۂ نظر سے خامیوں کی نشان دہی بھی کی ہے خصوصاً "اوج کے نعت نمبر پر، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی جو اوج کے مدیر تھے شہادت کے بلند مرتبے پر فائز ہو چکے۔ حیات ہوتے تو شاید وہ کچھ کہتے۔ راجا صاحب کے اعتراضات کے کلی یا جزوی طور پر درست ہونے کی صورت میں بھی کہیں کہیں منفی انداز

جھلکتا ہے۔ مثلاً "عنایت علی خاں کی نعت کا یہ شعر ہے۔

اے[1] یہ مری عقیدت بے نصیب' یہ مری ارادت بے ثمر
مجھے میرے دعوی عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

اس شعر پر راجا صاحب کا اعتراض یہ ہے۔

"خدا کا شکر ہے کہ شاعر کی عقیدت بے نصیب اور ارادت بے ثمر کا رخ میرے آقا و مولا حضور حبیب کبریا علیہ التحیہ والثناء کی جانب نہیں لیکن اسے نعت کے نام سے کیوں پیش کیا گیا ہے؟"

نکتہ چینی کے جوش میں اب ایسا بھی کیا کہ سخن فہمی ہی ساتھ چھوڑ دے۔ ایک تو نعت گو شاعر سے سوئے ظن' دوسرے اس شعر کے نعت میں شامل کیے جانے پر اعتراض محترم بھائی میرے! یہ اس عقیدت اور اس ارادت کا ذکر ہے جو محض زبانی دعویٰ عشق رسولؐ کا کرتی ہے لیکن عمل سے کوسوں دور ہے۔ اگر صرف لفظی عقیدت و ارادت پر اکتفا کر کے یہ فرض کر لیا جائے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ تو یہ بے نصیبی اور بے ثمری کی بات ہے یا نہیں؟ بلکہ سچ پوچھیے تو بد نصیبی اور تلخ ثمری کی بات ہے۔ شعر صاف ہے اور اپنا مفہوم واضح کر رہا ہے۔ پروفیسر عنایت علی خاں کی نعت گوئی اور سخن فہمی کسی سے کم تو نہ ہوگی۔ ماہنامہ "نعت" کی یہ اشاعت خصوصی محنت سے مرتب کی گئی ہے اور حب رسولؐ کے جذبے کے تحت ہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ راجا رشید محمود کی محنتوں کا صلہ دنیا اور آخرت دونوں میں عطا فرمائے گا۔ انھوں نے اس شمارے کو دستاویزی شکل دینے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ ویسے کامل اور مکمل ہونے کا دعویٰ کوئی بندہ بشر نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کاوش کے کیا مفید نتائج ہو سکتے ہیں اس کے بارے میں نعت گو شعرا اور نعت کے شعبے سے متعلق نقادان فن ہی بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ ہاں حسب توفیق جو جس شعبے میں جتنا کار خیر کر سکتا ہے وہ اس کے لیے سعادت کا باعث ہے۔ اگر چراغ سے چراغ جلتے رہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ نیت اصلاح کی ہو تو لہجہ بھی ویسا ہی چاہیے۔ طنز اور طعنہ سے ممکن نہیں۔

---

[1] اے :۔ اوج نعت نمبر ۲ کے صفحہ ۱۸۲ پر عنایت علی خان صاحب کے شعر کا پہلا مصرعہ غلط چھپ گیا ہے جس کی طرف راجا رشید محمود صاحب کا دھیان نہیں گیا ورنہ "بے نصیب" لکھنے سے شعر میں جو عروضی سقم پیدا ہو رہا تھا صرف وہ ہی اصل لفظ کی تحقیق کی طرف مائل کرنے کے لیے کافی تھا۔

"جواہر النعت" مرتبہ عزیز (صابری) احسن کے صفحہ نمبر ۱۲۴ پر یہ مصرعہ اس طرح ہے۔

مع (یہ مری عقیدت بے بصر یہ مری ارادت بے ثمر) شارق صاحب نے بھی اس جانب توجہ نہیں کی

"ادارہ"

گوشۂ صبا اکبرآبادی

وحدت ذات کی تبلیغ سراپا تم ہو — جس کی ہر لہر ہے توحید وہ دریا تم ہو
جس کو اللہ نے بھیجا وہ اجالا تم ہو — فرش پر روشنیٔ عرش معلیٰ تم ہو
تھا تمہارے ہی لیے سب یہ وجود کونین — بزم تخلیق میں خود انجمن آرا تم ہو
آرزو آدمؑ و عیسیٰؑ نے تمہاری کی ہے — کتنے معصوم رسولوں کی تمنا تم ہو
تمہیں دیکھیں گے تو کچھ قلب کو تسکیں ہو گی — دردمندان محبت کا مداوا تم ہو
ایک اک بات زمانے پہ اثر کرتی ہے — حق کی آواز ہو اللہ کا لہجہ تم ہو
تم نے انسان کو انسان کی عظمت بخشی — بندگی کے لیے انعام خدا کا تم ہو
کوئی ثانی ہے تمہارا نہ خدا ہے شریک — جیسے یکتا ہے خدا ویسے ہی یکتا تم ہو
لوح محفوظ پہ ہے نام تمہارا مرقوم — آیۂ نور سر عرش معلیٰ تم ہو
دونوں عالم میں تمہارا ہی سہارا ہے ہمیں — شافع حشر ہو تم رہبر دنیا تم ہو
میں کسی اور سے کیا عرض تمنا کرتا — میرے مالک میرے مولا مرے آقا تم ہو
حشر تک گلشن اسلام رہے گا سر سبز — یہ چمن وہ ہے کہ اس کے چمن آرا تم ہو
جس سے روشن ہوئی دنیا وہ تمہارا ہی ہے نور — جس نے چمکا دیا عالم وہ اجالا تم ہو
ہر پیمبر نے دعا کی کہ تم مل جاؤ — آرزوئے دل موسیٰؑ وہ مسیحا تم ہو
نعت گوئی میں فرشتوں نے سنا تھا میرا نام — حشر میں دیکھ کے مجھ کو کہا اچھا تم ہو

جو کہا تم نے زباں سے وہی تسلیم کیا
اصل میں مذہب و ایمان صبا کا تم ہو

وہ بزم پُر انوار کہاں اور کہاں میں سرکار کا دربار کہاں اور کہاں میں
معراج کے اسرار کہاں اور کہاں میں جبریل کی رفتار کہاں اور کہاں میں
کیا جذب محبت تھا جو کھینچ کے لایا اے شوق یہ دربار کہاں اور کہاں میں
تھا دشت مدینہ میں بھٹکنا ہی مناسب یہ سایۂ دیوار کہاں اور کہاں میں
خاموش سوئے گنبد خضرا ہیں نگاہیں اب طاقت گفتار کہاں اور کہاں میں
ہے سخت تعجب کہ بلائیں مجھے آقا اس لطف کا اظہار کہاں اور کہاں میں
سوتے میں بھی آتا ہے نظر مجھ کو مدینہ یہ دولت بیدار کہاں اور کہاں میں
ہیں جالیاں روضے کی مری آنکھوں کے آگے یہ نقش ضیاء بار کہاں اور کہاں میں
جھکتے لیے بیتاب ہیں شاہان زمانہ آقا ترا دربار کہاں اور کہاں میں
امید ہے ان کے کرم خاص سے ورنہ فردوس کا گلزار کہاں اور کہاں میں

ہر شعر میں ہے چھوٹ صبا عشق نبیؐ کی
یہ رونق اشعار کہاں اور کہاں میں

○

بے مثل ہے زمین میں وہ، آسماں میں وہ اپنی مثال آپ ہے دونوں جہاں میں وہ
یکتائے روزگار ہے دونوں جہاں میں وہ پیغام رب سناتا ہے اپنی زباں میں وہ
ضوبار آج بھی ہے ستاروں کے روپ میں خاک قدم جو چھوڑ گیا کہکشاں میں وہ
آدمؑ کا تذکرہ ہو کہ عیسیٰؑ کا ذکر ہو ہے داستاں کی جان ہر اک داستاں میں وہ
قائم ہے تا ابد جو نمازوں کا سلسلہ شامل خدا کے ساتھ رہے گا اذاں میں وہ
اس کے بغیر منزل مقصد کے ملی قائد ہے دو جہاں کا ہر کارواں میں وہ
اک سمت ہے خدائی تو اک سمت ہے خدا دونوں کا ایک رابطہ ہے درمیاں میں وہ
معمور ہے شمیم نبوت سے کائنات خوشبو کی طرح پھیل گیا ہے جہاں میں وہ

جس کو شفیع روز جزا مانتے ہیں سب
لے جائے گا صبا کو بھی باغ جناں میں وہ

نعت رنگ ۳

دیار پاک رسالت مآب دیکھا ہے — مدینہ دیکھا ہے ہم نے کہ خواب دیکھا ہے
غلط کہ روئے نبیؐ بے نقاب دیکھا ہے — حجاب اٹھا تو پھر اک حجاب دیکھا ہے
دلوں پہ کی ہے حکومت یتیم کعبہ نے — نگاہ دہر نے یہ انقلاب دیکھا ہے
عجیب پھول ملے گلشن مدینہ میں — جو رنگ دیکھا ہے وہ لا جواب دیکھا ہے
رسولؐ نے جسے چاہا وہ مل گیا ان کو — کرشمۂ نگہ انتخاب دیکھا ہے
کہیں بھی بند نہیں بارش کرم ان کی — کسی زمین نے ایسا سحاب دیکھا ہے
نبی کی دید کے پیاسے نہ ہو سکے سیراب — ہر ایک بحر کو مثل سراب دیکھا ہے
کہاں یہ دشت عرب اور کہاں حبیب خدا — اسی کی ریت پہ کھلتے گلاب دیکھا ہے
ہمیشہ ہم نے سکون دل و نظر کے لیے — سوئے مدینہ بصد اضطراب دیکھا ہے
یہ کس نگاہ نے سارے گناہ صاف کیے — یہ کس نے جانب فرد حساب دیکھا ہے
نگاہ اہل زمانہ نے ایک امیؐ کو — جہاں میں صاحب امّ الکتاب دیکھا ہے

صبا مدینے میں ہے جلوۂ رسول خدا
وہاں کے ذروں کو بھی آفتاب دیکھا ہے

○

ذکر احمدؐ کے سوا دل کا سکوں نا ممکن — نام دنیا میں کسی اور کا لوں نا ممکن
جن کی آواز سر عرش علیٰ گونجی ہے — وہ پکاریں مجھے اور میں نہ سنوں نا ممکن
گھر سے جب جاؤں تو سوئے گلشن طیبہ جاؤں — اور لے جائے کہیں جوش جنوں نا ممکن
جالیاں روضۂ اقدس کی میں دیکھ آیا ہوں — اپنی آنکھوں کو میں خود دیکھ سکوں نا ممکن
ترک دنیا کیے بیٹھا ہوں در والا پہ — حشر بھی اٹھ کے اٹھائے تو اٹھوں نا ممکن
کون سمجھے گا مدینے کی تمنا کی زباں — حال دل اپنا کسی سے میں کہوں نا ممکن
آب زمزم سے وضو کر کے چلا آیا ہوں — میں بھلا آتش دوزخ میں جلوں نا ممکن
راہ طیبہ کی مسافت میں ہوئے ہیں جو نصیب — ایسے کانٹوں کو میں تلوؤں سے چنوں نا ممکن
واسطہ احمدؐ مرسل کا دیا ہے میں نے — اب نجات اپنی سر حشر ہو کیوں نا ممکن
خاک جب تک در حضرت کی نہ مل جائے مجھے — قلب کا چین کلیجے کا سکوں نا ممکن
جن کی تعریف سر لوح بریں لکھی ہے — ان کے اوصاف میں کاغذ پہ لکھوں نا ممکن

میری منزل تو ہمیشہ سے مدینہ ہے صبا
رخ کسی اور طرف کر کے چلوں نا ممکن

عشق محکم چاہئے احساس کامل چاہئے
مدحت شاہ مدینہ کے لیے دل چاہئے

نور احمد دافع ظلمات باطل چاہئے
اس اندھیری رات میں یہ ماہ کامل چاہئے

صرف ذکر مصطفیٰ سے ہی بہل سکتا ہے جی
جس میں بس ان کی ہی باتیں ہوں وہ محفل چاہئے

ان کی فہرست غلامی میں ہو میرا نام بھی
اپنی ساری زندگی کا بس یہ حاصل چاہئے

جو مدینے ساتھ چلنا چاہے سر کے بل چلے
ہم سفر شائستہ آداب حزل چاہئے

داغ عصیاں رکھ کے ان کے در پہ کیا سجدے کروں
اپنی پیشانی بھی اس چوکھٹ کے قابل چاہئے

کہہ رہی ہیں ان کے روضے کی مقدس جالیاں
بندہ و آقا میں کوئی حد فاصل چاہئے

ہم تو بس راہ مدینہ میں بھٹکتے ہی رہیں
ان کو حزل ہو مبارک جن کو حزل چاہئے

روضۂ سرکارؐ پہ بے رنگ آنسو کیا کروں
خون دل بھی گریۂ پیہم میں شامل چاہئے

دم نکلتے وقت کیوں دنیا کو دیکھوں اے صبا
گنبد خضرا نگاہوں کے مقابل چاہئے

○

نگہ ترستی ہے طیبہ کے بام و در کے لیے
وہ جلوہ اک بڑا انعام ہے نظر کے لیے

عقیدتوں کے خزانے ہیں دل میں پوشیدہ
یہ زاد راہ بہت ہے مرے سفر کے لیے

جہان شر نے بہت دن میں ان کو پہچانا
حضور آئے تھے بہبودیٔ بشر کے لیے

رسول پاک ہیں قرآن ہے شریعت ہے
اب اور کس کی ضرورت ہے راہبر کے لیے

بشر کی شکل میں آیا وہ پیکر نوری
یہ بات کم تو نہیں عظمت بشر کے لیے

دو پارہ کر کے بھی زخم دوئی مٹا ڈالا
یہ ایک تمغۂ اعزاز ہے قمر کے لیے

وہ راہ زیست کی ہو یا منازل عقبیٰ
ہے رہنما مرا ہر ایک راہ گزر کے لیے

محمد عربی مدعائے کون و مکاں
ہے ان کے نام سے تسکین دل و جگر کے لیے

رسول برحق و پیغمبران حق کا امام
ہے اس کی خاک قدم روشنی نظر کے لیے

ازل سے تابہ ابد نور ہے محمد کا
یہ ایک چراغ ہے بس کائنات بھر کے لیے

امین بن کے محمدؐ جہان میں آئے
ہے پہلی شرط امانت پیامبر کے لیے

ہے میرے ہاتھ میں اپنے رسول کا دامن
بڑھاؤں دست طلب کیا میں سیم و زر کے لیے

صبا دیا ہے محمدؐ کا واسطہ جب سے
کوئی دعا نہیں تری مری اثر کے لیے

ہر اک سمت جلوے ہیں نور خدا کے نظر کھو نہ جائے مدینے میں جا کے
رہا ساری دنیا کے دل جگمگا کے جو ابھرا تھا سورج افق سے حرا کے
صدا دے رہا ہے مدینے میں آ کے اب ارمان نکلیں گے تیرے گدا کے
کوئی سبز گنبد میں اب سو رہا ہے زمانے کو خواب گراں سے جگا کے
ہمیں منزل عرش تک لیکے پہنچے سہارے ملے تھے جو اس نقش پا کے
معطر ہوا ہے مشام دو عالم مدینے سے آئے ہیں جھونکے ہوا کے
برس جائیں ہر سمت جنت کے موتی اگر دیکھ لیں شاہ دیں مسکرا کے
یہ گلہائے جنت ہیں کانٹے نہیں ہیں مدینے کے زائر قدم رکھ جما کے
لبوں کی تمنائے پیہم یہی ہے لئے جائیں بوسے در مصطفیٰؐ کے
محمدؐ کا احساں ہے سارے جہاں پر خدا سے ملایا ہے بندہ بنا کے
جو خورشید وحدت کی پہلی کرن تھی وہ آخر میں آئی ہے پردہ اٹھا کے
مرے آنسوؤں کو نظر لگ نہ جائے چلے جا رہا ہوں جہاں سے چھپا کے
جو ہے میرے دل میں وہ سب جانتے ہیں ضروری نہیں لفظ لب پر دعا کے
بڑے کام آئے ہیں اشک ندامت کہ فرد عمل صاف ہے دھل دھلا کے

صبا کون ہے یہ حجاب بشر میں
ذرا دیکھ لے آج پردہ اٹھا کے

○

خدا سے اور میں کیا مانگتا بھی بڑی دولت ہے عشق مصطفیٰؐ بھی
رخ احمدؐ بھی ہے زلف دوتا بھی سنہری دھوپ بھی کالی گھٹا بھی
یہ قبلہ بھی ہیں اور قبلہ نما بھی وہ مل جائیں تو مل جائے خدا بھی
یہ مٹی بھی نہایت محترم ہے اسی پر تھے نبیؐ کے نقش پا بھی
بھروسا ہے شفیع عاصیاں کا غم عصیاں نہیں دل میں ذرا بھی
جدھر سے لوگ جاتے ہیں مدینے وہی ہے زندگی کا راستہ بھی
نظر حیران ہے اس در پہ جا کر بہت مشکل ہوا ہے دیکھنا بھی
جو میرے دل میں تھا وہ جانتے تھے اگر کچھ پوچھتے تو بولتا بھی

تمنا ہے سر دربار محشر
غلامان نبیؐ میں ہو صباؔ بھی

گوشۂ سید محمد ابوالخیر کشفی

میری پلکوں کا گہر آپ سے وابستہ ہے — میرا ہر تار نظر آپ سے وابستہ ہے
وقت کے جبر سے بالا ہوں رسول اکرمؐ — میری ہر شام و سحر آپ سے وابستہ ہے
تاج کسریٰ کو سرِراہ کچل ڈالا تھا — فقرِ مومن کا شرر آپ سے وابستہ ہے
یہ زر و مال جہاں میرا حوالہ ہی نہیں — میرا اندازِ نظر آپ سے وابستہ ہے
آپ نے اتنا دیا خواہش دنیا نہ رہی — بے نیازی کا ہنر آپ سے وابستہ ہے
سارے اصنام و روایات کا جادو ٹوٹا — حسنِ تقدیرِ بشر آپ سے وابستہ ہے
کارِ امروز ہو یا کارِ قیامت آقاؐ — آج کی کل کی خبر آپ سے وابستہ ہے

اپنے کشفی پہ نظر سید و آقائے جہاں
ان دعاؤں کا اثر آپ سے وابستہ ہے

اس رحمتِ عالم کی عطا سب کے لیے ہے — سرکار کی شفقت کی ردا سب کے لیے ہے
بوبکرؓ سے سلمانؓ و اویس قرنیؓ تک — الطاف کی رحمت کی گھٹا سب کے لیے ہے
اک عاشقِ نادیدہ سے ہم ہجرزدوں تک — اس چہرۂ اقدس کی ضیا سب کے لیے ہے
اس روضۂ اطہر سے ابھرتا ہوا سورج — مانندِ نشاناتِ حرا سب کے لیے ہے
تاریخ کے ایواں میں اجالا ہوا جس سے — وہ زندہ و پائندہ نوا سب کے لیے ہے

ہاں مشرق و مغرب کا تفاوت نہیں کشفی
دامانِ رسالت کی ہوا سب کے لیے ہے

ذہن کو اپنے سجالوں تو ترا نام لکھوں — اپنے لمحوں کو اجالوں تو ترا نام لکھوں
شہرِ طیبہ میں گزاری ہوئی ہر ساعت کی — یاد کو دل میں بسالوں تو ترا نام لکھوں
گنبدِ سبز کے سائے میں وہ صدیوں کا خرام — اس کی تصویر بنالوں تو ترا نام لکھوں
روضۂ پاک کے نظارے کو نغمہ کی طرح — روح کے ساز پہ گالوں تو ترا نام لکھوں
میرے مولا! تری کملی سے ابھرتا سورج — اس کو آئینہ بنالوں تو ترا نام لکھوں

حضرت سید اکبرؓ کی وفا کا نغمہ.... آج دنیا کو سنالوں تو ترا نام لکھوں
صاحب عدل کہ فاروقؓ بتایا حق نے ان کو الفاظ میں ڈھالوں تو ترا نام لکھوں
جامع حرف الٰہی یہ درود اور سلام اپنے اشکوں کو سنبھالوں تو ترا نام لکھوں
تیری برکت سے منور ہوئیں جس کی آنکھیں اس کے لہجہ کو نبھالوں تو ترا نام لکھوں
خواجہ وسعت افلاک و زمیں تجھ پہ سلام تری لو دل میں بڑھا لوں تو ترا نام لکھوں

○

تو حرف دعا ہے مرے مولا' مرے آقاؐ
رحمت کی نوا ہے مرے مولا' مرے آقا

گرداب بلا میں ہے ترا نام سفینہ
تو موج بکشا ہے مرے مولا' مرے آقاؐ

اس حد مکانی سے گزر کر ترا نغمہ
میں نے بھی سنا ہے مرے مولا مرے آقاؐ

بکھرے ہوئے لمحوں میں سلامت ہیں دل و جاں
یہ تیری عطا ہے مرے مولا مرے آقاؐ

جو لمحہ تری یاد سے آباد ہوا ہے
اک کنج حرا ہے مرے مولا مرے آقاؐ

تسکین دل و جاں کی ہر اک صورت مطلوب
طیبہ کی ہوا ہے مرے مولا مرے آقاؐ

یہ گنبد خضری کے قریں طائر تنہا
کشفی کی نوا ہے مرے مولا مرے آقاؐ

ہے یاد تری اپنا ہنر سید عالم
اور اشک جگرتاب، گہر سید عالم

امکان مرے، تیری نبوت کا ثمر ہیں
تو مطلع امکان بشر سید عالم

آمد تری، انوار کا اعلان جلی ہے
آفاق میں تو بانگ سحر سید عالم

عثمانؓ و ابوبکرؓ و علیؓ کی تجھے سوگند
مل جائے مجھے میری خبر سید عالم

تابندہ و بے باک کرے میرے جنوں کو
فاروقؓ معظم کی نظر سید عالم

کشفی کے لبوں پر ہے حدیث شب اسریٰ
اس پر ہو عنایت کی نظر سید عالم

○

طیبہ کی ہوا مدحت سرکار کی قاصد
ان کا نہ اشارہ ہو تو ہم کچھ نہیں لکھتے

ہر سانس عبادت ہے محمدؐ کی ثنا سے
روداد شہاں، قصہ جم کچھ نہیں لکھتے

اک اسم محمدؐ کے سوا لوح ابد پر
دیوار و درو بام حرم کچھ نہیں لکھتے

اس شہر محبت کے صحیفوں پہ فرشتے
میرے لیے جز حرف کرم کچھ نہیں لکھتے

اک حرف ندامت سے مقدر کو سنوارا
اس کے سوا یہ دیدہ نم کچھ نہیں لکھتے

فضا میں ان کے ہونٹوں کی صدا ہے
مدینے کی سحر ہے اور میں ہوں

حجاب درمیاں کوئی نہیں ہے
محمدؐ کی نظر ہے اور میں ہوں

حرا سے سبز گنبد تک مسلسل
سفر اندر سفر ہے اور میں ہوں

در دل پر صدائے اسم احمدؐ
مرا دامان تر ہے اور میں ہوں

کبھی قدسی کبھی جامی و اقبال
تماشائے ہنر ہے اور میں ہوں

سکوت و صوت کی منزل سے آگے
تقاضائے دگر ہے اور میں ہوں

مرے اشکوں میں تصویر بلالیؓ
محبت کا ہنر ہے اور میں ہوں

○

لب عیسیٰ پہ بشارت کی جو مشعل تھا کبھی
عہد حاضر کے اندھیروں میں دکھائی دے گا

جسؐ کے ہونٹوں سے ملے لفظ و معانی کو گہر
"وہ مرے حرف کو اک تازہ نوائی دے گا"

جب سوا نیزے پہ سورج کی انی چمکے گی
سایہ دامن احمدؐ ہی دکھائی دے گا

ہر صدا حشر کے میدان میں پتھر ہوگی
نغمہ مرسلؐ آخر ہی سنائی دے گا

میرا دل اسم محمدؐ سے سکوں کا مرکز
ذہن بے مایہ بھی اب اس کی دہائی دے گا

ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں لیکن
اک اسم محمدؐ تو اجالے کے لیے ہے

درکار نہیں مجھ کو، کوئی سایہ رحمت
طیبہ کی ہوا غم کے ازالے کے لیے ہے

خاک در سرکارؐ سے نسبت ہے کچھ ایسی
عنوان مرے دل کے مقالے کے لیے ہے

بے چہرہ سہی عالم اسلام کا امروز
وہ گنبد خضریٰ تو حوالے کے لیے ہے

میں خواب میں سرکارؐ کو دیکھوں گا کسی دن
معراج یہی چاہنے والے کے لیے ہے

○

بشر ہے وہ مگر عکس صفات ایسا ہے
کہ کائنات میں تنہا دکھائی دیتا ہے

ہر ایک خلوت جاں میں اسی کی محفل ہے
ہر ایک شخص کو اپنا دکھائی دیتا ہے

غبار تشنہ لبی میں نگاہ امت کو
اسی کی ذات کا دریا دکھائی دیتا ہے

جہاں میں ذات محمدؐ کے سینکڑوں جلوے
نگاہ شوق کو کیا کیا دکھائی دیتا ہے

غرور کج کلہی تو گدائے احمدؐ کو
فساد قلب کا صحرا دکھائی دیتا ہے

○

قصیدہ بردہ شریف کا ایک نقش

نبی محتشم! تیرا گدائے بے نوا کشتی
بہ چشم ترے دامن کا سایہ ڈھونڈھنے آیا
ہر اک جذبہ ہے میرا شعلۂ بے باک کے مانند
جسے اشک ندامت سے ترے دربار میں دھولوں
مری آنکھیں مرے عجز و ندامت کی گواہی ہیں
تری عصمت مرے ہر جرم کو سنگیں بناتی ہے
عبادت کی شب بیدار میں قدموں پہ سوجن تھی
ادھر میں ہوں کہ اکثر جسم کے جھوٹے تقاضوں پر
حدود شرع کو توڑا
محمدؐ سید الکونین! تو ہے آمر و ناہی
ترا ہر قول سچا ہے
شفاعت کی توقع تیرے دامن تک مجھے لائی
ترا دامن کسی مضبوط رسی کی طرح اب ہاتھ میں آیا
یہ رسّی جادۂ راہ صفا معلوم ہوتی ہے
حبیب کبریا! رتبہ کسے معلوم ہے تیرا
تری شفقت نے حیرانی کے ہر گرداب کو ساحل بنا ڈالا
تری قربت میں دوری کس قدر بے چین رکھتی ہے
تری دوری میں قربت کی ادا، تسکین جان دیدہ و دل ہے
ترا خلق مجسّم، پرتوئے اسمائے حسنیٰ ہے
شرف میں بدر کامل کی طرح یکتا
شگوفے کی طرح آغوش خوشبو ہے
ترا جود و کرم دریا کی موجوں کی طرح وافر
تری ہمت مثال "دہر" ہے گویا
ترے الفاظ روح نطق انسانی

تبسم جیسے آویزہ ہے گوشِ حسنِ آدم کا
وہ خاکِ جسمِ طاہر، خالقِ خوشبوئے بے پایاں
مشامِ جاں معطر ہو گیا جس سے

ولادتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

ترے آتے ہی کنگورے گرے ایوانِ کسریٰ کے
ہر اک آتش کدہ افسوس سے بھرنے لگا آہیں
یہ کیسا انقلاب آیا کہ آتش بن گیا پانی
ترے انوار اک زندہ شہادت کی طرح روشن
نگاہِ کفر و ظلمت ہو گئی اندھی
نگاہِ کفر نے انوار کی بارش نہیں دیکھی
سماعت چھین لی کفار کی رعدِ ولادت نے
شہابِ سرخ کی مانند شعلوں کی ہوئی بارش
کہ جن کے خوف سے بت گر پڑے بے اختیاری میں
شیاطین اس طرح بھاگے کہ جیسے ابرہہ کی فوج بھاگی تھی

دعوت

تری دعوت سے پتھر بن گئے انساں
ترے ساتھی تھے ابرِ رحم کے ٹکڑے
جو تیرے ساتھ چلتے تھے
تو ان کا سایہ تھا وہ سائے تھے تیرے
ترے قلبِ منور سے جو نسبت تھی
اسی سے چاند روشن ہے
زمانے نے ستم جب بھی کیا مجھ پر
ترے دامانِ رحمت میں جگہ ڈھونڈھی
ترے دستِ مبارک نے غنی تر کر دیا مجھ کو

زمانہ کیا مجھے دے گا
میں تیرے در کا سائل ہوں
ترا قلب مبارک خواب کی وادی میں کب سویا
نبوت کی صداقت کی نشانی خواب تھا تیرا
ہر اک لمحہ تری دعوت کا جیسے آیت کبریٰ
وہ آیت' جو سپیدی کو سیاہی سے جدا کر دے

فی ذکر شرف القرآن

کتاب معتبر سب سے بڑا ہے معجزہ تیرا
ہر اک آیت ہے جس کی عدل کے میزان کی مانند
زمانے کی ہر اک گردش نے اس کو اور چمکایا
کتاب معتبر کی آیتیں امواج دریا ہیں
جو ٹکراتی ہیں آکر ساحل مقصود انساں سے
اسی "نور مبیں" سے آنکھ کو ٹھنڈک ہوئی حاصل
یہ وہ پانی ہے جو دوزخ کی آتش کو بجھاتا ہے
یہ آیات کریمہ حوض کوثر ہیں
گنہ گاروں کے منہ دھل کر ہوئے روشن
اسی سے کوئلہ آخر بنا ہیرا
مساوات واخوت کے سبق اس میں
نظام عدل کی بنیاد بنتے ہیں

فی ذکر معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہی ذات مبارک آیت معراج انساں ہے
حرم سے بیت اقدس تک
محمد مصطفیٰ معراج آدم کے امیں بن کر
بلندی کے نشاں بن کر
افق پر جگمگاتے ہیں
یہ تارے' کہکشاں' نجم سحر' خورشید خاور آج تک ہمدم
اسی معراج کی افسانہ خوانی کرتے جاتے ہیں

فضائے بے کراں میں ذرہ خاکی
اسی معراج کے نقش کہن کو ڈھونڈھنے نکلا
گروہ مسلمیں! آگے بڑھو تاروں کو اب چھولو
زمیں کی پستیوں کو آسماں کردو

فی ذکر جہاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حنین وبدر کے میدان شاہد ہیں
کہ جنت مومنوں کو خون کے قطروں سے ملتی ہے
حنین وبدر سے اسلام کی قوت بڑھی اتنی
ہر اک ظلمت کدہ امن واماں سے ہوگیا روشن
محمد مصطفیٰ کی فوج کو وہ قوت دیں تھی
جو کافر تھے انھیں کے واسطے اموات کی فصلیں
اگا کرتی تھیں میداں میں
وہ نیزوں کے قلم سے خط لکھے کس نے؟
فساد و ظلم کی کھیتی کے دہقاں کفر کے حامی
نظام عدل کے بانی رسول اللہ کے ساتھی
کسی سیسہ پلی دیوار کی مانند لڑتے تھے
بقائے مرکز ملت کی خاطر جنگ کرتے تھے
انھیں غزوات کا حاصل ہے امن عالم انساں
ہوائے نصرت غیبی فتح مندی لئے آئی
حضور سرور عالمؐ نے ملت کی حفاظت کی
کہ جیسے شیر بچوں کو نیستاں میں چھپاتا ہے

دعائیہ

کبھی اہل دول کے سامنے دامن کو پھیلایا
کبھی اپنی ہوس کو پیکر شعر وسخن دے کر
متاع عمر ضائع کی

تری توصیف ہے عمر پشیماں کی نئی منزل
تری یادیں مرے داغ ندامت کو مٹائیں گی
مجھے داغ معاصی ناگ بن کر ڈستے رہتے ہیں
کہ میں نے دین کی قیمت پہ دنیا کا کیا سودا
مگر رشتہ مرا تجھ سے کبھی ٹوٹا نہ ٹوٹے گا
یہ پیمان محبت قوت دل ہے
ترا دست کرم گلہائے بخشش سے مرے دامن کو بھر دے گا
مری توقیر کا ذریعہ ترے دربار سے نسبت
میں خاک خشک ہوں گرمی کا مارا ہوں
ترے لطف و کرم کی بارش پیہم
مجھے سرسبزیوں سے آشنا کر دے

مناجات

خداوندا محمدؐ مصطفیٰ کے ابر رحمت کو
مری ہستی پہ برسا دے
حمد خوانی سے رستے سہل ہو جائیں
نسیم صبح جب شاخوں کو جھولا دے
مرے نغمے شفاعت کا وسیلہ ہوں
مجھے صدق ابوبکرؓ و علیؓ دے دے
عمر فاروقؓ کا جذبہ عنایت ہو
حیائے حضرت عثمانؓ نگاہوں کو بدل ڈالے
بصیریؒ کی ردائے پاک کا سایا ملے مجھ کو
میں اپنے دور کی تاریکیوں کو دور کر جاؤں
قلم کے ساتھ اپنے علم و دانش سے
محمدؐ مصطفیٰ کے نور کو نغموں سے پھیلاؤں
ترے دین مبیں کو وسعت عالم میں پھیلاؤں

عمل میرا نشان راہ منزل ہو
مرا بچہ رسول پاکؐ کا نقش بن کر
ہماری ناتمامی کو مٹا ڈالے

نعت

"عرش"
"کرسی اور مکاں"
"کائنات"
کتنے بڑے ہیں......یہ لفظ
اور ان کے مفاہیم......ہمارا اور کائنات کا مقدر ہیں
"ہم" "ہیں"......یہ لفظ بھی ایسے ہی ہیں
مگر ان کا کوئی مفہوم نہ ہوتا
یہ لفظ......موتی سے خالی صدف کی طرح ہوتے
اگر محمدؐ نہ ہوتے
محمدؐ......ان سب لفظوں کا مفہوم ہیں
سلام انؐ پر، درود انؐ پر

ہزار بار برو...... مواجہ شریف میں جیسے یہ آواز سنائی دی "ہزار بار برو صد ہزار بار بیا" سر زمین حرمین میں اس سے پہلے دو چار شعر کہے تھے، لیکن اس آواز نے یہ نظم عطا کردی۔

پہلے حصہ میں یاران مشرق و مغرب کی یاد ہے۔ دوسرے حصے میں حوران امت محمدیہ کی عفت و جمال کا ذکر ہے، اور تیسرا حصہ ستون توبہ کے حوالے سے ہر مومن کی تمنا کی مغفرت کا ذکر ہے۔

(۱)

دیار غرب میں آنکھیں کسی کی اشک فشاں
دیار پاک میں نغمہ کسی زبان پہ ہے
کسی ضعیف کی بے نور ہوتی آنکھوں میں
جمال گنبد خضریٰ ابھی منور ہے
وہ خوش نصیب ہیں جن کو ترا پیام ملے
"ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا"

(۲)

کسی نقاب کے دامن میں جگنوؤں کی چمک
حیا و عصمت و ایماں کی ترجماں بن کر
فضائے صحن حرم میں دکھائی دیتی ہے
ان آنسوؤں کی چمک کو یہی پیام ملا
"ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا"

(۳)

ستون توبہ پہ ہونٹوں کو رکھ دیا میں نے
خبر ملی کہ تمنائے سید والا
مری نجات کا رستہ بھی ہے، وسیلہ بھی
ستون توبہ کے ہونٹوں سے یہ صدا آئی
"ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا"

نعتیہ واکا

(۱)

ترا اسمِ گرامی جب میرے ہونٹوں پہ آتا ہے
ندامت مجھ کو ہوتی ہے
لب و رخسار کے نغمے
ابھی تک رقص کرتے ہیں
مرے ہونٹوں کی سرحد پر

(۲)

کبھی بادل کے رنگوں میں
کبھی پھولوں کی نکہت میں
کبھی دل کی فضاؤں میں
کبھی فکر و تامل میں
نقوشِ سرورِ کونینؐ کا جلوہ نظر آیا

واکا ایک جاپانی صنفِ سخن ہے جس میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ جاپانی کلاسیکی شاعری کا بڑا حصہ واکا پر مشتمل ہے۔ محمد رئیس علوی نے کلاسیکی واکا شاعری کا اردو میں پہلے پہل ترجمہ کیا۔ "گل صد برگ" کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔

نعتیہ ہائک

(۱)

ایک احساس فضا پر طاری
اور فیض نظر ہے جاری
اسے میراث نبوت کہئے

(۲)

ترے قدموں کی آہٹ
اک عنوان بلاغت کا
ایک خطبہ ہے ہدایت کا

(۳)

آسماں خاک مدینہ کی سلامی کے لیے
مہ و خورشید کی کرنوں کو لیے آتا ہے
آسماں حد نظر، حد نظر، حد نظر

ہائکو کا تلفظ ہائک ہے۔ جاپانی بہت سے لفظ جب رومن رسم الخط میں لکھتے ہیں تو اختتام مصوتہ (Vowel) پر کرتے ہیں۔ اردو میں ہم نے اسی رسم کو اختیار کرلیا ہے۔

یک مصرعی نظم

(سخن مختصر)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

"تخلیقِ کائنات کا منشا وہی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہے"

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

"رفاقت کو نیا مفہوم اس کی ذات نے بخشا"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

"گُلِ گلزارِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ سلام اور درود"

حضرت ابو بکر صدیقؓ

"تاریخِ وفا حضرتِ صدیقؓ پہ نازاں"

حضرت عمر فاروقؓ

"اس کا وجود کلمۂ حق ہے اذان ہے"

حضرت عثمان غنیؓ

"خونِ رگِ عثمانؓ سے سرخی ہے شفق کی"

حضرت علی مرتضیٰؓ

"علیؓ کے عمل سے روشن ہے چراغ خانہ کعبہ"

حضرت خالد بن ولیدؓ

"اس کی تلوار نے باطل کا جگر کاٹ دیا"

کعبۃ اللہ

"خالِ رُخِ ایام یہی بیتِ خدا ہے"

مدینۃ النبیؐ

"دیباچۂ نشاطِ ابد اس کی ہر گلی"

ہمارے بّبا

بلقیس شاہین

ٹیلے کی انتہائی بلندی تک پہنچ کر جب میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو حد نظر تک دریا اور ریت کے سوا کچھ نہ تھا دریا دائیں ہاتھ سے بہتا ہوا بائیں جانب ڈیلٹا بناتا ہوا سمندر کی جانب رواں تھا ایک لمبی چمکیلی روشن سڑک متحرک تھی جو بعد میں مختلف شاخوں میں بٹ کر آہستہ روی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی یہ دریا جب پہاڑوں سے نکلتے ہیں تو تیز رو شفاف اور خود سر ہوتے ہیں میدانوں میں ان کی وسعت اور فیض رسانی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے سمندر نزدیک آتا ہے یہ ٹکڑوں میں بٹتے جاتے ہیں یہ میرے لڑکپن کا مشاہدہ تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت میرے ذہن میں پہلی مرتبہ اس خیال نے جنم لیا کہ بعض انسانوں کی زندگی میں اور دریاؤں کے سفر میں کتنی مماثلت ہے۔

آج جب میں صبیح کے شدید تقاضوں کے بعد بّبا یعنی بھائی جمیل نقوی پر لکھنے کے لئے قلم سنبھال کے بیٹھی ہوں وہی تاثر میری ذہن میں جھماکے کر رہا ہے بّبا کی زندگی بھی مجھے ایسے ہی روشن چمکیلے فیض رساں دریا کی طرح نظر آ رہی ہے حالانکہ بّبا کے مناصب کے لحاظ سے ان کی شخصیت ایک سوٹڈ بوٹڈ صاحب بہادر کی نظر آنی چاہیے تھی جسکے ماتھے پہ سو لکیریں' چہرے پہ خشونت کے آثار' گردن میں غرور کی اکڑ اور بظاہر عالمانہ مدبّریت کی چھاپ کے علاوہ "بیزاری" کا رنگ نمایاں ہونا چاہیے تھا کیونکہ ابتدائی انیسویں صدی کے ایم اے پاس کلکتہ اور لندن کے لائبریری سائنس کے ڈپلوما ہولڈر "جبکہ لائبریری سائنس کی اصطلاح سے بھی کتنے لوگ واقف تھے"۔ مددگار لائبریرین شعبہ علوم مشرقی لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ کتب خانہ جامعہ دہلی۔ مددگار سپرنٹنڈنٹ امپیریل لائبریری حکومت ہند کلکتہ۔ لائبریرین کتب خانہ۔ مشیر معاشیات وائسرائے ہند نئی دہلی لائبریرین کمرشیل لائبریری حکومت پاکستان کراچی۔ مشیر کتب خانہ سابق ریاست خیرپور سندھ مددگار ڈائرکٹر ادارۂ فروغ برآمدات حکومت پاکستان کراچی۔ ریٹائرڈ ۱۹۷۱ء کیسے؟۔ میں نے کچھ غلط تو نہیں لکھا کہ ان عہدوں پر کام کرنے کے بعد "عام" طور پر لوگ ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسا کے میں نے لکھا لیکن اس کے بالکل برعکس ببا کا سرخ و سفید شگفتہ چہرہ جس پر معصومیت اور مسکراہٹ ایسی گھلی ملی ہیں کہ میں "چسپاں" کا لفظ استعمال نہیں کر سکتی کیونکہ ببا کے چہرے اور ان کی شخصیت میں ان کی ذات کی خوبصورتی جھلکتی رہتی ہے ویسے تو خوبصورتی اللہ کی دین ہے بّبا کے گورے رنگ اور متوازی ناک نقشہ پر کس کی چھاپ ہے؟ ان کے والد کی یا والدہ کی؟ مجھے نہیں معلوم لیکن اتنا

ضرور جانتی ہوں کے ان کی اس " جھلکنے والی خوبصورتی " کا تعلق خالصتا" ان کے اپنے عمل سے ہے یہ میرا ایمان ہے کہ انسان کے اعمال اس کے مادّی وجود سے ہمیشہ جھلک پڑتے ہیں۔ بابا کا بھی روحانی حسن ان کی ذات سے ٹپکا پڑتا ہے اور کیوں نہ یہ رنگ جھلکے؟ اس میں تو اللہ اور اسکے رسولؐ کی نسبتیں شامل ہیں جیسا کے بابا نے ایک جگہ خود اظہار کیا تھا کہ

" پہلے یوں ہوتا تھا کہ زندگی، ثقافت اور ادب سے ہمارے تعلقات کی نوعیت اور جہت ہمارے ماحول گھر کی فضا اور تربیت کے سانچے کی تابع ہوتی تھی۔ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اس میں زندگی کے آداب اور قرینے متعین تھے۔ ان کی جڑیں ماضی کی روایات اور حال کے تقاضوں میں پیوست تھیں اور ان کا مقصد مستقبل کے لئے افراد اور معاشرے کو تیار کرنا تھا۔ اس ماحول نے مجھے دین کی محبت عطا کی، ادبی اظہار سے مسرت کے حصول کو ممکن بنایا دوست داری اور انسان دوستی کو میرا مسلک بنایا اور لکھنا پڑھنا میرا زندگی کا حصہ یوں بن گیا کہ مجھے پوری طرح خبر بھی نہ ہوئی "۔ (تنقید و تفہیم، دیباچہ)۔

مجھے یقین ہے کہ اب مجھے بات کہنے اور قارئین کو بات سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ بابا علم کے راستے کے یوں راہی ہو گئے کہ علم ان کے لئے " چلتی ہوا " بن گیا جو ان کی ذات و حیات میں جذب ہو تا گیا اللہ سے محبت اور اپنے " جد اعلیٰ " کی عظمت یوں دل میں جاگزیں ہوئی کہ امرو ہے کہ اس گنگا جمنی ماحول میں جبکہ ادب اور علم کے نئے زاویئے انسان کو اپنے میں الجھا سکتے تھے بابا ادب و شعر کے اظہار کے ساتھ نعتوں کے ذریعہ اپنا حال دل بھی کمال سے ساتھ گوش گذار کر رہے تھے ہمارے ایک مشہور نعت خواں نے جب ہوا کے دوش پر بابا کی نعتیں پڑھیں " اس وقت تک وہ خود نظروں سے اوجھل تھیں " تو شہرت کے دروازے ان کے لئے وا ہو گئے بابا کی نعتیں سماعت سے گذر کر دلوں میں کھب گئیں لیکن بہت سوں کے لئے تو ان نعتوں کے " شاعر " نام انجانا ہی تھا۔ ایک دن میں نے اپنی بڑی بیٹی عاکفہ سے کہا وہ والی نعت سناؤ۔ میرے میاں صاحب بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے ایک دم سر اٹھا کر بولے تمہیں معلوم ہے وہ نعت کس کی ہے۔ میں نے گلہ کیا یہ لوگ شاعر کا نام ہی نہیں بتاتے! ہنس کے بولے اپنے بابا کی ہے۔ ارے واقعی؟ مجھے معلوم تھا بابا شاعر ہیں نہ معلوم مجھے حیرت کیوں ہوئی؟ ان کی نزاکت احساس سے بھی میں واقف تھی اس نزاکت احساس کا ایک واقعہ سناؤں ہم لوگ اہل قلم کانفرنس میں گئے ہوئے تھے رات کو سب ہمارے کمرے میں جمع تھے دنیا جہاں کی باتیں ہو رہی تھیں عورتیں تو ناحق بولنے میں بدنام ہیں ویسے یہ مرد حضرات تو چو مکھا کیا ہشت مکھا بولتے اور بولتے بھی کیا کے برسٹ مارتے ہیں " لفظوں کی کلاشنکوف کے لئے یہ اصطلاح ایجاد کی ہے " " الفا کلاشنکوف " لیکن اس رات ہمارے سب مہمان مہذب لوگ تھے لیکن ڈاکٹر یونس حسن صاحب اپنی زیر لبی شرارت کی وجہ سے کبھی کبھی گفتگو کو " ایہام " اور " ابہام " کے کمپچر کے ساتھ خطرناک موڑ تک لے آتے تھے مقصد اکثر ہمارے میاں کو غصہ دلانا ہوتا تھا ان کے

غصے سے جسطرح ڈاکٹر یونس حسنؔ صاحب لطف اندوز ہوتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ دوران گفتگو کسی نے فارسی کا وہ شعر پڑھا۔

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک صاحب بول پڑے نعت کا بے مثال شعر ہے۔ میں نے کہا شعر تو واقعی بہت اچھا ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس میں "خوباں" کا لفظ کھٹکتا ہے بالخصوص نعت کے شعر میں۔ بابؔا نے میری بات سنی اور مسکراتے ہوئے شعر پڑھا۔

آپؐ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار
حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا کے سوا

پھر کچھ نہ پوچھیے سب کا کیا عالم ہوا۔ سبحان اللہ واہ جمیلؔ بھائی واہ۔ اردو فارسی سے بازی لے گئی۔ جزاک اللہ۔

یہ ہوا نہ نعت کا شعر۔ غرض محفل کا رنگ ہی بدل گیا ہر کوئی نعت کے شعر سنانے لگا فضا میں عجیب طرح کا گداز پیدا ہو گیا لوگوں کی نشست بدل گئی۔ آنکھوں میں نمی آواز میں تھراہٹ آگئی۔ یوں لگا کمرے کے بلب زیادہ روشن ہو گئے۔ شاید یہ دل کی فضا کا عکس تھا سب کے چہرے نورانی جذبات سے دمک رہے تھے بابؔا سب کے شعر سنتے رہے کوئی ایک گھنٹہ کے بعد بابؔا نے پھر شعر پڑھا آنکھوں میں آنسو چہرے پہ عجیب سی کیفیت ہمارے میاں کو مخاطب کرکے کہا بھیا اگر یہ حال ہو تو۔

اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی
یہ دل ترے خیال کے قابل نہیں رہا

ایک چھناکا سا ہوا سب دم بخود ایک گہری خاموشی نے پوری محفل کو گرفت میں لے لیا بابؔا اٹھے اور آہستہ سے کمرے سے چلے گئے... پھر سب ہی آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے کمرے سے رخصت ہو گئے یوں لگتا تھا سب اپنے اپنے آئینے میں خود کو دیکھنا نہیں چاہ رہے لیکن سب خود کو نظر آرہے تھے۔

دوسرے دن صبح ڈاکٹر یونس حسنی صاحب ناشتے کی میز پر آئے آنکھوں میں بے خوابی کی سرخی اور چہرے پہ آنسوؤں کی روانی سے پیدا شدہ بھراہٹ خیریت؟ کشفی صاحب نے پوچھا کیا نیند نہیں آئی؟۔

ارے صاحب نیند؟ وہ حضرت تو شعر سنا کر رخصت ہو گئے اور ہم سو نہ سکے۔ بے ہودہ کہیں کے!۔ حسنی صاحب نے جواب دیا یہ حسنی صاحب کا انداز کلام ہے وہ بے ہودہ لفظوں کو وہ حرمت عطا کرتے ہیں کہ بس کیا مثال دیں اب یہ ہی مثال سامنے ہے اس بے ہودہ کی قوت کو دیکھیے!۔ (ویسے ایک راز کی بات اور ہمارے میاں کی محبت کی انتہا بھی ایک لفظ یہ بے حد دانت (جب ہوتے تھے) جما کر کہتے تھے یار

بڑے "کمینے" ہو۔ اس طرح یہ لفظ "بے ہودہ" حسنی صاحب کی انتہائے "ہودگی" ہے۔

'بّبا پیدا تو امروہے میں ہوئے لیکن رنگ سارا علی گڑھ کا ہے میں نے جب بھی دیکھا وہی علی گڑھ کٹ پاجامے اور شیروانی میں بس جب زیادہ گرمی ہوتی تو آتے ہی شیروانی اتار دیتے تھے۔ 'بّبا اپنے خاندان میں مجھے یقین ہے کہ سب سے زیادہ اچھے لگتے ہوں گے " ممکن ہے کوئی اور بھی لگتا ہو لیکن میں نہیں جانتی مجھے تو یوں لگتا ہے کہ بچپن میں بھی سب سے زیادہ چمکتے دمکتے بچے ہوں گے بڑے ہوئے ہوں گے تو سعادت مند' ذہین' حسین نوجوان رہے ہوں گے شادی ہوئی سنا ہے ان کی بیگم ان سے رنگت میں دبتی ہوئی تھیں نین نقش اور حسنِ سیرت میں خوب تھیں بلکہ اتنی ہی اچھی ہوں گی کہ 'بّبا کے منہ سے جب بھی ان کی بیگم کا ذکر سنا رشک ہی آیا۔ کہ اللہ میاں ہم سب بیویوں کو وہ خوبیاں عطا کرے تاکہ بعد ہمارے ہمارے میاں بھی ایسا ہی ذکر کیا کریں۔ اولاد اور بہن بھائیوں کے قصے مثالی اور ان کی والدہ کو تو نہیں دیکھا لیکن ان کی سعادت مندی ان کے والد صاحب کے ساتھ دیکھی ہے اللہ اکبر اگر ان کی سعادت مندی " دیدہ " نہ ہوتی تو ہم بھی اسے کتابوں اور قصے کہانیوں والی سعادت مندی جانتے اور اللہ میاں بھی ان کے کیسے مددگار خود 'بّبا نے سنایا تھا کہ میں حج کر آیا لیکن مسلسل اس شرمندگی میں جتلا کہ جیسؔل خود حج کر لیا باپ کو نہ کرایا۔ بس بے قراری لگی رہی یا اللہ کیا کروں زمانہ وہ تھا کہ صرف چھ ہزار میں حج ہو جاتا تھا۔ ایک دن اسی کیفیت میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب آئے ایک لفافہ ہاتھ میں دے کر بولے نقوی صاحب یہ رقم آپ نے مجھ کو فلاں موقع پر عنایت کی تھی میں اتنے عرصہ شرمندگی سے نہ آسکا اب اللہ نے سرخ رو کیا تو حاضر ہوں۔ اور 'بّبا نے بتایا میں حیران بیٹھا تھا اور ان کے جانے کے بعد میں نے دیکھا تو رقم پوری چھ ہزار تھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میرے ربّ میں اتنی ہی رقم کے لئے پریشان تھا واقعی وہ حل المشکلات کیسے دلوں کے کانٹے نکالتا ہے میں نے فوراً" ابا کے حج کے انتظامات کئے ان کو روانہ کرتے وقت اخراجات کے لئے علیحدہ رقم دی جو انہوں نے جوں کی توں حج سے واپسی پر میرے ہاتھ پر رکھ دی میں نے پوچھا ابا یہ کیا کچھ خرچ نہیں کیا؟۔

کہنے لگے میرا خرچ ہی کیا ہوا تمہارے دوستوں نے ہاتھوں چھاؤں رکھا گاڑیوں میں پھرایا گھروں میں کھلایا پھر کیوں خرچ کرتا۔ اور میں حیران تھا کہ میرے کون کون سے دوست؟ پھر آسمان کو دیکھا کہ واقعی جسکا تو دوست ہو میرے آقا۔ میرے آقا۔ پھر یہ کہ ابا بیمار ہوئے اور کافی عرصے علیل رہے اس زمانے میں 'بّبا ہمارے ہاں بزرگانہ روایت کی پاسداری کے ساتھ آتے تھے ہمیں اور ہماری اولاد کو انتظار رہتا تھا کہ بس اب 'بّبا آنے والے ہوں گے۔ اور وہ روشن دان کو مزید چمکانے آجاتے۔ میں اور بچے سب ہی خوش رہتے ایک مرتبہ 'بّبا بچوں کے لئے موسم کا کوئی پھل لائے بچوں سے کہا کھاؤ۔ اس زمانے میں شاید نزلہ زکام پھیلا ہوا تھا اس کیفیت میں ہمارے میاں بچوں کو خاصا پرہیز کرا لیتے تھے لہٰذا بچوں نے کہہ دیا ابو نے منع

کیا ہے ہماری طبیعت ٹھیک نہیں اس دن میں نے ببّا کو ایکدم غصہ میں سرخ ہوتے دیکھا۔ لیکن برداشت کرتے ہوئے بولے۔ ارے تمہارا باوا زیادہ جانتا ہے یا اللہ میاں؟۔

ارے بھاوج لو سنو یہ کہہ رہے ہیں کہ ابا نے منع کیا ہے!۔ اللہ میاں تو اس زمانے منوں ٹنوں یہ پھل پیدا کر رہا ہے کیوں؟۔ اس لئے کہ اس موسم میں اس کے بندوں کو اس کی ضرورت ہے اس لیے! جس موسم میں انسانی جسم کو جس جس شے کی ضرورت ہوتی ہے اماں باوا وہ بعد میں مہیا کرتے ہیں اللہ اپنے بندوں کے لئے پہلے بھیجتا ہے کیوں؟۔ میں نے جلدی سے جی ہاں آپ سچ کہہ رہے ہیں خالق سے زیادہ کون جانے گا کہ اس کی تخلیق کی کیا ضرورتیں ہیں؟۔

ہاں دیکھو نا۔ جاڑوں میں مغزیات روغن کی انسانی جسم کے ایندھن کو ضرورت ہوتی ہے وہ سردیوں میں القاروں، گرمیوں میں پانی کی زیادہ ضرورت تو خربوزے، تربوز حاضر۔ بدلتے موسم میں وٹامن سی اور جوس کی ضرورت تو مالٹے، موسمی، سنگترے اور جس کی سارا سال ضرورت وہ سارا سال حاضر لو کھاؤ اور پیٹ بھر کے کھاؤ۔ اور بچوں نے فوراً" بات مان لی۔ خیر یہ بات تو بر سبیل تذکرہ آگئی قصہ تھا ستر بہتر سالہ بیٹے کی سعادت مندی اور خدمت کا ببّا اپنے والد کی بیماری میں کیسے کیسے پریشان رہے کیسی خدمت کی آج بھی ان کا دکھ ان کا غم ان کی بے قراری یاد آتی ہے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں کچھ بس نہیں چلتا تھا کہ ببّا اور آپا کے غم کو کیسے دور کریں؟

پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ عمل تو گنبد کی صدا ہوتا ہے! جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!۔ آج کرو کل آگے آئے گا ببّا کے منہ سے ہر وقت طاہر یہ طاہر وہ طاہر نے یہ کیا۔ طاہر نے وہ کیا خوش ہو ہو کہ بتایا کرتے تھے پتہ نہیں آج جب میں ببّا سے دور ہوں اور ذہنی سفر بھی زگ زیگ کر رہی ہوں نہ جانے کیوں خیال آرہا ہے کہ ببّا کے ساتھ طاہر کا سلوک کیسا ہوگا کیسا ویسا ہی جیسا ڈوبی محبت اور سرشاری والا ببّا کا اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ یا کچھ اور۔ کیونکہ آجکل کے گنبدوں کی چھت نہیں ہوتی۔ اور صدا نہ جانے کہاں ہوتی ہے لوٹتی ہی نہیں؟؟۔ خدا کرے کہ میرا اندیشہ بالکل غلط ہو اور ان کا بیٹا اکلوتا بیٹا ویسا ہی بیٹا ہو جیسے وہ اپنے باپ کے لئے تھے؟ جب میں اور یہ ان کے والد کی تعریف کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ہم گونگے تھے عاکف میاں ان کے ابو اور میں تینوں بالکل خاموش تھے ببّا کی بے قراری اور کیفیت ایسی تھی کہ اس وقت بھی برداشت کرنی مشکل ہو رہی تھی اور آج بھی شاید بیان کرنے میں دشواری ہو کبھی کمرے میں آتے کبھی والد صاحب کے بستر کو دیکھتے کبھی ان کی چیزوں کو کبھی کہتے بھیا اب زندگی خالی ہو گئی کچھ کرنے کو نہیں رہا۔ پھر ہماری کیفیت دیکھی ذرا سنبھلے دروازے پہ جا کر آپا کو آواز لگائی کہ بھئی ذرا چائے بجھواؤ یہ ہمارے کشفی بھیا آئے ہیں.... پھر آئے کرسی پہ بیٹھے بولے۔ بھیا یہ بچھڑنے کا غم میں نے اس کا ہر مزہ چکھا ہے بیوی گئیں جواں بھائی گئے۔ جوان بن گئی.... جوان بیٹی.... اور جلدی سے اٹھ کر

اندر چلے گئے خود کو سنبھال کے پھر واپس آئے.... لیکن بھیا ابا کا جانا..... بس بس..... میں اٹھ کر اندر آپا کے پاس چلی گئی لگتا تھا دماغ پھٹ جائے گا بجائے اس کے کہ میں تعزیت کرتی انہوں نے مجھے گلے لگایا.... کیا کروں بس دعا کرو اللہ ان کو ہمت طاقت دے ویسے ان سے زیادہ برداشت اور صبر والا کون رہا.... اللہ کی رضا میں راضی بس اللہ راضی رہے۔ اور واقعی بہّا نے پھر خود کو سنبھال لیا۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی۔ میں گورے چٹے رنگ کو حسن کا معیار تو نہیں سمجھتی پھر بہّا کے حسن کا منبع کچھ اور بھی ہے اور میرا خیال صحیح نکلا بہّا نے محبتوں کا قرض بھی پوری دیانتداری سے ادا کیا مرزا احمد جمیل بہّا کو چھوٹے بھائیوں کی محبت رہی اور میں ہمیشہ ایک بات یہ محسوس کی کہ بہّا میں مرزا احمد جمیل صاحب کے لئے محبت شفقت اور احترام کی ایک جھلملی کیفیت ہمیشہ موجود رہی خود بہّا نے تو کبھی نہیں بتایا لیکن ہمارے میاں نے بتایا کہ مرزا صاحب کے والد مرزا نور احمد صاحب نے اپنی زندگی میں کلام مجید کے نو پارے اپنے ہاتھ سے تحریر کئے تھے وہ کلام پاک مکمل نہ کر سکے لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے سعادت آثار بیٹے اور بیٹوں کی طرح چچا مرزا انور احمد کو چاہنے والے بھتیجے یعنی بہّا نے مل کر ان نو پاروں میں سے ہی حروف قطع کر کر کے اور جوڑ جوڑ کر پورا قرآن پاک کمپوز کیا اس کام میں سالہا سال صرف ہوئے۔ تو قارئین کرام جس ایک حرف کی تلاوت پر ۱۰ نیکیاں ملتیں ہوں ان حروف کو نورانی لفظوں میں ڈھالنے والوں کے ہاتھوں' چہروں' اور آنکھوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ اور لوگ بھی بہّا جیسے جنکی ذات اپنی ہستی کو بھول کر اپنے رب میں گم اور کام بھی علمی اور علم بھی کون سا...؟ اور جنکا دل اس علم کے لانے والے کی محبت میں سرشار..... اور جن کا مسلک ہی یہ ہو کہ

دلوں میں عشقِ محمدؐ اگر نہ ہو موجود
جمیلؔ فعلِ عبث ہیں یہ سب رکوع و سجدہ

مجھے تو جب ان سعادت نصیب لوگوں کے ہاتھوں مکمل کیا ہوا کلام پاک ملا تو سب سے زیادہ رشک مرزا نور احمد صاحب پر آیا اللہ ان کو وہاں بھی اسم بامسمی رکھے "خیر جاریہ" ایسے ہی بیٹوں بھتیجوں کو کہتے ہیں۔

ہماری عزیز دوست شمیم بانو نقوی نے اپنے لڑکپن کا ایک قصہ سنایا تھا کہ بہّا کی بیٹی کی شادی تھی وہ بہّا کے ہاں رہنے گئی ہوئی تھیں۔ ولیمے یا چوتھی کی دعوت تھی سب جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے یہ بیٹھی ہوئی تھیں' بہّا کسی کام سے اندر آئے سب پر نظر ڈالی سب کچھ نہ کچھ کر رہے تھے ان سے پوچھا تم تیاری نہیں کر رہیں انہوں نے کہا میری جوتی ٹوٹ گئی میں تو نہیں جاؤں گی فوراً" بولے ارے بٹیا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہماری بٹی ضرور جائے گی چاہے جوتی جڑوائی جائے یا پھر نئی آئے ورنہ کوئی بھی نہیں جائے گا۔ لاؤ جلدی سے کدھر ہے وہ جوتی... اور پھر سب سے پہلے ان کی تیاری مکمل ہوئی۔ بہنوں' بیٹیوں'

بھا بچوں، بھتیجوں سے غیر معمولی محبت و شفقت اور رشتوں کا یہ احساس دینی تربیت اور عشق رسولؐ کا ہی نتیجہ تھا جو بیا کے خون میں موج زن تھا۔ ہم نے امتداد زمانہ کے ساتھ کیا کچھ کھو دیا اب تو ہم لوگ سوچتے تک نہیں۔ اللہ بخشے ہمارے سمدھی ضمیر مرزا رزتی صاحب نے اپنے انتقال سے ایک دو دن پہلے اپنے بڑے بھائی کی اس بات پر کہ وہ اپنے بھتیجے کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ انہوں نے بہت عمدہ طریقے پر عمرہ کرایا اور یہ کیا وہ کیا... مجھ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ بہن کیسی عجب بات ہے کہ اب ہم لوگ بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنی اولاد نہیں سمجھتے اب ہم خود کو الگ کر کے ان بچوں کو ان کے ماں باپ کی نسبت سے صرف رشتہ دار سمجھتے ہیں جبھی تو ہمارے بھائی صاحب اپنے بھتیجے کا شکریہ ادا کر رہے ہیں حالانکہ یہ ان کا حق تھا اور خدمت اولاد ہونے کے ناتے ہمارے بیٹے کا فرض۔ یہاں فرق آجاتا ہے مغربی و مشرقی تہذیب کا جہاں ہر بات کا اظہار ضروری ہے۔ اور واقعی میں سوچتی ہوں کہ ہمیں تو بچپن میں نائی، دھوبی، چوڑی والی کو بھی بغیر ادبی رشتہ لگائے نام لینے کی اجازت نہیں کہ بیٹا عزت کرو عزت پاؤ.....

بیا کے ہاں ہر مشرقی روایت اپنی پوری جامعیت کے ساتھ موجود تھی ہمارے میاں ان کے خورد سہی لیکن انہوں نے کبھی بھیا لگائے بغیر نام نہیں لیا میں چھوٹی بھاوج لیکن ہمیشہ لہجے کے اتار چڑھاو اور آواز کی بلندی تک میری موجودگی کا احترام کیا، رشتوں کے نبھاؤ میں انفرادیت کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب فرداً" فرداً" ذاتی دلچسپی ہوتی ہے اور یہ خوبی بھی بیا میں بدرجہ اتم موجود رہی مثلاً" ہم نے عاکف کی منگنی کی چونکہ بڑی تقریب نہیں کی تھی بیا نے مٹھائی کھائی مبارکباد دی اور پوچھا ہماری ہونے والی بہو کیسی ہے؟ بس بیا آدمی کا بچہ ہے جیسی یہ گھر کی ہیں ویسی ہی ہے۔ اور بات آئی گئی ہوئی.... پھر سال پیچھے جب بیا عاکف کے ولیمے میں آئے تو مہمانوں کی روانگی شروع ہوئی آخر میں پھر ہم سب گھر والے رہ گئے دلہن سے سب کا تعارف ہو رہا تھا میں کھڑی ہوئی تھی کہ آپا بیا کو لیے ہوئے آئیں کہ بھئی اپنی بہو دکھاؤ میں بیا کو لے کر آگے بڑھی انہوں نے اسٹیج پر چڑھنے سے انکار کر دیا اور سامنے کھڑے بہو کو غور سے دیکھتے رہے پھر ہنس کے بولے۔ ماشاء اللہ ہاں تو یہ ہے وہ آدمی کا بچہ ارے بھاوج تم نے مجھ سے غلط بیانی کیوں کی تھی۔ میں نے کہا... بیا اگر میں کہتی کہ میری بہو حور ہے پری ہے تو آپ کے ذہن میں وہی تصور ہوتا اس لحاظ سے اس وقت میری بہو آپ کو واجبی سی لگتی لیکن اس وقت کے سرسری اظہار سے اب آپ ماشاء اللہ کہنے کے قابل ہیں۔ ہیں نا...؟۔

اور بیا ہنس پڑے... بھئی خوب ہاں خوب یہ تھی انفرادی دلچسپی کہ انہیں میرا ایک سال پرانا جملہ تک یاد تھا.....

بیا کی گراں گوشی کی وجہ سے ہمارے ایک استاد محبت اور شرارت سے انہیں بحر علوم کہتے تھے میں نے ان سے کہا تھا کہ واقعی بیا کے "بحر العلوم" ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کونسا موضوع ہے۔ جس پہ بیا نے

قلم نہیں اٹھایا۔ تنقید ہو، تاریخ ہو، سوانح ہو، یا اشاریہ، غزل ہو، یا قصیدہ، یا مثنوی، نعت ہو یا نظم، عشق مجازی اور عشق حقیقی کے سارے رنگ اپنی واضح حدود اور معیاری شکل و صورت میں انفرادیت کے ساتھ موجود ہیں۔ اور استادانہ مہارت کے ساتھ میں اگر چاہوں بھی تو بآبا کی ادبی اور شاعرانہ مرتبے کے متعلق زبان نہیں کھول سکتی کیونکہ من آنم کہ من دانم لیکن جیسا کہ کشفی صاحب نے کہا ہے "بشیری خلقت شاعر" جو جوش اور طنطنے میں جوش جیسے قادر الکلام شاعر کے ہم قدم ہیں اور اردوئے اکابرین ادب میں سے ایک "خاموش" "گوشہ نشین" "ادیب لیکن سب سے مقدس حیثیت بہترین انسان سب کے اپنے بے حد اپنے بآبا....

جا کے بآبا سے ملے کتنا عرصہ ہو گیا.... لگتا ہے صدیاں بیت گئیں لیکن یہ وقت بھی تو صدیوں کی طرح گذرا ہے یہ شہر جو روشنیوں کا شہر تھا نئی بستیاں آباد کر رہا تھا کتنے عرصے سے بس اب لاشوں کا شہر ہے اور خموش بستیاں آباد کر رہا ہے۔ اب تو انسان کے لیے ویسے ہی صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا اب تو ایک دوسرے کی خوشی غمی کے بھی نہ رہے۔ بس ذہن و دل کے رابطے آزاد ہیں۔ بآبا میری دو بچیوں کی شادیوں میں بھی شریک نہ ہوئے ہمارے پوتے اور نواسے کو بھی نہیں دیکھا لیکن وہ ہر خوشی اور محبت کے لمحوں میں ہمارے ساتھ ہیں اللہ انہیں سلامت رکھے اب تو وہ ایک حدیث کی روشنی میں "اس زمین پر اللہ کے قیدی ہیں" جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے حکم ہے کہ اپنے لیے ان سے دعا کراؤ تو بآبا آپ سے ہم دعاؤں کے خواستگار ہیں اور ہاں آپ نے بہت دن پہلے جب میں نے "اچھے بھائی" پر مضمون لکھا تھا تو فرمائش کی تھی کہ مجھ پر بھی ایک ایسا ہی مضمون لکھ دو میری ہمت افزائی کے لیے یہ بات کہی تھی دل بڑھانا تو بزرگوں کو روایت ہے۔ سو یہ چند سطریں حاضر ہیں۔ حق تو یہ کہ حق ادا نہ ہوا اور اس لڑکے جس کا نام "صبیح رحمانی" ہے، اس کے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ اس کی وجہ سے میرا اپنے سے کیا ہوا ایک وعدہ پورا ہوا۔

○

لکھیے نعتِ سرورؐ لکھیے
اُنؐ کو ہادی و رہبر لکھیے
لکھیے ان کو رہبر لیکن
اُنؐ کی راہ پہ چل کر لکھیے

(نیاز بدایوانی)

محمد میرا بیٹا ہے

شاعر:۔ ہشام علی حافظ

ترجمہ:۔ سید محمد ابوالخیر کشفی

نعت رنگ ۲ میں ہشام علی حافظ کی ایک نظم کے ابتدائیہ کا ترجمہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ان کی نظم

لی ابن مثلک اسمہ محمد

کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ترجمہ بڑی حد تک لفظی ہے' ہاں بھائیوں اور بہن کے بچوں (جن کے نام محمد ہیں) کی تفصیلات قدرے بدل گئی ہیں۔ قوسین کے مصرعے اضافہ ہیں۔

(کشفی)

لی ابن مثلک اسمہ محمد

کنت اسیر علی طریق البحر
استنشق نسمات البحر
بلا مرافق او رفیق
کنت اسبح فی ھواء البحر
استرجع مع الخطوۃ
خطوات الفجر
مشی بتان
قفل ابواب اللیل
وفتح للنور الابواب

☆☆☆

محمد میرا بیٹا ہے

سمندر کے کنارے چل رہا تھا
نسیم بحر میرے ساتھ چلتی تھی
(مری خلوت میں جلوت کا تماشا
عجب کچھ ماجرا تھا')
ہوا کہ تازگی گویا لطافت کا سمندر تھی
طلوع فجر کے قدموں کی آہٹ
میرے قدموں کی آہٹ بن گئی تھی
دریچے ظلمتوں کے بند ہوتے جا رہے تھے
اجالوں کے دریچے کھل رہے تھے

☆☆☆

عدت بالذکری لاقدس بقعه

کنت صغیرا

لا اعی... لا افهم

انی اسکن بجوار النبی

وانی امشی علی تراب

مشی علیه رسول الله

وانی اکل تمرا من نخله

اکل منها ابوبکر... وعمر

وانی اشرب من ماء

شرب منه امام المتقین

وانی کنت اعیش

فی احب بلاد عندالله

☆☆☆

کنت اسیر

وکان یسیر امامی

طفل... مثلما کنت صغیرا

اعترض طریقی وقال

البحر جمیل... البحر کبیر

ثم اخذ یقذف فی البحر الاحجار

سالته... ما اسمک؟

قال... محمد

قلت... لی ابن مثلک اسمه

طلوع فجر سے پہلے

کتاب عمر کے عنوان نظر کے سامنے آئے

میں بچہ تھا'

بہت چھوٹا' بہت ناداں

جوار رحمۃ للعالمین میں میرا مسکن تھا

میں جس مٹی پہ چلتا تھا

رسول اللہ ﷺ کے نقش کف پا سے

معطر تھی

منور تھی

ابھی وہ نخل باقی تھا

ابوبکرؓ و عمرؓ نے جس کا پھل کھایا

کھجوریں کتنی شیریں تھیں

میری قسمت میں جو آئیں

جو پانی سرور کونین پیتے تھے

اسی سے میں بھی اپنی تشنگی کو رفع کرتا تھا

مرے لب اس کو چھوتے تھے

(وہ میرے واسطے کوثر کا پانی تھا)

بڑی راحت سے میرے دن گزرتے تھے

مدینہ میں

جسے اللہ نے محبوب رکھا ہے

جہاں کے سارے شہروں سے

☆☆☆

محمد..

واخی سماہ ابی محمد..

واخی الثانی لہ ابن واحد ھو

محمد

واخی الثالث لہ ابنان احدھما..

محمد.

واخی الخامس سمی احد ابنائہ

محمد

واختی الثانیہ سمت ابنھا

محمد

اما اختی الثالثہ و فاعطاھا اللہ

احمد و محمد

ابتسم الصغیر و قال

انا محمد ابی محمد و جدی

محمد...

فانا محمد بن محمد بن محمد

قلت... ما اجمل... ما اخیر

من اسمہ محمد

احبک یا حبیبی... یا محمد

احبک... احبک... احبک...

واحب من یحبک

یا حبیبی یا رسول اللہ ﷺ

انھیں یادوں میں غلطاں جا رہا تھا

اور مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر

ایک بچہ چل رہا تھا

وہ جیسے میرا بچپن تھا

اچانک وہ پلٹ کر میرے پاس آیا

"سمندر کتنا پیارا ہے

سمندر کتنا اچھا ہے"

"مگر تم تو سمندر سے بھی اچھے ہو"

"تم اپنا نام تو بتلاؤ"

"محمد"

"مرا بھی ایک بیٹا

موسوم ہے اسم محمد سے

میرا اک دوسرا بھائی

محمد نام کے بیٹے کا ابو ہے

خدا نے تیسرے بھائی کو دو فرزند بخشے ہیں

محمد اور احمد نام ہیں ان کے

مری بہنوں کے بچے بھی محمد ہیں"

☆☆☆

کنارِ بحر

ننھے دوست کے لب پر

تبسم کی ضیاء پھیلی

"محمد نام ہے میرا

مرا ابو محمد تھا

مرا دادا محمد تھا

"محمد بن محمد بن محمد نام ہے میرا"

☆☆☆

(نبی محترم ﷺ!

صدیاں تمہارے نام سے روشن)

مجھے تم سے محبت ہے

مجھے تم سے محبت ہے

مجھے تم سے محبت ہے

یا حبیبی یا رسول اللہ ﷺ

ایک شاہکار نعت

ہمارے ایک کرم فرما حضرت مسرت حسین جواد سنگاپور سے کراچی تشریف لائے تو ایک ملاقات میں انہوں نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی ایک شاہکار نعت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی۔

جناب صبیح رحمانی نے محترم پروفیسر سحر انصاری سے ایک فارسی نعت کا ترجمہ کرنے کی درخواست کی اور یوں چند لمحوں میں انہوں نے عہد مظہری (بارہویں صدی ہجری۔ اٹھارہویں صدی عیسوی) کی مروجہ زبان میں ترجمہ کردیا۔

اب اصل نعت مع ترجمہ قارئین "نعت رنگ" کے ذوق نعت کی نذر ہے۔

عزیز احسن

نعت رسول مقبولؐ

از مرزا مظہر جان جاناں

خدا در انتظار حمد ما نیست   محمدؐ چشم براہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفےٰ بس   محمدؐ حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد   بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمدؐ از تو می خواہم خدارا   الٰہی از تو حب مصطفےٰ را
دگر لب وا مکن مظہر فضولیست
سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

ترجمہ سحر انصاری

ہماری حمد کا طالب خدا نئیں   محمدؐ چشم براہ ثنا نئیں
خدا ہے محو حمد مصطفےٰ بس   محمدؐ حامد حمد خدا بس
دعا کی ہو اگر خواہش ہی ایسی   قناعت چاہیے اس شعر پر ہی
رہوں خواہاں محمدؐ سے خدا کا   خدا سے وصف حب مصطفےٰ کا
نہیں مظہر مناسب بالارادہ
سخن کرنا ضرورت سے زیادہ

مدحت

سرور بارہ بنکوی

سرور حرف دعا کیسا مستجاب ہوا — زباں کو حوصلۂ مدح آنجنابؐ ہوا
نہ ہوسکا ہے نہ ہوگا ازل سے تابہ ابد — جواب اس کا جو آپ اپنا خود جواب ہوا
اسی کے فیض سے ارض و سما عبارت ہیں — اسی کے نور سے ظلمت کا سدباب ہوا
زفرش تابہ فلک کون ایسا ذرہ ہے — جو آفتاب کرم سے نہ فیض یاب ہوا
وہی ہے نکتۂ آغاز علم و حکمت کا — وہ اسم پاک جہاں داخل نصاب ہوا

اب ایسی ذات گرامی کی مدح کیا ہوگی
کہ جس کے نام سے قرآں کا انتساب ہوا

تابش دہلوی

جذبات نگاہیں ہیں اور دل مری آنکھیں ہیں — کیا واقعی طیبہ کے قابل مری آنکھیں ہیں
طیبہ ہے نظر میں بھی، اور حسن نظر میں بھی — ایک ایک تجلی میں شامل مری آنکھیں ہیں
نظریں بھی دھڑکتی ہیں طیبہ میں بہ شکل دل — آنکھیں مری آنکھیں ہیں یا دل میری آنکھیں ہیں
آغوش میں رحمت کے یوں ٹھہرے ہیں پلکوں پر — اشکوں کے سفینوں کو ساحل میری آنکھیں ہیں
خیرات تجلی کی اے پیکر محبوبیؐ — کشکول نگاہیں ہیں سائل مری آنکھیں ہیں
اک نور سفر میں ہے نظروں ہی سے نظروں تک — راہیں مری آنکھیں ہیں منزل مری آنکھیں ہیں
کیوں حل نہیں ہو پاتیں انوار مدینہ میں — میرے لیے کس درجہ مشکل مری آنکھیں ہیں

اک نقش تحیر ہے ایک ایک نظر تابش
ہر منظر طیبہ کا حاصل مری آنکھیں ہیں

احمد ندیم قاسمی

عرش کے آخری پیام تجھ پہ درود اور سلام
راہنمائے خاص و عام تجھ پہ درود اور سلام

دل میں قیام ہے ترا، روح مقام ہے ترا
لب پہ مدام تیرا نام تجھ پہ درود اور سلام

عرش کے ان گنت چراغ، فرش کے کوہ و باغ و راغ
بھیج رہے ہیں صبح و شام تجھ پہ درود اور سلام

اپنی فقط ہے تجھ سے بات تو کہ ہے محسنِ حیات
ہم کو ہے صرف تجھ سے کام تجھ پر درود اور سلام

رات سے ہم کو کیا خطر تو ہے جب اپنا راہبر
مہر جبیں، ستارہ فام تجھ پہ درود اور سلام

سلطنتیں بگڑ گئیں، مملکتیں اجڑ گئیں
زندہ ہے اک ترا نظام تجھ پہ درود اور سلام

شعرِ ندیم کو ملے نورِ حضورؐ کی جھلک
ایسا بھی ہو کچھ اہتمام تجھ پہ درود اور سلام

○

فدا خالدی دہلوی

میرے دل کی طلب مدینہ ہے
ذہن میں روز و شب مدینہ ہے

جس میں دکھیا سکون پاتے ہیں
وہ جہان طرب مدینہ ہے

کیوں نہ جنت نثار ہو جائے
شہر محبوب رب مدینہ ہے

داغ عصیاں یہیں تو دھلتے ہیں
رحمتوں کا سبب مدینہ ہے

جن نگاہوں میں پہلے دنیا تھی
ان نگاہوں میں اب مدینہ ہے

راستہ دے دیا تصور نے
اب فدا دور کب مدینہ ہے

افسر ماہ پوری

نغمۂ نعت نبی راحت جاں ہے ہم کو ۔۔۔ وجہ تسکیں نہ زمیں ہے نہ زماں ہے ہم کو
ایک کنبے کی طرح سارا جہاں ہے ہم کو ۔۔۔ جلوہ گر آپ ہوئے رحمت عالم بن کر
فکر اپنی ہے یہاں اور نہ وہاں ہے ہم کو ۔۔۔ جس کی رحمت ہے یہاں اس کی شفاعت ہے وہاں
ریگ طیبہ میں ستاروں کا سماں ہے ہم کو ۔۔۔ ہم تو اس حسن تصور کے ہزاروں صدقے

شعر کیا' کیسا ادب' شاعری کیسی افسر
تذکرہ آپ کا معراج بیاں ہے ہم کو

حنیف اسعدی

طالب و مطلوب رب میرے حضورؐ
داد رس، رحمت لقب میرے حضورؐ

سرور و سالار و سرخیل و امیر
سید والا نسب میرے حضورؐ

نور حق، نور ضمیر کائنات
روشنیٔ روز و شب میرے حضورؐ

وجہ تخلیق وبنائے جزو کل
ہر سبب کا سبب میرے حضورؐ

سر بسر مستغنی و مولا صفات
بے نیاز و بے طلب میرے حضورؐ

آپ کی مدحت سرائی کے لیے
کیا زباں کیا نطق و لب میرے حضورؐ

آپ کی نسبت سے بالا ہوگیا
اپنا بھی نام و نسب میرے حضور

مجھ کو کیا ساری خدائی سے غرض
مجھ کو بس ہے میرا رب میرے حضورؐ

وجہ دوری موجب آزردگی
آپ پر روشن ہے سب میرے حضورؐ

عمر آخر چاہتی ہے حاضری
اب نہیں تو اور کب میرے حضورؐ

نعیم صدیقی

حب رسولؐ پائی ہے رب ودود سے
شاداب میری روح سلام و درود سے

ذوق نظر عطا ہوا ذرات ریگ کو
موج عمل اٹھائی سراب جمود سے

اسراء کی رات دہر نے دیکھا یہ معجزہ
رقبہ زمیں کا بڑھ گیا چرخ کبود سے

کیا کیا قیامتیں نہ اٹھائیں قریش نے
کیا کیا نہ سازشیں ہوئیں صادر یہود سے

انسانیت کو تو نے مقام یقیں دیا
پیچیدہ عقدہ ہائے خرد کی کشود سے

کیا کیا تھیں موشگافیاں، فتویٰ تراشیاں
سب کو ملی نجات رسوم و قیود سے

تو نے مثال دی ہے خلیلؑ و مسیحؑ کی
عبرت دلائی قصۂ عاد و ثمود سے

اپنے تو خیر ہوگئے سیراب و شاد کام
غیروں نے خم بھرے ترے دریائے جود سے

تیرے فدائیوں کی نگاہیں تھیں نور نور
اک موج دود سی اٹھی چشم حسود سے

کیا تیرے ذکر کے لیے لفظوں کے جوڑ توڑ
جاتی ہے بات آگے بیاں کی حدود سے

اے اولین وجود اے پیمبرؐ آخر!

عبدالعزیز خالد

کہتا ہے مُبَشِّرِ کی جگہ تجھ کو مُذکِرؔ — جو صاحب مُصحَف ہے وہ ربِّ متکبّر
برحق ہے یہ قول اے مُکَرَّم! اے رحمت عالم! — بے شک تو مُعَبِّرؔ سے زیادہ ہے مُبَیِّرؔ
بے حد و نہایت ترے افضال و فضائل — ہو حصر سے ادراک نہ کیونکر مُتَعَذِّرؔ؟
جو عالم بالا پہ دکھائے گئے تجھ کو — دیکھے کسی انساں نے کہاں ایسے مناظر!
ہے قربِ الٰہی کا سفر لاانتہاہی — جز تیرے نہ پہنچا کوئی تا منزلِ آخر
اسرار دروں کارگہِ کُن فیکوُن کے — تجھ پر دمِ دیدارِ الٰہی ہوئے ظاہر
تو مخبرِ صادق ہے اسی کشفِ غطا سے — اور اس کی بدولت ہی ہمہ ہنگ و بصائر
بدلے گئے دستور خلا اور ملا کے — تبدیل ہوا وقت کا دھارا تری خاطر
معراج کی نسبت سے لقب تیرا ہے "مَسّاح"! — اس شان کا اس آن کا کون اور مسافر؟
برنابا کی انجیل کے تجھ کو "مَسِیّا" — تھا عیسیٰؑ مریم تیرا منّاد و مُبَشِّرؔ
اترے گا وہ جب چرخِ چہارم سے زمیں پر — دیں دہر کا بن جائے گا دیں تیرا بالآخر
کی تجھ پہ خداوند نے تکمیلِ نبوت — منکر جو ترے ختمِ نبوت کا وہ کافر
ہے زیرِ نگیں تیرے ہر اک گوشۂ تکویں — ہر ثابت و سیّار کا تو ہادی و منذر
تجھ سا کوئی ہوگا، نہ کوئی ہے، نہ کوئی تھا — کہتا ہے ابوبکرؓ تجھے زینِ معاشر!
تیرے رخِ رخشندہ سے آفاق منور — پرتو ہے اسی کے ہے ضیاء پاشیٔ نیّرؔ
نکلا جو سحر بن کے شبستانِ حرا سے — کودے اٹھے یکدم حرم و بیت و مَشاعر
رکھا ترے سینے میں دلِ روشن و بیدار — اس نے کہ عیاں جس پہ ہے مکنونِ ضمائر
وہ ذات ہمیشہ سے جو ہے مبتدء فیاض — جو ظاہر و باطن ہے جو ہے اول و آخر
ننانوے ناموں میں سے جس پاک واحد کا — اک نام مقدّم ہے اور اک نام مؤخّرؔ
اس نورٌ علیٰ نور کا تو نورِ جبیں ہے — در پردہ و بے پردہ ہے جو حاضر و ناظر

شیطاں نہ کبھی بن سکے تیرا متمثّل ہے حفظ تعوّذ میں تن طیّب و طاہر
صف تیرے صحابہ کی ہے از روئے محاسن اک مجمع مستوفۂ اعیان و اکابر
دیکھے نہ مہ و خور نے کہیں روئے زمیں پر پھر ایسے بشر بعدِ تبر و حجر
تجھ پر تری ناموس پہ قرباں دل و جاں سے انصار مدینہ ہوں کہ مکے کے مہاجر
تھے خاک پہ مَس ہو کے بنے تجھ سے وہ اکسیر عظمت کے منابع وہ مکارم کے مصادر
کرتے ہیں عدم میں بھی ادا حق رفاقت بوبکرؓ و ابو حفصؓ ہیں قدرت کے مظاہر
اے بدرقۂ قافلۂ دین و سیاست! جو تجھ سے چلا کٹ کے ہوا خائب و خاسر
برگشتہ ترے مسلک برحق سے وہی ہو جو شخص ہو پیدائشی سرگشتہ وفاتر
ہے خاک قدمگاہ تری سرمۂ بینش تحصیل جلا جس سے کرے کحُل جواہر
اور اس کا اک ادنیٰ سا کرشمہ یہ، کہ اس سے ہو دیدۂ دل دیدہ پس چہرہ پہ قادر
اک بات ہے زرقائے یمامہ کی بصارت سر تیری بصیرت پہ دھنیں اہل بصائر
حالات کبھی کر سکے تجھ کو نہ ہراساں دیکھا نہ کوئی تجھ سا ستم دیدۂ صابر
فاقے میں بھی لوٹائے سوالی کو نہ خالی مسکیں کوئی تجھ سا، نہ کوئی تجھ سا مخیّر
تجھ سا نہ کوئی مستعد و منضبط اوقات تجھ سا نہ کوئی معرکہ آرا و مدبّر
مشرب ہی ترا پاک ہر اک لوث و کدر سے تجھ سا نہ مطہّر نہ کوئی تجھ سا مطہّر
اُمّیؐ ہے مگر بہرہ ور علم لدنیؐ ہے کون سا اعجاز تو جس پر نہیں قادر؟
دیتا ہے خبر غیب کی باتوں کی، اگرچہ کاہن ہے نہ عرّاف نہ شاعر ہے نہ ساحر
ہاجی ترے آخر کو بنے تیرے ثناگر کایا پلٹ ایسی تو ہے اک مظہر نادر
دنیا ہے ترے حلم ترے عفو پہ حیراں اے صاحب اضراب و اساطین وعسا کر!
کہتا ہے "ولا فخرَ" تو ہر عزّوعلا پر ہے دور زماں کنہ تری پانے سے قاصر
خواہاں کسی شے کا نہیں اپنے لیے لیکن امت کے لیے بیٹھے، اٹھے متفکر
طواف ہے گنبد کا ترے گنبد گرداں اس جاہ وجلالت پہ دو عالم متحیر
ہے ذوق حضوری میں کشش ایسی کہ دن رات اطراف زمیں سے چلے آئیں کھنچے زائر
میزان ہے قرآن ترا باطل و حق کی آیات ہیں جس کی ابدًا ذاہر و باہر

ہے خاطر الہام موارد کا ہر ارشاد　　مطبوع و مدلّل خرد افروز و مؤثر

کلمے میں ترے لو لوئے ایجاز و جزالت　　ایسے تو کسی کان میں ہوں گے نہ جواہر

سرچشمے دوامی حکم و رشد وہدیٰ کے　　تا خاتمۂ دار فنا...... دائر و سائر

یکتا نہ سمجھتا ہو انہیں جو متشکک　　لائے کہیں سے ڈھونڈ کے اشباہ و نظائر!

جو قرن بھی ہے دہر کا وہ قرن ہے تیرا　　ہر دور کے ابنائے زماں تیرے معاصر

تاریخ ولادت تو بس اک شےٴ ہے اضافی　　عظمت نہیں ہوتی مقدّم، متاخّر

تقدیم سے کیا نفع ہے، تاخیر سے کیا ضر؟　　تو فخر اوائل، شرف و زین اواخر!

صحبت ہے تری مصلح طمّاعی و دونی　　بے ساختہ دل ہوتے ہیں جس سے متاثر

کہتا ہے تو آل اپنی ہر اک مرد تقی کو　　شامل ترے کنبے میں تمام اہل مفاخر

ہے زیست مساوات و مواسات و مدارا　　اے جان جہاں! تیرے عمل سے متبادر

کم ظرف ہے کرتا ہے نسب پر جو تفاخر　　دوں مایہ ہے جو صنع خدا کا ہے محقّر

بد خواہ ترے دین کا ہر تفرقہ پرداز　　باغی تری اقدار کا ہر جابر و جائر

اوروں کے لیے باعث آزار ہو جو شخص　　ہوں ارض و سما ایسے شقی سے متنفّر

تو رحمۃ مُہداۃ ہے اس تخت رواں پر　　ہیں نور منارے ترے آثار و مآثر

تیری کد و کاوش سے نئی شان سے قائم　　اللہ کی زمیں پر ہوئے اللہ کے شعائر

حاشا نہ ادا حق ہو بیاں کا ترے گرچہ　　نت گونجیں ترے نام سے محراب و منابر

ہے ذکر ترا باعث آسودگیٔ دل　　ہے یاد تری موجب جمعیت خاطر

ملتا نہیں اظہار کا پیرا یہ موزوں　　محسوس کو ملفوظ بنانے سے ہوں قاصر

کیوں ان کی طرح اس کی طرف آتی نہیں وحی؟　　کیا مورو مگس سے بھی فروتر ہے یہ شاعر؟

کوتاہیٔ قسمت کا گلہ سُوءِ ادب ہے　　تقدیر ہے اک امر مقدر، مقدّر

ہر صاحب تخلیق پہ وقت ایسا بھی آئے　　ناز او بنے جب وہ بسان زن عاقر

مجھ سا متشاعر کرے رشک ان پہ نہ کیوں کر　　ہر طرز بیاں پر جو قلمکار ہیں قادر

الفاظ و مفاہیم میں بانی نئے پن کے　　ترقیم کریں جدّت و جودت کے دفاتر

ہے جن کا سخن حشو و زواید سے مبّرا　　باندھیں کوئی مضمون نہ مکرّر، منکرّر

•

قدرت نے عطا کی ہو جنہیں قوت ابداع
وہ اہل طریقت نہ ہوں قبروں کے مجاور

ہو حق امانت سے وہی عہدہ برآ جو
مُسرف ہو نہ مُمسک ہو نہ غالی نہ مقتر

فنکار وہی زندہ و پائندہ رہے جو
ہوشہ کا مصاحب' نہ مُدلّس نہ مزوّر

جذبات و خیالات کو لفظوں میں اتارے
ایسے کہ بنے پیکر تصویر مصور

دریا چہ پایاب ہوں میں' جوئے تنک آب
تو اک یم موّاج ہے' اک قلزم زاخر

ہیں بے عدو کر مدحت و توصیف کے مضموں
تھرّا جاتے ہیں اس راہ میں لفظوں کے ذخائر

مقدور کی حد تک ہوں مگر پھر بھی نوا سنج
ہو بے سروساماں کا خدا حامی و ناصر

دل میرا ہلاک ہوس سیر و تماشا
حیران تماشا کہ اسرار و سرائر

لینے دیں کہاں مجھ کو مزے ذوق نظر کے
کاندھوں پہ جو دونوں مرے بیٹھے ہیں محرّر

ہیں بیسیوں منصوبے پہ توفیق ندارد
خوشحال اگر چہ نظر آتا ہوں بظاہر

انسان کا باطن ہے سرا پردۂ ظلمات
اکثر تو ہوں برعکس حقائق کے ظواہر

مثبت ہے یہی مجھ میں کہ ہوں تیرا ثنا خواں
اور اپنے اس اعزاز پہ ہوں فاخر و شاکر

ہوتا ہے پلک مارتے میں حال دگرگوں
ہے رنگ زمانے کا وادم حقیر

عبرت کدے پندار حیات گزراں کے
مرقد ہوں فقیروں کے کہ شاہوں کے مقابر

ملتے ہیں یہاں ڈانڈے فنا اور بقا کے؟
گم ورطۂ حیرت میں ہیں سب وارد و صادر

یہ رہگذر زیست ہے یا جادہ عدم کا؟
دیکھو جسے اس راہ میں وہ حائر و بائر

چھوڑے نہ کسی کام کا بھی حرص تکاثر
ہے کثرت مال آفت جاں اے متاثر!

ہے تیرا تصور ہی مرا مونس و یاور
جینے کا جو دے حوصلہ مجھ کو متواتر

قرآن کا شعروں میں کیا ترجمہ میں نے
ہے جذبۂ اظہار بھی کیا جابر و قاہر!

ہوں دم بخود اس اپنی جسارت پہ میں خود بھی
میں جو کسی بھی فن و ہنر میں نہیں ماہر

جاتی ہے مرے حق میں کوئی بات تو بس یہ
مامور بہرطور ہو فرماں بہ آمر

رکھتی ہی مگر خوف زدہ پُرسش محشر
وہ روز مکافات کہ ہے حاشر و ناشر

ہے فرد عمل دفتر زلّات و معاصی
مجہول ہے ماضی ہی کی صورت مرا حاضر

گو مدّعی پیروی اسوہ ہوں لیکن
نافر نہ نواہی سے' نہ عامل بہ اوامر

ہوں بے سروبرگی کے سبب تنگ خلائق زاہد نہ مجاہد نہ مقرّر نہ مفکّر
آوازے کسیں طرز سخن پر مرے کیا کیا! تنقید نگاران ادب فن کے مبصّر
سمجھیں یونہی اپنے کو وہ خوش فہم سخنداں جیسے کریں دعوائے نجات اہل کبائر
ڈھانپے وہ دھواں بن کے تپ شعلۂ جاں کو ماؤف کرے عقل کو جو شے کہ ہو مسکر
کیا فائدۂ عرض ہنر بے ہنروں میں ہوں اپنی نگاہوں میں جو بے تہ تبحّر
کرتے نہیں وہ بات کو اپنی کبھی کھوٹا ہوتے نہیں مردان خود آگاہ مناظر
بستی نہیں دنیائے ادب بے ادبوں کی ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں خوش ذوق معاشر
ہو عشق کتابوں سے سخن سنج کو یونہی جیسے کہ نشۂ پانسے کا ہوتا ہے مُقامر
کیا ٹھیک لگے گی مری آشفتہ نوائی؟ ہوگا کبھی حکم اس کے لیے بھی کوئی صادر؟
بے سود ہی جائے گی مری ریزہ سرائی؟ میں یونہی رہوں گا ہدف سوءِ دوائر؟
ہے ذہن پراگندہ خیالوں کی جلوگاہ ہر چند کہ "طبعاً" نہیں میں ست عناصر
کچھ کام نہ آئی مرے زور آوری طبع مقبل کے مقابل میں ہمیشہ رہا مدبر
مقبول طبائع نہ ہوئی شاعری میری از بسکہ توجہ وہ طلب کرتی ہے غائر
گنجور کے گنجینۂ موفورِ نعمٰ سے بے مانگے ملی غم کی مجھے نعمت وافر
آہنگ نفس ہے کہ ہے نقّارۂ رحلت کب جانئے ہوجائے یہ دم پھُرّ سے مسافر!

ہو دم ہمہ دم اے کلسِ گنبد خضرا!
پرسش گری چشم کرم کا متشکّر!

مظفر وارثی

قدم قدم پہ خدا کی مدد پہنچتی ہے درود سے مرے دل کو رسد پہنچتی ہے
یہ آسماں بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تک آپؐ کے قدموں کی حد پہنچتی ہے
کرے زباں ازل جب بھی تذکرہ انؐ کا سلام پڑھتی ہوائے ابد پہنچتی ہے
سر اپنا پائے رسالتمآب پر رکھ دوں تو آسماں پہ بلندیٔ قد پہنچتی ہے
جلوس عشق نبی کا ہو جس طرف سے گذر مرے جنوں کو بھی لے کر خرد پہنچتی ہے
کبھی یہاں چلے آتے ہیں بے سفر آقاؐ کبھی وہاں مری جاں بے جسد پہنچتی ہے
درود کا دیا جاتا ہے جب ثواب مجھے بہشت تک مری دوگز لحد پہنچتی ہے

سلام و نعت مظفرؔ یہاں میں پڑھتا ہوں
قبولیت کی حرم سے سند پہنچتی ہے

حمایت علی شاعر

وہ ذات شہر علم تو ہم طالبان علم ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آسمان علم
ہم کیا ہیں ایک لفظ، معانی سے بے خبر ہم کیا سمجھ سکیں گے رموز جہان علم
سوچا تو ہم ہیں کب سے اساطیر کے اسیر کب سے ہے اپنے جہل پہ ہم کو گمان علم
قرآں ہے اس کے نطق کا اک زندہ معجزہ اقراء سے تا بہ آیت آخر، زبان علم
اسرار کائنات کا عقدہ کشا وہی وہ راز دان وسعت کون و مکان علم
ہم جستجوئے حق میں رواں، اس کے سائے سائے ہم کو اسی کے نقش کف پا، نشان علم

انور سدید

رات کو خواب میں کعبہ کی زیارت کی ہے صبح کو مسجد نبویؐ میں عبادت کی ہے
اپنے سر کو نہ جھکاؤں گا کسی کے آگے میں نے سرکار مدینہ کی اطاعت کی ہے
اوج پر ہے مری قسمت یہ کرم آپؐ کا ہے آپ نے خاک کے ذرے پہ عنایت کی ہے
یوں لگا میں سوئے افلاک اڑا جاتا ہوں روضۂ پاک کی جب میں نے زیارت کی ہے
در اقدس کو جو چوما تو یہ محسوس ہوا کس بلندی پہ مری آپ نے قسمت کی ہے
اپنی آنکھوں سے کبھی دیکھا مدینہ میں نے پھر انھیں آنکھوں سے مکہ کی مساحت کی ہے

اس پہ بے پایاں عنایات ہوئی ہیں نازل
نعت کہنے کی جو انور نے جسارت کی ہے

وقار صدیقی

یہ اعتراف ہے لازم مگر اذاں کی طرح نبیؐ سے ربط ہمارا ہے جسم و جاں کی طرح
فضائے گنبد خضرا کلام کرتی ہے سکوت محو سخن ہے یہاں زباں کی طرح
یہ جانتے ہیں محمدؐ کو دیکھنے والے جمال ذات مکاں میں ہے لامکاں کی طرح
نبیؐ کا حرف صداقت ہے اب بھی گرم سفر محیط وقت میں اک موج بیکراں کی طرح
جوان کے قرب کی خوشبو کا دے گیا احساس وہ لمحہ پھیل گیا عمر جاوداں کی طرح
حدیں وہ حفظ مراتب نے کھینچ رکھی ہیں دلوں میں عشق محمدؐ ہے امتحاں کی طرح
جمال فن کو ملا نعت مصطفیٰ سے وقار کبھی بیاں تو کبھی مقصد بیاں کی طرح

زادِ راہ

سرشار صدیقی

جب بلائے مرا رب
جب ہو دربار مدینہ سے طلب
لب پہ لبیک
زباں پر صلوٰۃ
سر میں سودائے سجود
دل میں آہنگ درود
قابلِ رشک نظر آتا ہے
مجھے خود اپنا وجود
ایک شے اور مجھے کھینچتی ہے
یہ کشش ہے مرے آبا کا لہو
یہ کشش
ثانی اثنینؓ کے خوں کی خوشبو
جس کی نکہت مری روح
جس سے اب تک ہے معطر
مرا مٹی کا لباس
یہ کشش ہے مری بنیاد و اساس

○

حضورؐ

انور مسعود

خدمتِ اقدس میں اذنِ باریابی چاہیے
میرے دو ہمدم بھی میرے ساتھ ہیں
چشمِ گریاں اور قلبِ ناصبور
اے فروغِ بزمِ اعصار و ظہور
الاماں یہ فتنہ ہائے افتراق
یہ ہوائے زہر آگین نفاق
کتنے فرقوں میں بٹی ہے آپ کی امت حضورؐ
کوئی اسم ایسا نہیں دنیا میں آقا جس قدر
اتحاد آموز ہے اسمِ گرامی آپ کا
ہونٹ بھی آپس میں مل جاتے ہیں جس کے وِرد سے
کیوں نہیں آپس میں ملتے نام لیوا آپؐ کے

○

آپؐ کے قدموں کو فرش کہکشاں بخشا گیا
خاکِ طیبہ کو فرازِ آسماں بخشا گیا

ہم انہیؐ کے سایۂ رحمت کے ہیں امیدوار
جن کو سائے کے لیے ابرِ رواں بخشا گیا

انؐ کے در پر ہر تہی داماں سمجھتا ہے، اسے
جو بھی ہے ارض و سما کے درمیاں بخشا گیا

فکر کی کب ہے رسائی، لفظ کی کیا مقدرت
نعت کہنے کے لیے حسنِ بیاں بخشا گیا

کیا یہ کم اعجاز ہے محسن درودِ پاک کا
ورد جو کرتا رہا وہ بے گماں بخشا گیا

محسن بھوپالی

ریاض مجید

تری مدحت کے لیے وقف زباں ہو میری
تیرے ہی واسطے تاثیرِ بیاں ہو میری

موسم حبِ نبیؐ میں چٹکیں غنچے میرے
ذکر سن سن کے ترا، نسل جواں ہو میری

تری مدحت کے لیے، فخرِ ہمہ موجودات
دل ہر ذرہ میں اے کاش زباں ہو میری

ہے یقیں حشر میں اٹھوں گا ترے قدموں سے
کیا غرض اس سے کہ تدفین کہاں ہو میری

دہر ہو، قبر ہو، عقبیٰ ہو، کوئی منزل ہو
نعت آمادہ یونہی طبعِ رواں ہو میری

کم سوادوں سے کہوں "حیّ علی النعت" ریاض
حرمِ شاعری میں نعت اذاں ہو میری

والی آسی (بھارت)

مدت سے تمنا ہے دل میں یوں نعت شہ ابرار لکھیں
سو بار درود پڑھیں ان پر جب نام ان کا اک بار لکھیں

بستی بستی صحرا صحرا تسکین کی خاطر کیوں بھٹکیں!
واللیل پڑھیں والشمس پڑھیں اور زلف و لب و رخسار لکھیں

دکھ دینے والوں کے گھر میں جاروب کشی کرنے والے
کیا لفظ تری توصیف کریں کیا اہل قلم کردار لکھیں

پتھر برسانے والوں کو جو پھول دعاؤں کے بخشیں
ان پاکیزہ ہونٹوں کی ثناء بیگانے لکھیں اغیار لکھیں

جب عرصہ محشر میں میرے اعمال کی پرسش ہوتی ہو
اے کاش کہ خط غلامی پر تصدیق مرے سرکار لکھیں

سچائی، عدالت، حلم و حیا اور علم و شجاعت کے قصے
صدیق لکھیں فاروق لکھیں عثمان لکھیں کرار لکھیں

کیا جانے ہمیں کیوں اے والی معراج کی شب یاد آتی ہے
جب چاند پہ جانے والوں کے افسانے یہ اخبار لکھیں

○

واصل عثمانی (سعودی عرب)

جب فزوں حد سے رنج والم ہو گیا ذکر طیبہ کیا درد کم ہو گیا
ان کے در کی گدائی جسے مل گئی وہ خدا کی قسم محترم ہو گیا
پھر در مصطفےٰ تک رسائی ہوئی ختم میرا ہر اک رنج و غم ہو گیا
دین و دنیا کی دولت مجھے مل گئی میرا سران کا نقش قدم ہو گیا
خاک طیبہ نگاہوں کا سرمہ بنی مجھ پہ واللہ ان کا کرم ہو گیا
ان کی چشمِ کرم اور مرے حال پر دامن اشکِ ندامت سے غم ہو گیا

سر کے بل تجھکو آنا تھا واصلؔ یہاں
کیا ترا شوق اور ذوق کم ہو گیا

وسیم بریلوی (بھارت)

رینہ حاضری دینے کا یہ معیار ہوجائے وہی جائے کہ جس کو لوٹنا دشوار ہوجائے
نکا پھر رہا ہے دل کناروں کی تمنا میں تمہارے عشق میں ڈوبے تو بیڑا پار ہوجائے
ارے چاہے جانے کی حدیں تجویز کرتی ہے کہیں ایسا نہ ہو دنیا سے دل بیزار ہوجائے
ل میں لاکے دکھلاؤ پیام سرور عالمؐ کہ یہ سوئی ہوئی انسانیت بیدار ہوجائے
ے معلوم ہوجائے سبب دنیا میں آنے کا زیارت آپؐ کے در کی جسے اک بار ہوجائے

مدینہ جانے والوں کو میں دیکھوں اور بس ترسوں
وسیم ایسا نہ ہو جینا مرا بیکار ہوجائے

راجا رشید محمود

آب و بادِ شہرِ آقاؐ تک رسا رخشِ خیال
لطفِ آقاؐ' فضل و اکرامِ خدا رخشِ خیال

ایک لمحے میں مجھے پہنچا دیا طیبہ تلک
رم ہوا اس درجہ سُرعت سے مرا رخشِ خیال

آرہا ہے اک سرور و کیف میرے قلب کو
دے رہا ہے شہرِ سرورؐ کا پتا رخشِ خیال

طوفِ کعبہ میں رہا معروف پہلے' پھر ہوا
کوچہ ہائے شہرِ آقاؐ پر فدا رخشِ خیال

روز اس کے بل پہ کرتا ہوں سعادت کا سفر
میرا طیبہ تک بنا ہے واسطہ رخشِ خیال

گھومتا پھرتا ہے طیبہ کے گلی کوچوں میں خوب
ڈھونڈتا رہتا ہے کوئی نقشِ پا رخشِ خیال

لے گیا عرشِ خدا تک راہِ طیبہ سے مجھے
پا گیا فضلِ خدا سے حوصلہ رخشِ خیال

یہ پیامات محبت' یہ کرم کے سلسلے
ہے میری آہِ رسا' پیکِ صبا' رخشِ خیال

دیکھتا ہی رہ گیا ہوں روضۂ اقدس کو میں
مجھ سے پہلے ہوگیا ہے بجبہ سا رخشِ خیال

یہ ہزاروں مرتبہ طیبہؐ میں پانچ بار
یوں ہزاروں بار مجھ سے بڑھ گیا رخشِ خیال

کچھ نہ پھر سُوجھا اسے محمودؔ خود رفتہ تھا یہ
طیبہ ہی کے آنے جانے میں رہا رخشِ خیال

ریاض حسین چودھری

عذاب میں ہے مسلسل جہانِ جاں آقا
بڑی ہی تلخ کسی کی ہے داستاں آقا

غبارِ شہرِ ہوس کی گرفت میں ہے ابھی
نصابِ عشق کی تعبیر گلفشاں آقا

اگی ہوئی ہیں حروفِ عناد کی فصلیں
کسی بھی ذکر کے قابل نہیں زباں آقا

نئے شعور کے سورج کے ساتھ صدیوں سے
بلائے ریگِ قدامت بھی ہے رواں آقا

فضا میں ایک بھی جگنو نہیں کہاں جاؤں
تمام منظرِ شب ہے دھواں دھواں آقا

میں کب سے زیرِ حراست ہوں زرد لمحوں کے
ہوائے جبرِ مسلسل ہے پُرفشاں آقا

رواں ازل سے سفر پر ہے قُلزمِ حیرت سے
زمانہ تیری ہی جانب کشاں کشاں آقا

ملے غریب پرندوں کو عافیت کی نوید
لرز رہا ہے سرِشاخ آشیاں آقا

سفر طویل ہے اور پیڑ کٹ چکے ہیں تمام
برہنہ سر مرے بچوں کو سائباں آقا

شعور طوقِ غلامی مرا اثاثہ ہے
ہنر کوئی مرے دامن میں ہے کہاں آقا

وہاں وہاں مری آنکھوں کے ہیں دیئے روشن

جہاں جہاں ترے قدموں کے ہیں نشاں آقاؐ

نفاذ جبر کے مقتل میں ہے قلم کا شباب
غریق حرف ندامت ہے لوح جاں آقاؐ

ہجوم تشنہ لباں جاں بلب ہے صحرا میں
جوار گنبد خضرا سے چھا گلاں آقاؐ

خمار عشق کا سودا چکانے نکلے ہیں
مرے بدن کے مجاور سر جہاں آقاؐ

تلاش رزق سے پہلے تلاشتا ہے ریاض
ترے نقوش کف پا کی کہکشاں آقاؐ

تحسین فراقی

زمانے کی جبیں پر جب بھی گمراہی کا بل آیا
فراز عرش سے نور ہدایت کا کنول آیا

بجھی فارس کی آگ اور قصر کسریٰ میں خلل آیا
وہؐ آیا اور اس محفل میں کیسا بر محل آیا

زمیں پر نوریان آسماں پرواز گاتے تھے
زہے حسن اتم آیا، خجے نور ازل آیا

ہزاروں مردہ شمعیں جی اٹھیں اعجاز سے اس کے
نبوت کا سہیل آیا، رسالت کا کنول آیا

خدائے عزوجل کی شان رحمانی ذرا دیکھو
ہوئی جب انتہائے تیرگی سورج نکل آیا

بڑی مدت سے غرق قعر دریائے ضلالت تھا
سفینہ نوع انساں کا معاً باہر اچھل آیا

جہان تشنہ لب صدیوں سے پیچ و تاب کھاتا تھا
اچانک جوش پر اک تہہ بہ تہہ بادل کا دل آیا

ادھر بے برگ شاخوں کی تہی بانہوں پہ بور آیا
ادھر جھپکی پلک اور ان پہ بے اندازہ پھل آیا

ادھر ذات خدا کے ایک ہونے کا رجز گونجا
ادھر یوم حساب لات و عزّیٰ وہبل آیا

زمیں کی ناف ٹلنے کی نہیں اب روز محشر تک
حکیم وقت نسخہ لے کے ایسا برمحل آیا

زبانیں حشر تک قاصر ہیں اس کے شکر سے تحسینؔ
کہ ہم پر رحمت دارین کا سورج نکل آیا

نقوی احمد پوری

اے سید والا' کرم — آقا کرم آقا کرم
غم کی سلگتی دھوپ میں — ابر کرم! برسا کرم
میں ہوں' کہ سرتاپا خطا — تو ہے کہ سرتاپا کرم
تو رحمۃ للعلمیں — بے انتہا تیرا کرم
وہ ذرہ رشک مہر تھا — جس پر ہوا تیرا کرم
سینے منور کر دیئے — تو نے کیا کیسا کرم
تو نے کیا حق آشنا — ہو اس سے بڑھ کر کیا کرم
ظلمت سحر میں ڈھل گئی — جب بھی ترا چمکا کرم
طاغوت ہے منجر بکف — شاہا کرم شاہا کرم
جلتے ہیں گھر' کٹتے ہیں سر — امت پہ ہو مولا کرم
فریاد رس! فریاد سن — درکار ہے تیرا کرم
نقوی کو بھی خیرات دے — منگتے پہ ہو داتا کرم

عرض حالات بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پروفیسر عرفان بجنوری (بھارت)

امت ہے بہت آج گریبان دریدہ
اس سمت بھی اک جنبش ابروئے خمیدہ

اس سمت بھی کچھ جودو کرم پیکر رحمت
اس سمت بھی کچھ میوۂ شاداب ورسیدہ

ہم پر بھی کوئی بارش انوار خدارا
ہم کو بھی کوئی نکہت گلہائے دمیدہ

اے فائز معراج رفعنالک ذکرک
اے وہ کہ ترا مثل نہ دیدہ نہ شنیدہ

تو وہ کہ ترے اسم مبارک سے اجالا
اور ہم کہ سراسمہ و حیران و پریدہ

ہر لوح و قلم کا ہے فقط تو ہی مخاطب
منسوب تجھی سے ہے غزل ہو کہ قصیدہ

امت کی یہ فریاد کہ اے عرش کے مالک
ہے عرض کہ اے مرہم شبہائے تلیدہ

ہر عیش و سکوں سایۂ امواج گریزاں
ہر امن و اماں صورت آہوئے رمیدہ

مجروح ز سرتا بقدم ارض فلسطیں
بوسینیا غلطاں صفت اشک چکیدہ

خونریزی بے وجہ سے افغان سرمرگ
بغداد پہ دشمن کی کمانیں ہیں کشیدہ

مغرب میں عناں گیر ہلالوں سے صلیبیں
مشرق میں فدایانِ حرم مار گزیدہ

لگتا ہے سراپائے لہو خاورِ ثانی
تنہا لڑے جاتا ہے شہیدوں کا جریدہ

اسلاف مزیّن تھے بصد افسرِ شاہی
اخلاف مگر جامِ حکومت نہ چشیدہ

کل جن سے الٹ جاتے تھے تاریخ کے اوراق
خاموش ہیں کیوں اب وہ صباہائے وزیدہ

سرسبز دوبارہ ہو فقط تیری نظر سے
یہ نخلِ بہاراں ہے کہ اک شاخ بریدہ

ہم گرچہ سزاوارِ کرم تو نہیں لیکن
امید بداریم ز اخلاقِ حمیدہ

ہم یعنی کہ میخانۂ عرفاں کے رجز خواں
با ساغرِ شکستہ و با جامِ کبیدہ

ہر یک رسن طمع زمانہ را گسستیم
دربارگہ جود و سخایت بنشستیم

انجم نیازی

اٹھا کر ہاتھ لوگوں میں دعائیں بانٹ دیتا ہے
وہ سورج کی طرح اپنی شعاعیں بانٹ دیتا ہے

اتر جاتی ہے جب لفظوں کے سر سے نور کی چادر
وہ خوشبو سے دھلی ان میں ردائیں بانٹ دیتا ہے

کسی بستی کے اندر جب اندھیرے سر اٹھاتے ہیں
وہ اس بستی میں کتنی ہی ضیائیں بانٹ دیتا ہے

بچا کر شام تک کچھ بھی نہیں رکھتا خزانوں میں
وہ دونوں ہاتھ سے اپنی عطائیں بانٹ دیتا ہے

زیادہ خضر رکھتا نہیں صحرا نشینوں کو
وہ ٹھنڈی اور جاں پرور ہوائیں بانٹ دیتا ہے

زمیں کے باسیوں میں عرش سے اتری ہوئی انجم
کھلے دل سے وہ جنت کی فضائیں بانٹ دیتا ہے

عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

نور والشمس لٹاتی ہے سنہری جالی   بوئے واللیل سنگھاتی ہے سنہری جالی
شمع امید جلاتی ہے سنہری جالی   سوئی تقدیر جگاتی ہے سنہری جالی
کتنا رنگین ہے دلکش ہے تصور اس کا   دل کو فردوس بناتی ہے سنہری جالی
ان کے پیاسوں کے لیے باب کرم کھولتی ہے   دید کا جام پلاتی ہے سنہری جالی
کتنی خوش بخت ہے قدموں میں کھڑی ہے ان کے   عید ہر لمحہ مناتی ہے سنہری جالی
درِ سرکارؐ سے ہائے وہ جدائی کی گھڑی   خون کے اشک رلاتی ہے سنہری جالی
ایک بوسے کے لیے آہ تڑپتا ہے نعیم
دیکھو کب پیاس بجھاتی ہے سنہری جالی

اعجاز رحمانی

اور دل پہ کیا لکھیے   نام مصطفیٰؐ لکھیے
اوج مصطفیٰؐ لکھیے   عرش زیرِ پا لکھیے
ذکر سرور دیں کو   روح کی غذا لکھیے
فہم سے جو بالا ہو   اس کی شان کیا لکھیے
عظمت مدینہ کو   خلد سے سوا لکھیے
آنسوؤں سے طیبہ میں   دل کا مدعا لکھیے
بدر اور طائف کو   عرصۂ دعا لکھیے
انؐ کی یاد کے صدقے   قلب کو حرا لکھیے
بعدِ حمدِ ربّ اعجازؔ
نعتِ مصطفیٰؐ لکھیے

امیر الاسلام ہاشمی

کوئی حد ہو تو بتلائیں کہاں سے اور کہاں تک ہے
جہاں تک بھی جہاں ہیں ان ﷺ کی سلطانی وہاں تک ہے

قمر دو نیم ہو جاتا ہے ان ﷺ کے اک اشارے ۔۔۔۔ پر
وہ شاہِ دو جہاں ہیں حکمرانی لامکاں تک ہے

بتا سکتے نہیں یہ حضرتِ جبریل بھی ہم کو
نیاز و ناز کی آئینہ سامانی کہاں تک ہے

دعائے خیر کر کے آپ ﷺ نے سمجھا دیا سب کو
سلوکِ ناروا پر خندہ پیشانی کہاں تک ہے

گماں کو آپ ﷺ نے آ کر یقینِ بے گماں بخشا
یقیں کی آخری حد بھی یقینِ بے گماں تک ہے

جو قرآں کو سمجھنا ہے سمجھ لو وہ ہی قرآں ہیں
ہماری سوچ کا مرکز حدیث دیگراں تک ہے

کبھی تھا ذکر اپنا قید و کسریٰ کے ایواں میں
اب اپنی داستان تو صرف زیب داستاں تک ہو

احسن زیدی

یہ گنبد خضرا ہے، اسے جاں میں سمو لے
دل کھول کے اے دیدۂ پُر غم یہاں رو لے

سب کچھ ہے اسی کا یہ ہوائیں، یہ فضائیں
مدح شہِ والا میں کوئی ہونٹ تو کھولے

طیبہ کی گھٹا ٹوٹ کے برسے مرے مولا
جب تک یہ زمیں روح کی سیراب نہ ہو لے

وارفتگیٔ شوق کی اک اپنی ادا ہے
کانٹے رہ محبوب کے پلکوں میں پرو لے

شاید تری قسمت میں حضوری کی گھڑی ہو
اے دیدۂ بے دار ذرا دیر کو سو لے

یہ اشک ندامت بھی بڑی چیز ہیں احسن
دربار رسالت میں زباں بولے نہ بولے

حاصل مراد آبادی

چراغ راہ ملا رہنما اصول ملے
خدا کو پالیا بندوں نے جب رسول ملے

دم ظہور فلک سے وہ رحمتیں برسیں
خزاں رسیدہ چمن کو شگفتہ پھول ملے

کلام پاک اٹل ہے امر ہے صادق ہے
کسی کتاب میں ہم کو نہ یہ اصول ملے

غم رسول کی رفعت کسی کو کیا معلوم
میں چاہتا ہوں مری چاہتوں کو طول ملے

نشاط روح بھی ہے اور سکوں بھی ان کا خیال
مرے نبی کا پرستار کیوں ملول ملے

میں رشک غازہ سمجھ کر ملوں اسے رخ پر
کہیں جو آپ کے قدموں کی مجھ کو دھول ملے

شعور حق تھا نہ عرفان ذات اے حاصل
یہ مرتبے تو ہمیں باعث رسول ملے

شفیق الدین شارق

واللہ کے مقصود مشیّت ہیں محمدؐ
اک زندہ جاوید حقیقت ہیں محمدؐ

اک مصحف الہام کی صورت ہیں محمدؐ
وہ مالک شان بشریت ہیں محمدؐ

دنیا میں محبت ہی محبت ہیں محمدؐ
عقبیٰ میں شفاعت ہی شفاعت ہیں محمدؐ

بندوں کے لیے لائے ہیں قرآن کا تحفہ
اللہ کی جانب سے بشارت ہیں محمدؐ

اب کوئی نہیں کوئی نہیں کوئی نہیں ہے
انسان پہ تکمیل ہدایت ہیں محمدؐ

کس مرحلہ زیست کو آساں نہ بنایا
کیا عقدہ کشا صاحب سیرت ہیں محمدؐ

سرچشمۂ توحید سے نکلا ہوا دریا
فیضان میں بے حدو نہایت ہیں محمدؐ

باطل کے پرستار بھی جھٹلائیں کہاں تک
برحق ہیں، دو عالم کی صداقت ہیں محمدؐ

پیشانیٔ دوراں پہ چمکتا ہی رہے گا
اس لوح پہ نقش ابدیت ہیں محمدؐ

وہ کل بھی جہاں کے لیے مبعوث ہوئے تھے
اور آج بھی دنیا کی ضرورت ہیں محمدؐ

شارق ہو کوئی سمت بھی افلاک کے نیچے
برروئے زمیں سایۂ رحمت ہیں محمدؐ

اشتیاق طالب

رحمت دو جہاں آپ سا کون ہے فخر کون و مکاں آپ سا کون ہے
جن کی آمد پہ رقصاں ہوئی کہکشاں اے زمیں، آسماں آپ سا کون ہے
بے نواؤں کو بخشی نوا آپ نے حامئ بیکساں آپ سا کون ہے
آپ نبیوں رسولوں کے سرخیل ہیں رہبر کارواں آپ سا کون ہے
کون ہے آپ جیسا کریم و رحیم مشفق و مہرباں آپ سا کون ہے
کس نے ظلمت کدوں کو منور کیا صبح نو کی اذاں آپ سا کون ہے
اپنے دامن میں مجھ سے گنہگار کو دینے والا اماں آپ سا کون ہے

ایک طالب ہی کیا آپ کی شان میں
سب ہی ہیں مدح خواں آپ سا کون ہے

اقبال حیدر

ازل ابد آشنا محمدؐ تجلّیٔ کبریا محمدؐ
وہ جس سے کون و مکاں ہیں روشن وہ جلوۂ حق نما محمدؐ

تمام تاریک دور کے بت لرز لرز کر گرے زمیں پر
اندھیری شب میں کچھ ایسے چمکا وہ آفتاب ہدیٰ محمدؐ

یہ دنیا بھر میں جو دلکشی ہے جو نغمگی ہے جو روشنی ہے
ہر ایک لب پر صدا یہی ہے جمال ارض و سما محمدؐ

بہت دنوں سے کشاکش زندگی کے ہاتھوں نجل تھے لیکن
سکون سا دل کو مل گیا ہے کہا جو صلّ اللہ محمدؐ

اگر نہ منزل کی سمت جائیں تو یہ ہماری ہے بد نصیبی
بہت ہی سیدھا بہت ہی سچا دکھا گئے راستہ محمدؐ

غالب عرفان

ہم روح کائنات کی جانب سفر کریں
سیرت کے ہر ورق پہ جو فکر و نظر کریں

منعکس ہو گی اسوۂ حسنہؐ کی روشنی
ہر شیشۂ حیات کو صیقل اگر کریں

نقش قدم پہ آپ کے تہذیب ہو رواں
تاریخ کے شعور کو گر معتبر کریں

آواز انکیؐ تشنہ سماعت میں سینچ کر
سوزدروں سے اپنی نوا باثر کریں

دیکھیں کہ کیا سلوک تھا خلقت سے آپ کا
سوچیں کہ کس طرح سے ہر اک دل میں گھر کریں

دیکھیں تمام جہتیں مقدس حیات کی
سوچیں کہ اپنی زندگی کیسے بسر کریں

عرفانؔ نورِ احمدِ مرسل کو اوڑھ کر
بے چہرگی کے سامنے سینہ سپر کریں

نعت رحمت اللعالمین

احمد صغیر صدیقی

وہ کہ خوشبو کا بگولا تھا
ہواؤں کے پروں پر رقصاں
ایسی خوشبو کہ جو پہلے کبھی پھیلی بھی نہ تھی

وہ کہ اک سیل صدا تھا سر صحرائے بسیط
رات کے بیچ ابھرتے ہوئے سورج کی طرح
اس کا وجود

اور یہ خوشبو بکھرتی رہی قریہ قریہ
اور افق تا بہ افق
سیل صدا، موج صبا بن کے بڑھا
اس کے ہونٹوں سے کھلے لفظ
شعاعوں جیسے
جاگتی بولتی زندہ سوچیں
ذہن انساں میں اٹھانے لگیں طوفان نئے
ایسے طوفان
کہ بت سارے زمیں بوس ہوئے

اسی سورج
اسی خوشبو
اسی آواز کا دامن تھامے
روشنی دشت و دمن میں اتری
روح احساس کے تن میں اتری
آنکھ رنگوں کے بدن میں اتری
شوق ہنگام وفا تک پہنچا
آدمی اپنے خدا تک پہنچا

میلاد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پانچ حرف کی فضیلت

رشید وارثی

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان اللّٰہ وتر یحب الوتر یعنی اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)۔ ۱۹۹۰ء میں "مجلہ حضرت حسان ایوارڈ ۸۹۔ ۱۹۸۸ء" میں مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمتہ کی مسدس در فضیلت چار حرف اسم احمد پڑھی تو محولہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں یہ خیال ارادہ میں ڈھل گیا کہ اسماء النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے سے کسی طاق عدد کی فضیلت کو نظم کیا جائے۔ حسن اتفاق سے یہ ربیع الاول ۱۴۱۲ء کا مہینہ تھا۔ لہٰذا "میلاد مصطفیٰ" کے پانچ حرف کی فضیلت کو عنوان بنا کر درج ذیل نظم کہی گئی ہے قارئین کرام کی خدمت میں یہ صراحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ فن بدیع میں الفاظ کے حرف شمار کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک بہ اعتبار ظاہر یعنی مکتوبی اور دوسرا بہ اعتبار حقیقی یعنی ملفوظی۔ علمائے نحو، حق تعالیٰ جلّ سبحانہٗ کے اسم ذات "اللہ" اور محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی نام "محمد" کے مکتوبی حرف چار اور ملفوظی حرف پانچ شمار کرتے ہیں۔ البتہ یہ نظم عرف عام کے مطابق مکتوبی حروف کی بنیاد پر ہی کہی گئی ہے۔ (رشید وارثی)

کس ناز آفریں کا جہاں میں ورود ہے — عرش بریں سے بارش عطر درود ہے
دنیا میں عام رحمت رب ودود ہے — ہر چیز کائنات کی محو سجود ہے

آمد ہے آج سرورؐ خیرالانام کی
خوشبو مہک رہی ہے درود و سلام کی

میلاد مصطفیٰؐ کی بشارت کے پانچ حرف — مخلوق پہ خدا کی عنایت کے پانچ حرف
ہلکے پڑے نظر میں قیامت کے پانچ حرف — ابھرے دلوں میں لفظ شفاعت کے پانچ حرف

صلِّ علیٰ ہے آمد سلطان دو سرا
لازم ہے بزم نعت میں پڑھنا درود کا

ہیں مصطفےؐ میں اور رسالت میں پانچ حرف اور مرتضیٰؓ میں پانچ نیابت میں پانچ حرف
ہیں فاطمہؓ میں اور طہارت میں پانچ حرف حسنینؓ میں ہیں پانچ سیادت میں پانچ حرف
یہ پانچ نام کیسے جمیع الصفات ہیں
عز و شرف میں حاصل کل کائنات میں

بوبکرؓ میں ہیں پانچ صداقت میں حرف پانچ فاروقؓ میں ہیں پانچ عدالت میں حرف پانچ
عثمانؓ میں ہیں پانچ سخاوت میں حرف پانچ ہیں مرتضیٰؓ میں پانچ شجاعت میں حرف پانچ
اصحابؓ میں ہیں پانچ خلافت میں پانچ حرف
آل نبیؐ میں پانچ امامت میں پانچ حرف

امؐ نبی کے پانچ مدینہ کے حرف پانچ اور سعدیہ کے دائی حلیمہؓ کے حرف پانچ
ہیں عائشہؓ کے پانچ خدیجہؓ کے حرف پانچ اور فاطمہؓ کے پانچ سکینہؓ کے حرف پانچ
حوروں کے حرف پانچ تو غلماں کے پانچ حرف
فردوس کے ہیں پانچ تو رضواں کے پانچ حرف

اجداد مصطفیٰؐ میں نجابت میں پانچ حرف آل عباؑ میں اور فضیلت میں پانچ حرف
ازواج میں ہیں پانچ رفاقت میں پانچ حرف اولاد مجتبیٰؓ میں ولایت میں پانچ حرف
اسلام میں ہیں پانچ شریعت میں پانچ ہیں
حرف اولیاء میں اور طریقت میں پانچ ہیں

اسلام کے ہیں پانچ تو کردار کے ہیں پانچ اخلاق کے ہیں پانچ تو تلوار کے ہیں پانچ
ہیں قافلہ کے پانچ تو سالار کے ہیں پانچ کل انبیاء کے پانچ تو سرکارؐ کے ہیں پانچ
جبرئیلؑ میں ہیں پانچ صحائف میں پانچ حرف
اوراد میں ہیں پانچ وظائف میں پانچ حرف

ہیں کیمیا کے پانچ عناصر کے پانچ حرف سرکار کے ہیں پانچ معاصر کے پانچ حرف
انصار کے ہیں پانچ مہاجر کے پانچ حرف ہیں راہ حق میں سارے مظاہر کے پانچ حرف
سبطین و نیرین و امامت میں حرف پانچ
تینوں عدد میں پانچ ہیں قرأت میں حرف پانچ

سب طاعتوں میں بہتر و برتر نماز ہے گلزار عبدیت کا گل تر نماز ہے
معراج مومنوں کی سراسر نماز ہے اور دین کا ستون مقرر نماز ہے

مومن پہ صرف پانچ نمازیں ہی فرض ہیں
بندہ پہ تاحیات جو خالق کا قرض ہیں
کل پانچ ہی حواس وسیلہ ہیں علم کا رمضاں میں پانچ شب کا ہی لازم ہے رت جگا
تشریق کے ہیں پانچ ہی دن ماجرا ہے کیا عیدین کے ہیں پانچ ہی ایام مرحبا
وحدت، صلوٰۃ و صوم زکوٰۃ اور ادائے حج
اسلام کے ہیں پانچ ہی ارکان اور نہج
ایمان کے ہیں پانچ تو ایقاں کے حرف پانچ الہام کے ہیں پانچ تو وجداں کے حرف پانچ
الطاف کے ہیں پانچ تو احساں کے حرف پانچ ہیں چشم تر کے پانچ تو داماں کے حرف پانچ
عرفاں کے حرف پانچ ہیں اور پانچ ہی عدد
اور پانچ پانچ حرف ہیں یا غوث المدد
اکرام کے ہیں پانچ تو تکریم کے ہیں پانچ تقدیس کے ہیں پانچ تو تعظیم کے ہیں پانچ
مختار کے ہیں پانچ تو اقلیم کے ہیں پانچ خیرات کے ہیں پانچ تو تقسیم کے ہیں پانچ
منگتا کے حرف پانچ ہیں اور وارثی کے پانچ
حب نبیؐ کے پانچ ہیں اور زندگی کے پانچ
بزم رسول پاک الٰہی سجی رہے ہر دل میں مصطفیؐ کی محبت بسی رہے
صلِّ علیٰ کی دھوم جہاں میں مچی رہے نعت نبیؐ سے یونہی فضا گونجتی رہے
گھر گھر نبیؐ کا جشن ولادت ہوتا ابد
ان کے ہر امتی کی غلامی ہو مستند

قمرزیدی

قلم چراغ، سیاہی کو نور ہوجانا مقام مصطفوی کا شعور ہوجانا
کمال ہے کہ ادھر نعت کا خیال آئے ادھر زباں کا زباں پر عبور ہوجانا
یہ معجزہ تری رحمت کا تیرے نام کا ہے درود پڑھتے ہی ہر غم کا دور ہوجانا
اسے مآل نہ سمجھوں تو اور کیا سمجھوں ملال و کرب بدل کر سرور ہوجانا
یہی تو ایک نشانی ہے پیار کی آقاؐ نگاہ شوق میں غم کا وفور ہوجانا
تجھے امین پیام وفا بنایا ہے صبا ادھر سے بھی امشب ضرور ہوجانا
یقین ہے کہ خدا کو پسند آئے گا بشر کو تیری عطا پر غرور ہوجانا
قمر کے واسطے اوج کمال ہے زیدی
غبار راہ دیار حضورؐ ہوجانا

قمروارثی

چراغ ذکر و فکر مصطفیٰ سے کیا نہیں روشن زباں روشن بیاں روشن مکاں روشن مکیں روشن
عجب دیکھی فضا وابستہ یاد نبیؐ ہوکر گماں بھی دل میں ہوتا ہے بہ انداز یقیں روشن
وہ رستے ماورائے چشم حیرت ہیں جو ہوتے ہیں بفیض اتباع رحمت للعالمیں روشن
پہنچنا تھا خیال جنبش لب ہائے آقا تک سماعت میں ہوئیں آیات قرآن مبیں روشن
سفر کرتی ہے کیا کیا روح بینائی کی آنکھوں تک کہ جب پیش نظر ہوتی ہے طیبہ کی زمیں روشن
مدینے سے عجب ہوتا ہے عالم آنے والوں کا زباں خاموش آنکھیں نم بدن خوشبو جبیں روشن
اجالے رقص کرتے ہیں قمر فانوس رحمت کے
دیئے نعت نبی کے جب بھی ہوتے ہیں کہیں روشن

جب یورشِ الم سے پریشان ہو گیا ذکرِ نبیؐ سکون کا سامان ہو گیا
جو تیرے روئے پاک پر قربان ہو گیا خلدِ بریں کا خیر سے مہمان ہو گیا
قربت ملی حضورؐ کی پہنچا خدا کے پاس خود جس کو اپنی ذات کا عرفان ہو گیا
کام آئی روزِ حشر محبت حضورؐ کی پیدا مری نجات کا سامان ہو گیا
پھرتا ہوں دل میں دردِ جہاں کا لئے ہوئے فیضِ رسولِؐ پاک سے انسان ہو گیا
کیا شان ہے کہ ان کے غلاموں کا ہر غلام سلطان ہونا چاہیے سلطان ہو گیا
الہام ان کے قلب کی جنبش کا نام ہے جو لفظ منہ سے نکلا وہ قرآن ہو گیا
جامیؔ کیا ہے وردِ زباں جب سے ان کا نام ہر کام میرے واسطے آسان ہو گیا

سید معراج جامی

عرش ہاشمی

پھر آج لب پہ جو مدحت حضورؐ آپ کی ہے کرم خدا کا، عنایت حضورؐ آپ کی ہے
یہ میری زیست کا حاصل ہے میرے دین کی روح جو میرے قلب میں الفت حضورؐ آپ کی ہے
حضورؐ آپ پہ ہے آشکار حال اس کا کرم، کرم کہ یہ امت حضورؐ آپ کی ہے
اطاعت آپ کی ہر لحظ فرض ہے گویا یہ زندگی بھی امانت حضورؐ آپ کی ہے
گنہ زیادہ ہیں دامن میں نیکیاں کم ہیں مگر یہ کم ہے؟ کہ نسبت حضورؐ آپ کی ہے
ملائک آتے ہیں صبح و مسا سلامی کو وہ شان و عظمت و رفعت حضورؐ آپ کی ہے
جو ایک بندے کو محبوب اپنے رب کا بنائے خدا گواہ وہ طاعت حضورؐ آپ کی ہے
حضورؐ عرش کو بھی حاضری کا اذن ملے
کہ اس کے دل میں بھی چاہت حضورؐ آپ کی ہے

نعتیہ سانیٹ

منصور ملتانی

آپؐ آئے تو ہوا عہدِ خزاں عہدِ بہار
آپؐ ہیں خلقِ مجسم آپؐ سب پر مہرباں
آپؐ کی نسبت سے ہی روشن ہے میرا شہرِ جاں
آپؐ جیسا ہو نہیں سکتا کوئی بھی شہر یار

آپؐ ختم المرسلیں ہیں آپؐ ہیں نورِ ازل
تاابد روشن رہے گی آپؐ ہی سے ہر نظر
آپؐ ہیں قرآن ناطق عامل خیر العمل
ہو بشر کیونکر نہ نازاں آپؐ ہیں خیر البشر

آپؐ ہی ٹھہرے فصیحؐ جس پہ نازاں ہے کلام
آپؐ سا صادق امیں کوئی نہیں ہے بالیقیں
آپؐ سا جواد ہو کوئی کبھی ممکن نہیں
آپؐ ہی خیرالوریٰ ہیں آپؐ ہی خیر الانام

نور سے لکھی ہیں ربّ نے آپؐ کی ساری صفات
آپؐ آئے تو جہاں سے چھٹ گئی صدیوں کی رات

○

کبھی جب سفر کو نکلتی ہیں آنکھیں
مدینے کی جانب ہی چلتی ہیں آنکھیں!

عجب دھوپ ہے دوریوں کی کہ جس میں
غلاموں کی ہر دم پگھلتی ہیں آنکھیں

جو ہیں جالیاں روضۂ مصطفیٰ کی!
انہیں چومنے کو مچلتی ہیں آنکھیں

جنھیں ہر گھڑی دید کی آرزو ہو
سنبھالے سے کب وہ سنبھلتی ہیں آنکھیں

تعلق سے ان کے یہ دل پر سکوں ہے
تصور سے ان کے بہلتی ہیں آنکھیں

نکل جائیں طیبہ کی جانب جو اک بار!
کہاں اپنا رستہ بدلتی ہیں آنکھیں

نظر آئے روضہ محمدؐ کا جب جب
فصیح اشک موتی اگلتی ہیں آنکھیں

شاہین فصیح ربانی

جو طبع سید مختارؐ کو منظور ہوجائے
وہی قانون حق ٹھہرے، وہی دستور ہوجائے

جو ذرہ چشم احمد کی توجہ سے مشرف ہو
وہ مہر و ماہ سے بڑھ جائے رشک طور ہوجائے

اگر عکس کف پائے محمدؐ نقش ہو دل پر
بشر کا پیکر خاکی منار نور ہوجائے

وہ ایسے میں "حبیبی یا نبیؐ" کہہ کر ذرا دیکھے
کوئی اندر سے جب ٹوٹے، غموں سے چور ہوجائے

نشان منزل مقصود بھی وہ پا نہیں سکتا
محمدؐ مصطفےٰؐ کے در سے جو بھی دور ہوجائے

اگر عشق محمدؐ راہبر ہو دین و دنیا میں
رکاوٹ ہر طرح کی دور غم کافور ہوجائے

افضال احمد انور

عزیزالدین خ

خوشا نصیب کہ دل میں مکیں ہے یادِ حضورؐ وہ دل ہی کیا ہے کہ جس میں نہیں ہے یادِ حض
خزاں رسیدہ گلستانِ زندگی کے لیے بہارِ گلشنِ خلدِ بریں ہے ....یادِ حض
انہیؐ کے نور سے روشن ہیں میرے شام و سحر سکون و فرحت قلبِ حزیں ہے یادِ حضو
اسی سے مطلع انوار بن گیا ہے دل جمالِ شمس و قمر سے حسیں ہے یادِ حضو
رہے بھی پرسش محشر کا خوف کیوں دل میں شفیعِ حشر پہ مدنیں ہے یادِ حضو
یہی کرامتِ عشقِ نبیؐ ہے اے خاکی
دل و نگاہ میں اب جاگزیں ہے یادِ حضورؐ

نعتیہ کجریاں:۔ ظافر علی خاں تشنہ

(کجری:۔ گیت کی ایک قسم جو عموماً" ہولی میں گاتے ہیں)

وجہ کائنات

آپ کی چاہت میں تو پیدا ہوئی کونین آپ کی باتیں ہی پہیلی ہیں طرفین
آپ کے ہی نعلین عرش نے چومے ہیں

گنبد خضرا

اس گنبد کی بات کیا جس کا سبز ہے رنگ قدس میں یہ آفاق بھی ہے جس کے پاسنگ
جب ہو جگ سے تنگ اس کی جانب دیکھ لے

واقعہ طائف

دونوں جہانوں کو دیں رونق جس کے پاؤں جس کی کملی میں ہے کون و مکاں کی چھاؤں
طائف کے گاؤں میں وہ زخموں سے تھا چور

معراج

رات انوکھی تھی کہ سوتا رہا سنسار جم سی گئی ہر چیز بند ہوئے سب کار
دنیا کے اس پار اترتا رہا براق

رئیس احمد رئیس

جمال احمد مرسل ہے باکمال بہت
جسے خدا نے بنایا ہے بے مثال بہت

خوشا نصیب کہ لب پر ہے نام پاک ان کا
گناہگاروں کا رکھتے ہیں جو خیال بہت

نظر نواز ہوں جلوے حرم نبویؐ کے
گذر گئے ہیں یہاں یوں ہی ماہ سال بہت

وہ جن کو سوچ کر آسودگی نصیب ہوئی
انہی کے ذکر سے روشن ہیں خط و خال بہت

حضورؐ! آپ ہی لطف و کرم سے لاج رکھیں
حضورؐ! آپ کی امت ہے خستہ حال بہت

بس اک نگاہ کرم ازپئے حسینؓ و حسنؓ
کیا ہے گردش دوراں نے پائمال بہت

اسی لیے مجھے دنیا رئیس کہتی ہے۔!
میں ان کے ذکر کے زر سے ہوں مالا مال بہت

صبیح رحمانی

مکاں ہے نور سے معمور لا مکاں روشن چراغِ ذکرِ نبیؐ ہے کہاں کہاں روشن
یقین، عدل، وفا، علم، صبر، سچائی کیئے نبیؐ نے چراغوں کے کارواں روشن
اُسی نے تلخ نوائی کی تیرگی میں کیا زمینِ دل پہ محبت کا آسماں روشن
تمام رات مری فکرِ نعت میں گذری تمام رات رہا ہے مرا مکاں روشن
صبیح ارضِ وطن پر ہو نور کی بارش
صدائے نعت سے ہوں ساری بستیاں روشن

نعتیہ ہائیکو

بیکل اتساہی (بھارت)

بولے بڑی کتاب
کائنات کو نور بانٹتا
طیبہ کا مہتاب

اقراء کی تنویر
غار حرا کی مٹی چمکی
دنیا کی تقدیر

قرآن کی آیات
دل سے پڑھے تو لگتی ہیں
پیارے نبی کی نعت

جینے کا احساس
روئے تمنا جگمگ جگمگ
ذکر نبی کی آس

تقلید حسان سے
عشق نبیؐ کی دولت دیدے
چمک اٹھے ایمان

محسن بھوپالی

ہر ذرہ تارہ
کا ہکشاں سے بڑھ کر ہے
طیبہ کا رستہ

مولا کا احسان
آئی قرآں سے پہلے
تفسیر قرآن

سو کی سیدھی بات
بندے اور خالق کے بیچ
ہے اک ان کی ذات

شاہد ہیں جذبات
چودہ صدیوں پر حاوی
طیبہ کی اک رات

اقبال حیدر

خوف نہ کوئی غم
در نبیؐ پہ عقیدت سے
آنکھیں ہیں پرنم

صل علی ان پر
جینا مرنا سکھلایا
صل علی ان پر

سنور گیا جیون
روضہ اقدس کے صدقے
بھیگ گیا دامن

عزیز احسن

طیبہ کا موسم
جب جب مجھ کو یاد آئے
ہوتی ہے رم جھم

دشمن جاں پہنچا
آقاؐ کے دربار میں تو
پھول بنا مہکا

سعدی کے صدقے
آقا میرے شعروں کی
خوشبو بھی مہکے

سہیل غازی پوری

اُمّی ہو کر بھی
منبع ہیں، علم و فن کے
شانِ قدرت ہے

یٰسین و طٰہٰ
ذاتِ احمدؐ ہے لوگو
رب کا آئینہ

محبوبِ داور
اک لمحے میں پہنچے ہیں
عرشِ اعظم پر

یہ بھی ہے عظمت
سارے عالم پر پھیلا
دامانِ رحمت

رونق حیات

وہ سب کے سرورؐ
انؐ کے در پر شاہوں کے
جھک جاتے ہیں سر

پھیلی ہریالی
آنحضرتؐ کے کاندھوں پر
کملی ہے کالی

طیبہ کی راتیں
ذکرِ احمدؐ کرتے ہیں
پڑھتے ہیں نعتیں

نکہت کی بارش
طیبہ میں تو ہوتی ہے
رحمت کی بارش

معراج حسن عامر

رحمت ہے ہر پل
دل میں ان کی چاہت کی
روشن ہے مشعل

زخمی ہو کر بھی
ان کے ہر اک موسم نے
خوشبو ہی لکھی

اللہ کے مہمان
جن کی مدحت میں اتریں
آیاتِ قرآن

طیبہ کی یہ خاک
میرے جسم پہ جیسے ہے
پھولوں کی پوشاک

آفتاب مضطر

خاص پیمبر آپؐ
شافعِ محشر کوئی نہیں
شافعِ محشر آپؐ

باعث رحمت ہے
آپ کا نام نامی ہی
وجہِ شفاعت ہے

حُسنِ مکمل ہے
حُسن محمد صلی اللہ
کامل و اکمل ہے

خطوط

ڈاکٹر جمیل جالبی..... کراچی

آپ نے جس سلیقے اور عمدگی سے نعت رنگ مرتب و شائع کیا ہے وہ یقیناً" قابل تعریف ہے۔ معیار اور حسن طباعت کے اعتبار سے بھی ایسا کوئی دوسرا رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ آپ نے نعت گو شعراء کے انداز نظر کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا ہے وہ بھی یقیناً" قابل تعریف ہے۔ شرک ہر صورت میں روح اسلام کے منافی ہے۔ رسالے کے معیار اور طباعت کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ کا رسالہ نہ صرف کامیابی سے ہم کنار ہو گا۔ بلکہ بہت مقبول بھی ہو گا۔ جادۂ رحمت کی شاعری بھی دل پذیر اور پر اثر ہے۔ آپ کے اندر شعر گوئی کی بہت اچھی صلاحیت ہے۔ امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو۔ بھارت

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی وساطت سے نعت رنگ کے دو خصوصی شمارے اور جادہ رحمت کا ایک نسخہ موصول ہوا ممنوں ہوں۔

رات ہی سرسری طور پر تینوں کتابیں دیکھ گیا۔ صرف نعت گوئی کے موضوع پر اتنے ضخیم نمبر نکالنا اور مفید اور قیمتی مضامین شائع کرنا آسان کام نہیں۔ آپ نے بڑی ہمت کی ہے۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے۔

جادۂ رحمت کے اشعار پسند آئے اور کچھ تو ایسے شعر پڑھنے کو ملے جو بہت دنوں تک یاد رہیں گے۔ اللہ یہ سلسلہ شوق دراز کرے امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق..... بھارت

آپ کا ارسال کردہ علمی و تحقیقی کتابی سلسلہ نمبر۱ "نعت رنگ" وصول ہوا آپ حضرات کے خلوص کا احسان مند ہوں جسے محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتا ہوں۔ جو علمی و ادبی ماحول میں نے پاکستان میں پایا اس سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ جی تو چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے طور پر آپ حضرات کی خدمت میں حاضری دوں مگر غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے اور اپنے حال پر اس کے مفہوم کو قیاس کر کے سفر کی ہمت نہیں کر سکتا۔

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احسان اٹھایئے

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ بریلی بھارت

کرن کرن نیک تمنائیں، بھرن بھرن پاک دعائیں! کچھ نہ کہنے اور نہ لکھنے کے باوجود بھی آپ نے نعت رنگ کے دو شماروں کی شکل میں ماہ مبارک اور عید سعید کی برکتوں اور مسرتوں کی پر خلوص مبارک باد اور حسین تحفہ عطا کیا۔ شکریہ بہت بہت شکریہ!

عیدالفطر سے چند روز قبل نعت رنگ کے دو شمارے موصول ہوئے۔ سراپائے ظاہری خوب بہت خوب، بہت سندر اور بہت ہی منوہر۔ باطنی روپ بھی نکھرا نکھرا، نورانی نورانی ادارت میں آپ کا نام دیکھ کر لگا ہوں کو نعت رنگ کا رنگ اور تاباں اور حسن مزید درخشاں نظر آنے لگا اور دل مطمئن ہو گیا کہ اس کا باطنی رنگ اور نورانیت اور بھی اجالا بخشے گی۔

کچھ مصروفیات اور کچھ الجھنوں کے سبب گو دونوں شمارے ورق ورق اور سطر سطر تو نہیں پڑھ سکا پھر بھی پڑھا ضرور ہے نئی اور منجھی ہوئی اردو میں محبت اور محنت سے لکھے گئے مضامین و مقالات اور منظومات، علمی، تحقیقی، ادبی، باوقار گرانقدر اور وقیع!

ہر مقالہ کے تمام پہلوؤں سے صد فی صد اتفاق تو نہیں کر سکتا۔ تاہم کافی حد تک اتفاق ضرور ہے۔ محترم سید آل احمد رضوی صاحب کا مقالہ جاندار بھی ہے اور شاندار بھی۔ عاصی کرنالی صاحب نے اپنے مقالہ "ممنوعات نعت (شمارہ نمبر۱ تنقید نمبر) میں "ضمائر کے استعمال میں واحد غائب کے لئے وہ اور واحد حاضر کے لئے تو کا استعمال مناسب ہے یا نہیں" کے بحث میں بہت ہی اچھا انداز اختیار کیا ہے۔

اس طرح حافظ محمد افضل فقیر صاحب نے اپنے مقالہ "نعت کا مثالی اسلوب نظم" میں اس بحث میں

عاصی کرنالی صاحب کی طرح انداز اختیار کیا ہے۔ دونوں صاحبان کی باتیں دل کو لگتی ہیں اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ مدینہ کو یثرب کہے جانے کے سلسلے میں ان دونوں مقالہ نگاروں نے ایک ہی سا انداز اختیار کیا ہے۔

یقیناً "یہ لازمی ہے کہ نئے نعت گویوں کو اس طرح کی ہدایات دی جائیں اور انھیں نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر شرعی باتوں سے اجتناب کے ساتھ ساتھ ادبی وفنی درستگی کا بھرپور خیال رکھنے اور لفظ کے استعمال، واقعہ یا کسی طرح کی روایت وغیرہ کے بیان میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے اور دنیائے نعت نگاری میں قدم رکھنے والے نئے نوجوان شعراء کی رسائل و جرائد کے ذریعے تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ نعت سے منسوب انجمن، اکادمی یا ادارہ وغیرہ کے ذریعے تعلیم و تربیت کا انتظام بھی کیا جائے۔ یوں تو یہ نعت کا دور ہے لیکن ارض پاک میں موجودہ دور نعت کے فروغ کا زریں دور ہے۔

واجب احترام ادیب رائے پوری صاحب کا مقالہ "نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کا جمود" بھی سچائی سے بھرپور پر فکر اور پر مغز مقالہ ہے۔ انہوں نے نظم طباطبائی اور دتو رام کوثری کے اشعار کی مثال دیتے ہوئے دونوں کے غیر محتاط رویے کی جو گرفت کی ہے وہ بالکل درست ہے کوئی غیر مسلم علمی، ادبی، فنی یا کسی اور اعتبار سے کتنا بھی بلند پایہ کیوں نہ ہو ایک عام مومن کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا ہے کجا صحابی رسول کا کہ کوئی غوث و قطب بھی جن کے سائے کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔

طباطبائی نے جو غلطی کی وہ دتو رام کوثری کی غلطی سے بہت بڑی ہے کیونکہ ایک غیر مسلم غلوئے عقیدت، جوش محبت میں سہواً "یا قصداً" اس طرح کی غلطی کر جائے تو اس پر شرعی حکم نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اخلاقی طور سے اسے روکا اور سمجھایا ضرور جا سکتا ہے۔ مگر ایک مسلم پر شرعی حکم ہر حال میں نافذ ہوتا ہے طباطبائی صاحب کا یہ شعر یقیناً "قابل گرفت ہے اور گستاخی پر محمول ہے۔

کہاں ہے کعب سیکھے ہم سے آداب ثناء خوانی
کہ نعت مصطفےٰ اور ذکر شمشیر ممند کا

بہرحال اس سلسلے میں زیادہ نہ لکھ کر یہ عرض کروں گا کہ ادیب صاحب نے اپنے مقالہ کے آخر میں جو بات لکھ دی ہے۔ قطعاً "درست ہے اور ہم سب کو اس طرف پورا پورا دھیان دینا چاہئے۔

"نعتیہ شاعری کے لئے بھی ضروری ہے کہ تنقید کا عمل جاری و ساری رہے اور اس کے نتائج سامنے آئیں تاکہ تنقید اپنے ارتقا کی منزلیں طے کرے"۔

محترم حفیظ تائب کی نعت گوئی پر سید رفیع الدین اشفاق صاحب کا جائزہ بھی اچھا ہے اشفاق صاحب محقق نعت، قابل، مخلص اور خورد نواز ہیں۔

رشید وارثی صاحب، محمد اسحق قریشی صاحب، عزیز احسن اور دیگر صاحبان کے مضامین و مقالات بھی کافی حد تک اچھے اور بہت اچھے ہیں۔

پیارے بھائی! آپ کے اشعار تو ۹۲ء میں کراچی میں سنے تھے جتنا خوبصورت آپ کہتے ہیں اتنا ہی اچھا پڑھتے بھی ہیں۔ میں نے آپ کی نعتیں سن کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ بہت جلد میرا صبیح رحمانی ہند و پاک کے ممتاز نعت گویوں کی بزم نورانی میں ایک باوقار مقام حاصل کرے گا اور آج وہ دن آگیا۔ میرے لئے یہ ایسی ہی خوشی کی بات ہے جیسے میرے اپنے چھوٹے بھائی نے جوانی کی اس منزل میں وہ بڑا مقام حاصل کرلیا کہ جس منزل میں جوان صرف جوانی دیوانی کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں اور اس عشق و عقیدت اور علم و ادب کی دولت کے حصول سے بہت دور رہتے ہیں۔ جو دنیا اور آخرت دونوں کی کامرانی اور عزت و وقار کی ضمانت ہے۔

یقیناً" وہ صبیح بڑا خوش نصیب ہے جو اس قدر حسین نعتیں لکھتا ہے کہ عصر حاضر کے نعتیہ ادب کے جہان کے بڑے بڑے قد آور جس کی شاعری پر تاثرات پیش فرمائیں جناب سعید بدر نے آپ کو روشنی اور خوشبو کا نعت گو شاعر کہہ کر حق گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ انہوں نے آپ کے جو اشعار پیش فرمائے ہیں۔ ان میں کچھ تو سن اور پڑھ چکے تھے۔ بقیہ جن سے کان اور آنکھ نا آشنا تھے۔ انہیں سعید بدر کے مقالہ میں پڑھ کر مزید مسرت ہوئی۔ خدا کرے آپ اپنی شاعری میں اسی طرح بلکہ اور بھی زیادہ' بہت زیادہ' جمالیات و امیجری کے جلوے دکھاتے ہوئے مطہر و معطر جذبہ و فکر کے ساتھ منزل کی سمت رواں دواں رہیں۔

خوش اخلاق' خوش مزاج' خوش کلام' خوش گلو اور محبت و محنت والے صبیح رحمانی کے لئے نعیم عزیزی کی اسی کے ایک شعر میں قافیہ کی ذرا سی تبدیلی یعنی نون غنہ ہٹا کر یہی دعا ہے۔

جبینِ وقت پر حسانؓ و جامیؒ کی طرح چمکو
صبیح ان کی غلامی کو متاعِ زندگی لکھو

نثر بھی آپ بہت خوب لکھتے ہیں۔ سطر سطر ایسا لگتا ہے جیسے فضاؤں میں راج ہنس پرواز کر رہے ہوں۔

میرے بھائی! مجھے یقین ہے کہ پروف ریڈنگ میں آپ یا دوسرے مدیران و معاونین توجہ دیتے ہوں گے مگر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

کچھ مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا لفظ نبی' رسول وغیرہ پر پورا درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم لکھا گیا ہے۔ بہت اچھی بات ہے اور یہ دیکھ کر آنکھوں کو نور و سرور حاصل ہوا لیکن اکثر جگہوں پر " ' " " " وغیرہ دیکھ کر برا بھی لگا اور تکلیف بھی ہوئی۔ علمائے کرام نے پورا درود شریف لکھنے کا حکم دیا ہے اور "م" "ؐ" پر سخت گرفت کی ہے اور ایسا کرنے سے سختی سے روکا ہے اور اس پر وعید بھی سنائی ہے۔ نہ صرف سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے بلکہ صحابہ کرام اور اولیاء و صلحا کے لئے بھی "ؓ" "ؒ" وغیرہ لکھنے سے منع کیا ہے اور پورا رضی اللہ عنہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ لکھنے کا حکم دیا ہے کوئی اور یا کچھ اور لوگ اس طرح کی بے احتیاطی کریں تو غلط وہ بھی ہے لیکن فروغ نعت کے لئے کام کرنے والے

مخلصین ایسا غیر محتاط رویہ اختیار کریں تو غلط ہی نہیں بہت غلط اور دوسروں کے لئے بے احتیاطی کا باب وا کرنے اور راستہ ہم وار کرنے کے مترادف ہے آپ اور آپ کے رفقاء و معاونین اور سرپرست حضرات خوش نصیب اور لائق تکریم ہیں کہ فروغ نعت کے لئے خود کو وقف کئے ہوئے ہیں۔

نعت لکھنا، نعت پڑھنا، نعت سننا نعت کی محفل آراستہ کرنا نعت کی تحقیق، تنقید کا فریضہ انجام دینا اور علم، قلم، قدم اور رقم سے نعت کے فروغ کے لئے کوشاں رہنا بہت ہی خوش نصیبی اور شرف و سعادت کی بات ہے۔ نعت شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تازگی ایمان، سکون قلب، بالیدگی روح اور معبود کی سرمدی سرشاری نیز شخصیت کی تعمیر و تطہیر اور آگے بڑھ کر قوم و ملت کی تنظیم و بحالی اور غلبہ اسلام کا ایک خوبصورت وسیلہ ہے اگر نعت کو اس کے لغوی اور ادبی مفہوم و معنی کے محدود دائرہ سے نکال کر اس کے وسیع معنوں میں برتا جائے۔

ارض پاک میں فروغ نعت کے لئے کی جانے والی مساعی اپنا رنگ لا چکی ہے اور اس کے لئے چھٹی ساتویں دہائی میں چھیڑی گئی مبارک تحریک کامیابی کی منزل سے کافی حد تک قریب ہے۔ آج نعت کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو ہی میں موجود ہے اور تقسیم ملک کے بعد اس میں اضافہ کرنے کا سہرا ارض پاک ہی کے سر ہے۔ نعت نگاران پاک، انگریزی، جاپانی، پنجابی وغیرہ شاعری کے اصناف اور ہیئتوں میں جو تجربات کر رہے ہیں وہ بھی خوش آئند ہے۔ بھارت میں بھی ہائیکو اور سانیٹ وغیرہ میں نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ مگر پاک کی بہ نسبت کم تیزی اور کم جوش سے، بیکل اور نظمی مارہروی جیسے شعرا ہندی بحور و اوزان اور اصناف میں نعت کہنے کا تجربہ کر رہے ہیں اور کافی حد تک کامیاب ہیں۔

نظمی صاحب نے تو سنسکرت زبان میں کئی نعتیں کہی ہیں۔ سید آل رسول حسنین نظمی مارہروی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مرکز عقیدت اور مرشد خانہ خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ ہیں۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ایم اے اور مرکزی حکومت کے محکمہ سنٹر میں بمبئی میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ عالم بھی ہیں۔ اردو فارسی زبان و ادب کے باوصف عربی اور انگریزی میں بھی مہارت حاصل ہے ہندی اور سنسکرت سے بھی خاصی واقفیت ہے۔

محترم ادیب رائے پوری صاحب کے نعت اکیڈمی کی کانفرنس سے ۹۲ء میں واپسی لوٹنے کے بعد ادیب صاحب اور سعید وارثی، شہزاد احمد صاحبان کو خطوط لکھے تھے۔ مگر ادھر سے جواب نہ ملنے پر رابطہ نہ رہ سکا۔ سرور کیفی صاحب کی نعت گوئی پر کراچی ہی میں ان کے سامنے انھیں کے قلم پر تبصرہ، (قلم برداشتہ) لکھ کر دے آیا تھا۔ پتا نہیں کہیں شائع ہوا یا نہیں بھارت آکر حفیظ تائب، راجا رشید محمود، حافظ لدھیانوی اور وسیم بریلوی صاحبان کی نعت گوئی پر بھی بہت کچھ لکھ کر راجا صاحب کو ماہنامہ "نعت" میں اشاعت کے لئے بھیجا مگر ان کی اشاعت کی بھی کوئی اطلاع نہ ملی۔ البتہ جناب ستار وارثی مرحوم کی نعت گوئی کا جائزہ میری کراچی موجودگی میں ماہنامہ نعت لاہور میں شائع ہو گیا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں فقیر راقم السطور

نے بیکل اتساہی نعتیہ مجموعہ والضحیٰ بھی ادیب رائے پوری ڈاکٹر ریاض مجید' راجا رشید محمود صاحبان اور دوسرے حضرات کو بھیجا لیکن وصولی کی کوئی رسید نہیں ملی جلد ہی انشاء المولیٰ الکریم والضحیٰ اور اس پر تبصرہ پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی تحقیقی کتاب "اردو نعتیہ شاعری" پر بتصرہ جو ہند کے ایک رسالہ میں شائع ہو چکا ہے بھیجوں گا۔

بہت کچھ لکھ دیا ہے شاید اس لیے کہ بہت دنوں بعد آپ کو کچھ لکھنے یا آپ سے گفتگو کرنے کا موقع میسر آیا ہے۔ مختصر سے مختصر سہی جواب کی امید رکھتا ہوں۔

پروفیسر عاصی کرنالی۔ ملتان

- آپ کے خط پر خط ملے' کسی صاحب نے فون بھی کیا لیکن ہماری شان بے نیازی دیکھیے کہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تاہم بہت سی خجالت' ندامت اور انفعال کے ساتھ' حاضر خدمت ہوں۔ اس تاخیر کے بہت سے اسباب ہیں جن کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ شرمندہ ہوں آئندہ محتاط رہوں گا۔

موجودہ نعت رنگ' پہلے شمارے ہی کی طرح آپ اور آپ کے رفقا کی محنت' ریاضت اور ذاتی لگن کا ثمر شیریں ہے۔ اس میں مضامین و مقالات کا تنوع اور تحریروں کا علمی مزاج اس کے معیار کی بلندی کا ضامن ہے۔ ایک قاری جب اسے پڑھ لیتا ہے تو وہ یقیناً "اپنے شعور و بصیرت میں اضافہ محسوس کرتا ہے اور اس کا دامان طلب علم و تحقیق کے قیمتی جواہر پاروں سے معمور ہوتا ہے۔ آپ نے نعت رنگ میں بعض اچھوتے موضوعات پر لکھ کر یا لکھوا کر اس کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے۔ اللہ آپ کی توفیقات قائم رکھے اور ہم نوادرات نو سے مالا مال ہوتے رہیں۔

رشید وارثی صاحب نے استخفاف الوہیت کے عنوان کے تحت میرے بعض اشعار کا محاکمہ کیا ہے اور ان میں خدا کی ذات و صفات میں تخفیف تلاش کی ہے۔ ہر شخص کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ تاہم انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ان کی نیک نیتی' اخلاص خیر خواہی نیز راہ نمائی کی کوشش پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ مجھے توفیق عطا کرے کہ میں آئندہ زیادہ محتاط ہو کر شعر کہوں۔ اس مخلصانہ کاوش پر ان کا میری جانب سے شکریہ ادا کردیجیے۔

پروفیسر حفیظ تائب.... لاہور

آپ کے فون کی کچھ تعمیل کر رہا ہوں... اپنی تازہ حمد اور محترم احمد ندیم قاسمی کی پرانی مگر غیر مطبوعہ نعت پیش خدمت ہے۔ یہ نعت خود ندیم صاحب کے ریکارڈ میں نہیں۔ تاج کمپنی لاہور نے ایک زمانے

میں ایک بہت بڑا نعتیہ مشاعرہ بیرون باغ موچی دروازہ میں منعقد کیا تھا۔ یہ نعت مجھے اس مشاعرہ کے ریکارڈ سے ملی تھی۔ نعت میں نے احتیاطاً" ندیم صاحب کو فون پر سنا بھی دی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ میں نعت آپ کو بھیج رہا ہوں۔ نعت خوان و نعت نگار کے سلسلے کا پہلا مضمون بھی حاضر ہے۔ انشاء اللہ اگلے شمارے کے لیے سکندر لکھنوی مرحوم کے بارے میں مضمون لکھوں گا۔ محترم میرزا ادیب نے دونوں شماروں کے بارے میں کچھ لکھنے کی بجائے سلسلہ نمبر1 پر مضمون لکھ دیا تھا اور ان کی یہ خواہش تھی کہ اگر آپ کو مضمون پسند آئے تو نوائے وقت لاہور میں اشاعت کے لیے عمران نقوی صاحب کو بھیج دیں۔ یہ مضمون بھی آپ کو اسی لفافے میں ملے گا۔

نعت رنگ کے سلسلہ ۲ کی خبریں لاہور کے جنگ اور نوائے وقت کے ادبی صفحات میں چھپ گئی تھیں اور غالباً" آپ کی نظر سے گزر چکی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو رفقاء و اہل خانہ سمیت محفوظ و مامون رکھے اور توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ "نعت رنگ" سے بہت سی توقعات وابستہ ہوتی جا رہی ہیں۔ خدا کرے انہیں آپ کماحقہ' پوری کرتے چلے جائیں۔

ڈاکٹر انور سدید.... لاہور

نادم ہوں کہ میں "نعت رنگ" کے لیے اپنی پُر خلوص خواہش کے باوجود مضمون پیش نہیں کر سکا۔ اول بڑھاپا غالب ہے۔ دوم' صحافت کی مصروفیت دماغ چاٹ جاتی ہے۔ درخواست ہے کہ فی الحال میری معذرت قبول فرمائیں۔

حسب ارشاد دو نعتیں ارسال خدمت ہیں۔ اسے مدحت نہیں جسارت تصور کیجیے۔ آپ خیر و برکت کا کام کر رہے ہیں' آپ بھی لائق تحسین ہیں اور آپ کا کام بھی داد کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق مزید دے۔

ڈاکٹر تحسین فراقی.... لاہور

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ اور آپ کے معاون احباب لائق مبارک باد ہیں کہ آپ "نعت رنگ" جیسا معیاری اور انقلابی پرچہ نکال رہے ہیں۔ آپ کی عنایت سے دوسرا پرچہ مل گیا تھا۔ اسی پرچے کے حوالے سے چند باتیں گزارش کر رہا ہوں اگرچہ بڑی تاخیر سے!

آپ کا "ابتدائیہ" اور "نئے دکھ" دونوں دعوت فکر دیتے ہیں۔ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ واقعی اس قابل ہیں کہ اہل علم اور مؤرخان ادب اردو کو ان پر غور کرنا چاہیے۔ دراصل بات یہ ہے کہ

بڑی شاعری کی طرح بڑی مذہبی شاعری بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خبر نظر کا، علم عین کا اور گوش آغوش کا روپ نہ دھار لے۔ ہمارے نقادوں کے صنف نعت سے اعراض کا ایک سبب شاید یہ بھی رہا ہو کہ اس کا بڑا حصہ محض رسمی اور رواجی رہا ہے اور جذبات عشق، محض بیان کی حد تک مطلوب رہے ہیں بالعموم عشق سرور کونین شاعر کے لیے Fivine Presence نہیں بن سکا۔

نعت میں کن امور کا خیال رکھنا چاہیے اس باب میں حضرت حافظ افضل فقیر اور رشید وارثی کے مضامین قابل توجہ ہیں۔ مرحوم حافظ افضل فقیر کا مضمون جو دراصل "وسلموا تسلیما" (حفیظ تائب) کا زندہ اور نہایت درجہ فکر افروز دیباچہ تھا، پہلے بھی میری نظر سے گزر چکا تھا مگر آپ کے پرچے میں اس کی موجودگی نے قند مکرر کا مزہ دیا، حافظ صاحب کو اللہ نے جو غیر معمولی بصیرت اور بیان کا جو حیران کن سلیقہ عطا کیا تھا وہ اس دیباچے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے شعرو شاعر کے ضمن میں جن چار مقدمات کا ذکر کرنے کے بعد کمال وسعت نظر کے ساتھ ان کی جو توضیح کی ہے اس سے خود میرے بعض اشکالات رفع ہوئے۔ البتہ مضمون کے آخر میں عرفی شیرازی کے نعتیہ قصیدے کے جو دو شعر انہوں نے درج فرمائے ان میں سے پہلے میں عرفی وہ احتیاط ملحوظ نہ رکھ سکا جس کی اس جیسے عالی دماغ شاعر سے توقع تھی۔ عرفی بعض اور مقامات پر بھی ایسا پیرایۂ بیان اختیار کرتا ہے مثلاً "اس کے ایک اور نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے:

؎ عیسیٰؑ مگس تکلم تو حلوائے دکان آفرینش

اب آپ غور فرمائیے کہ کیا اس شعر سے حضرت عیسیٰؑ کی تخفیف کا پہلو صاف نمایاں نہیں؟ بہرحال کہنا یہ ہے کہ متقدمین خواہ وہ فارسی ادب سے متعلق ہوں خواہ اردو سے، ان امور پر وہ توجہ نہیں دے سکے جس کا تقاضا نعت گوئی کرتی ہے۔ اس تمام تر کے باوجود اردو اور فارسی کا کلاسیکی نعتیہ ادب اس کا مستحق ہے کہ اس کے قابل لحاظ حصہ کو ادب عالیہ میں شمار کیا جائے۔

رشید وارثی صاحب کا مضمون بھی بحیثیت مجموعی فکر افروز ہے اور نعت گوئی کے باب میں ایک عمدہ منشور کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ صفحہ ۵۲ پر انہوں نے جس شعر کا انتساب حافظ شیرازی سے کیا ہے وہ سعدی شیرازی کا ہے۔ شعر یہ ہے۔

؎ دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اس مضمون میں رشید وارثی صاحب نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ دو مختلف حقائق ہیں۔ ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے۔

عاصی کرنالی صاحب کے مضمون کے عنوان سے جو امید بندھی تھی وہ مضون کے مشمولات سے پوری نہ ہو سکی۔ سوال یہ ہے کہ فارسی شعری روایت نے اردو نعت اور حمد پر صرف بحور و اوزان کی حد تک تو اثرات مرتب نہیں کیے۔ معانی، مضامین، تراکیب، تلمیحات، اور بیان و بدیع کی بیسیوں صورتیں

ہیں جن سے ہمارا حمدیہ و نعتیہ شعری ادب متاثر ہوا ہے۔ عاصی صاحب کو ان امور سے بھی اعتناء کرنا چاہیے تھا۔ حواشی میں ایک جگہ انھوں نے ایک شعر مستغرق گناہیم' ہرچند عذر خواہیم درج کرکے اسے معین الدین چشتیؒ سے منسوب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معین الدین چشتی کے نام سے جس دیوان فارسی کا ہمارے یہاں چلن ہے وہ ان کا نہیں معین الدین ہروی کا ہے اور اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو حافظ محمود شیرانی نے اپنے مقالات میں ایک جگہ اس کے معین الدین چشتی سے انتساب کو بہ دلائل غلط قرار دیا ہے۔ بہرحال اپنے مخصوص دائرے میں عاصی صاحب کا یہ مضمون مفید اور معلومات افزا ہے۔
باقی مشمولات ابھی پوری طرح نہیں پڑھ پایا اس لیے ان کے بارے میں رائے نہیں دے سکتا۔

ڈاکٹر احسان الحق.... کراچی

آپ کے مجلے بعنوان "نعت رنگ" کے دونوں شمارے موصول ہوئے جو آپ نے شیخ زائد اسلامک سینٹر کی لائبریری کو بطور حدیہ دیئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پر تنقید کے حوالے سے اور شاعری کی اسی صنف کے بارے میں معلومات کے لحاظ سے یہ بے حد مفید لائق تحسین قابل قدر اور انتہائی جامع رسالہ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دے اور آپ سیرت طیبہ کے حوالے سے اپنے اس مشن کو کامیابی کے ساتھ پورا کریں اور ترقی کریں۔ آپ کے حدیے کا بے حد شکریہ امید ہے کہ آپ آئندہ شمارے بھی ارسال کرتے رہیں گے۔

پروفیسر وسیم بریلوی (بھارت)

آپ کا نوازش نامہ بھی ملا۔ اور نعت رنگ کا تحفہ بھی۔ اس سلسلے پر آپ کی مخلصانہ کوشش قابل ستائش بھی ہے لائق تقلید بھی۔ جس علمی ذمہ داری سے آپ داد عقیدت دے رہے ہیں اس کا صلہ آپ کو دربار رسالتؐ سے ہی ملے گا۔ ہم تو بس آپ کے جذبہ کی صداقت کو سلام کرتے ہوئے اپنا ایک نذر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں

نہ ٹوٹتے سلسلۂ دور جام اے ساقی
یہ رات اس طرح گذرے کہ غم کو دم نہ ملے

حکم کی تعمیل میں چند نعتیں بھیج رہا ہوں اگر ایک لفظ بھی ان کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو عاقبت سنور جائے۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔

عبدالقیوم لطفی۔ سعودی عرب

"نعت رنگ" ھدیہ بطور جناب عبدالستار شیخ سے مجھے ملا۔ اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوگئی۔ اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین)

دراصل بچپن ہی سے مجھے نعت سننے اور سنانے کا شوق رہا ہے۔ کسی زمانے میں جب ریڈیو تک عام دسترس سے باہر تھے 'ذکر الٰہی اور میلاد النبیؐ کی محفلیں بڑے ہی ذوق و شوق سے سجائی جاتیں جن میں نعت خوانی کا خاص اہتمام ہوتا۔ جنگ عظیم جس زمانے میں اپنے آخری مراحل میں تھی مجھے رسالہ "تاج" جو نعتوں سے خاصا مرصع ہوتا تھا۔ پڑھنے کا بڑا شوق تھا' لیکن اپنے عہد جوانی تک نعتوں کو شرعی نقطۂ نظر سے جانچنے کا کبھی شعور حاصل نہ ہوا کہ جس ماحول میں ہم عموماً" رہتے بستے ہیں وہ اس فکر و سوچ میں ہمیشہ عاری رہا ہے۔

جوں جوں قرآن اور سنت کے مطالعہ سے آگاہی کا رنگ پختہ ہوتا گیا اپنی گزشتہ نافہمی پر پچھتاوا سا آتا' اب نعتیہ کلام احتیاط اور بڑے غور سے پڑھتا ہوں کہ کہیں اللہ اور رسولؐ کی شان میں کوئی ایسی گستاخی نہ ہو جائے جس کا کوئی کفارہ نہ بن پڑے یعنی:۔ "ان الشرک لظلم عظیم" (حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے) (لقمان آیت ۱۳) اور ہمیشہ یہی دعا کرتا رہا کہ اللہ تبارک و تعالٰی ہر مسلمان کو شرک سے بچائے (آمین) میری ہمیشہ سے یہ دلی تمنا اور دعا رہی کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ اس موضوع پر بھی قلم اور آواز اٹھائے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اپنے بے پناہ والہانہ جذبہ محبت میں سرشار ہو کر شرک کا شکار نہ ہوا کریں۔ اللہ رب العزت نے یقیناً" میری یہ دعا سنی کہ جب میری نظر سے آپکی یہ عظیم کاوش گزری اور جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو نت نئی معلومات حاصل ہونے کے علاوہ میری آنکھیں جذبہ تشکر سے بھی اشکبار ہوگئیں اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اس نوجوان عاشق رسولؐ کی یہ سعی بارگاہ رب العزت میں قبولیت کے عظیم درجہ پر فائز ہو کہ جس نے تحقیق و تنقید کے بعد نہ صرف نعت گوئی کی تاریخ اسلوب و فکر اور اس کے فن سے ہمیں آگاہ کیا بلکہ معیاری اور غیر معیاری کلام کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ شرعی فکر و عمل کی طرف بھی عاشقان رسولؐ کی توجہ مبذول کرائی۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ آئندہ بھی آپ کے قلم سے ایسے شہ پارے تخلیق ہوں جو ہماری بے راہ روی اور غفلت پر ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیں (آمین)۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محسن بھوپالی۔ کراچی

نعت رنگ کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مستقبل میں یہ مجلّہ نعتیہ ادب کی تحقیق کے سلسلے میں یقیناً "کتاب حوالہ" کا کام دے گا۔

مختلف ذیلی موضوعات کے تحت تخلیقی اور تحقیقی مواد کے حصول اور ترتیب و تدوین کے لئے تمہیں اور رفقائے کار کو میری جانب سے مبارک باد قبول ہو۔

دست بدعا ہوں کہ حضورؐ کے دربار میں تمہاری یہ کاوش قبولیت کا درجہ حاصل کرے۔ (آمین)

نقوی احمد پوری۔ احمد پور شرقیہ

نعت رنگ کا کتابی سلسلہ نمبر ۲ نظر نواز ہوا۔ سرورق دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل میں کیا کیا جذبات عقیدت بھڑکے ذہن میں کیا کیا الفاظ محبت گونجے روح نے کس کس طرح سرمستی میں رقص کیا۔ کالی کملی والے کے تصور میں بیساختہ سرورق کو چوم لیا... سرورق.... انوار و تجلیات کی بارش... اس بارش میں ذات باری کی طرف سے اعلان کرتی ہوئی ٹھنڈی یعنی خوشگوار و مشکبار ہوا.... ہوا کا اعلان.... ذات بے نیاز کے انداز تخاطب کے والہانہ پن کا ترجمان ورفعنالک ذکرک چمکتا دمکتا' ارفع و اعلیٰ فضاؤں میں نور چھڑکتا ہوا مینار' خوشبو لٹاتی ہوئی فصلِ بہار' علامت دل نشیں رحمۃ للعلمین درود و سلام ہو اس رحمتوں کے تاج والے معراج والے نبی طاہر و مطہر پر اس کی آل پر اس کے اصحاب پر اور اس کی ازواج پر۔

سوچا کہ جس سلسلے کے سرورق نے سرور و کیف کی موجوں میں ڈبو دیا ہے اس کے مندرجات کیسے ہوں گے۔ مندرجات کا خیال آتے ہی' ان مندرجات کو یکجا کرنے والے کی طرف دھیان پلٹا' اے صبیح رحمانی! آپ سے گو تعارف نہیں تھا لیکن آپ نے نعت رنگ کے ذریعے ایسا تعارف کرایا ہے کہ آپ کے اس کارنامے پر مجھے رشک آنے لگا ہے۔ آپ کو آپ کے معاونوں کو اور آپ کے مشیروں کو جو سعادت حاصل ہوئی ہے' یہ سعادت ہر ایک کو کہاں حاصل ہوتی ہے۔ ع

تانہ بخشد خدائے بخشندہ..... میں آپ سب لوگوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں

آپ کا ابتدائیہ کھلی دعوت ہے۔ خدائے کریم ہم اہل قلم کو اپنے فیوضات و برکات سے متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ کچھ تو ایسا لکھ جائیں جو ہمارے لئے توشہ آخرت ہو حافظ محمد افضل فقیر صاحب کا مضمون "نعت کا مثالی اسلوب نظم" بہت دلچسپ اور معلومات آفریں ہے۔ انہوں نے جس انداز میں "بامحمد ہوشیار" والی باتیں کہی ہیں وہ نعت گو شعراء کو محتاط راہیں دکھاتی ہیں۔

عاصی کرنالی صاحب نے "اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایات کے اثرات" پر مدلل مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ عروضی نظام کے تحت بحور اور اوزان کے ساتھ اشعار پیش کرنا ایک دقت طلب کام تھا۔ جو انہوں نے بطریق احسن سرانجام دیا ہے۔

رشید وارثی صاحب کا مضمون "اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف" متنازعہ جہتوں کا حامل ہے۔ دل تو کہتا ہے کہ اس پر مکمل کر خامہ فرسائی کروں لیکن اس کے نتیجے میں خط طویل ہو جائے گا اور پھر بحث کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ ان کی کچھ باتیں صحیح ہیں لیکن کچھ باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بعض اشعار میں جو باریک نکتے ہیں وہ انہیں سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ میں مثال کے طور پر یہاں صرف ایک شعر کے بارے میں لکھوں گا۔ وہ شعر یہ ہے۔

(تخلص) آپ کی مدحت خاص کو۔ کم سے کم حق کا طرز بیاں چاہئے

رشید وارثی صاحب نے شاعر کا تخلص حذف کر کے اپنے اندرونی خوف کا مظاہرہ کیا ہے۔ باوجود خوف کے رقمطراز ہیں۔ "اس شعر میں ذات حق تعالیٰ جل جلالہ کے طرز بیاں کو "کم سے کم" کہنے سے قادر مطلق کی صفت کلام وحی متلو اور غیر متلو (قرآن و حدیث) کی تنقیص ہوتی ہے"..... "ذرا سوچئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے یہ گمان رکھا جائے کہ (نعوذ باللہ) اس کا طرز بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدحت خاص کے لئے کم سے کم حیثیت رکھتا ہے تو پھر آپ کی کامل مدحت سرائی کے لئے ذات قادر مطلق کو بھی مجبور ماننا پڑیگا کہ وہ اپنے محبوب کی کماحقہ 'مدحت بیاں کرنے پر قادر نہیں۔ لہذا اس قسم کی مدح سرائی سے اجتناب کرنا بلکہ تائب ہونا نعت گوئی کیا ایمان کا بھی تقاضا ہے"۔ دراصل اس شعر میں جو لطیف نکتہ ہے رشید وارثی صاحب اسے سمجھ ہی نہیں سکے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ شعر کس کا ہے لیکن اتنا نفیس شعر کہنے پر میں تو داد دیتا رہا۔ میری دانست میں اس شعر کی تشریح یوں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ارفع و اعلیٰ ہے اسی طرح اس کا کلام بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس نے اپنے محبوب کے ذکر کو رفعت بخشی اور فرمایا۔ "ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین' امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماہ" اللہ تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی مجبوری ظاہر نہیں ہوئی بلکہ یہ مقصود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ان پر درود بھیج رہا ہے۔ حضورؐ کے مقام کو جس طرح اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے اسے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ جس طرح وہ اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے، کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی شان بہت اونچی ہے اور اے شاعر (تخلص) تم صدق دل سے چاہے کتنی ہی آپؐ کی تعریف و توصیف کرو ان کی تعریف و توصیف کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حضورؐ کے شایان شان تو اللہ تعالیٰ کا طرز بیان ہے۔ ان کی "مدحت خاص" کا تو تقاضا بھی یہی ہے کہ کم سے کم وہی طرز بیان اختیار کیا جائے جو طرز بیان کہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ چونکہ تمہارا طرز بیان وہ نہیں ہو سکتا جو کہ اللہ تعالیٰ کا ہے لہذا تم ان کی مدحت خاص کا حق ادا

نہیں کرسکتے۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

عزیز احسن صاحب نے "نعت اور شعریت" میں فنی لحاظ سے نعتیہ اشعار کا بڑی محنت سے جائزہ لیا ہے اور بجے تلے انداز میں محاسن و معائب پر روشنی ڈالی ہے۔ تنقید کا یہ انداز اب تک دیگر اصناف سخن کو تو اپنی لپیٹ میں لیتا رہا ہے۔ لیکن احتراماً "کسی نے نعت کو نہیں چھیڑا' میں اس بات کا قائل ہوں کہ نعت کو نظریاتی تنقید کا ہدف نہ بنایا جائے' کیونکہ ہمارے شعراء مختلف مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں' اور ہر شاعر اپنے مسلک کے مطابق نعت کہتا ہے۔ مقصد سب کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گل ہائے عقیدت پیش کرنا ہوتا ہے۔ ہاں اشعار میں فنی خامی ہو تو اس کی طرف اشارہ ضرور کیا جائے' یا پھر ایسے اشعار جن میں شاعر نے اپنے تئیں تو حضورؐ کی تعریف کی ہو لیکن جو الفاظ استعمال کئے ہوں۔ ان سے ذم کا پہلو نکلتا ہو تو شاعر کی توجہ ان اشعار کی طرف ضرور دلائی جائے تاکہ وہ اپنے شعروں کی اصلاح کر سکے۔

پروفیسر سحر انصاری صاحب نے "گلبن نعت" پر بہت ہی مختصر تبصرہ کیا ہے۔ بطور نمونہ کلام زینب بی بی محجوب کے دو چار اشعار درج کرکے انہوں نے ہم تشنہ لبوں کی کچھ اور پیاس بھڑکا دی ہے۔ یہ مضمون متقاضی تھا کہ اس میں مختلف انداز کے نعتیہ اشعار شامل کئے جاتے۔

شبیر احمد قادری صاحب کا مضمون "جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ نبوتؐ میں استمداد' استغاثہ و فریاد جامع اور اثر آفریں ہے۔ انہوں نے عنوان سے انصاف کیا ہے اور بطور حوالہ بہت اچھے موزوں اشعار شامل مضمون کئے ہیں۔

شفیق الدین شارق صاحب کے مضمون "عصر حاضر میں نعت نگاری" کا عنوان جس وسعت کا تقاضا کرتا ہے وہ اس مضمون میں نہیں ہے اپنے مضمون میں جن نعت گو شعراء کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے۔ صرف یہی چند شعراء تو دور حاضر کے نعت گو نہیں ہیں۔ اگر شارق صاحب کی نظر سے بہاولپور ڈویژن کے مرحوم شاعر حیات میرٹھی کی تالیف "خیابان عقیدت" گزر چکی ہوتی تو انہیں اندازہ ہو جاتا کہ صرف بہاولپور ڈویژن میں کتنے نعت گو شعراء ہیں' اور ان شعراء میں سے کتنے تو ملک گیر شہرت کے مالک ہیں لیکن اس مضمون میں ان کا نام تک نہیں لیا گیا۔

صبیح رحمانی صاحب کا مضمون "دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری" میرے لئے بہت سے انکشافات لایا ہے۔ بزرگ اور معروف شعرائے کرام کو تو میں جانتا تھا اور ایسے شعرائے کرام کے اسمائے گرامی بھی میرے سامنے تھے جن کا کلام میری نظر سے گزرا تھا۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جن کے بارے میں میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ان کا تعلق کراچی سے ہے۔ ان کے مضمون ہی سے مجھ پر منکشف ہوا کہ وہ کراچی کے باسی ہیں۔ کچھ ایسے نوجوان شعراء کے نام بھی میری نظر سے گزرے ہیں جن کے بارے میں میری

معلومات صفر کے برابر تھیں۔ اس مضمون نے مجھ پر یہ حقیقت آشکار کی کہ ان میں سے کچھ کی تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔ یوں اس مضمون کی وجہ سے اب بہت سے اجنبی چہرے مجھے آشنا لگیں گے لیکن کچھ اجنبیت تو برقرار رہے گی۔ کیونکہ ان کے کلام کے مجموعے میرے پاس نہیں ہیں۔

میں نے سوچا تھا کہ خط میں اختصار سے کام لونگا لیکن یہ خط طویل ہوتا جا رہا ہے۔ میں اسے یہیں ختم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی صاحب اور شبنم رومانی صاحب نے آنکھیں دکھانا شروع کر دیں۔ ان کی آنکھوں کا ہر گوشہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ہمارا گوشہ تو خصوصی گوشہ ہے۔ ہمارے معاملے میں بخل سے کیوں کام لیتے ہو اور اظہار خیال کیوں نہیں کرتے ہو؟ اب انہیں کیسے ناراض کروں۔ ان کی نعتوں پر تبصرے سے پہلے مرتبین سے شکوہ کروں گا کہ اس خصوصی گوشے کی طرف انہوں نے خصوصی توجہ نہیں کی ورنہ کتابت کی اتنی غلطیاں نہ ہوتیں۔ مثلاً "مندرجہ ذیل اشعار کو دیکھئے۔

۱۔ ہے نفس و آفاق میں رونق تیرے دم سے اے صاحب طبل و علم اے سرور کونین
(اسلم فرخی)

اس شعر میں لفظ "انفس" کے الف کی کتابت نہیں ہوئی جس سے شعر وزن سے گر گیا ہے۔

۲۔ فاصلہ کوئی مدینے میں نہیں ہے باقی تھم گئی وقت رفتار مبارک باشد
(اسلم فرخی)

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ "وقت" اور "رفتار" کے درمیان لفظ "کی" ہوگا جو غائب ہے اور یوں شعر بے وزن ہو گیا ہے۔

۳۔ یہی جی میں تھا اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں پڑھا میں نے سلام آخری آہستہ آہستہ
(اسلم فرخی)

اس شعر کے مصرع اولی میں شاعر کا تخلص "اسلم" ہوگا۔ جو کتابت ہونے سے رہ گیا ہے اور یوں یہ مصرع بے وزن ہو گیا ہے۔ اصل مصرع یوں ہوگا۔ ع

یہی جی میں تھا اسلم اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں

اسلم کہ ترے در کا غلام ازلی ہے اے سید والا حشم اے سید کونین
(اسلم فرخی)

مندرجہ بالا شعر کو پڑھ کر احساس میں تشنگی رہ جاتی ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ "کہ" کسی غرض مدعا کا تقاضا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ "کہ" کی بجائے لفظ "تو" ہوتا تو یہ خامی نہ رہتی۔

۴۔ روز اول بیان ہوئے تھے تمام اسم روشن کیا جہاں کو محمدؐ کے نام نے
(اسلم فرخی)

مصرع اولیٰ میں لفظ "اول" کتابت کی غلطی معلوم ہوتا ہے۔ یہ "ازل" ہوگا۔ اگر فرخی صاحب نے "اول" لکھا ہے تو انہیں اس پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔

۵ اک حیات ہے میرے نبیؐ کا نام صحرا میں ایک باغ ہو جیسے کھجور کا

(شبنم رومانی)

پہلے مصرع میں کوئی لفظ کتابت ہونے سے رہ گیا ہے جس کی وجہ سے مصرع وزن سے گر گیا ہے اور شعر بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

۶ ادھر عرش پر مہمان خصوصی ادھر فرش پر میزباں ہیں محمدؐ

(شبنم رومانی)

مصرع اولیٰ میں لفظ "مہمان" کی بجائے "میماں" ہوگا۔ پہلی میم کے بعد "ی" کے دو نقطے کتابت ہونے سے رہ گئے ہیں اس خامی کی وجہ سے شعر وزن سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۷ گریہ جو میں نے صبح و مسا روز و شب کیا آخر مرے حضور نے مجھ سے طلب کیا

(شبنم رومانی)

دوسرے مصرع میں "مجھ سے طلب کیا" مجھے اچھا نہیں لگا۔ حضور نے کیا طلب کیا؟ وہی گریہ جو صبح و مسا کیا گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے مصرع میں کتابت کی کوئی غلطی ہے یا کچھ اور ہے۔

ماہ گیتی، آسماں کا پھول، رحمت کا نزول
جسم تھا صحرا کا لیکن روح صحرائی نہ تھی

(شبنم رومانی)

مندرجہ بالا شعر کا یہ ٹکڑا "جسم تھا صحرا کا" میرے ذوق عقیدت کو بھلا نہیں لگا۔ میں شبنم رومانی صاحب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ میری تفہیم کے لئے وہ اس ٹکڑے کی وضاحت فرما دیں۔ ہو سکتا ہے کہ

---

۱ سہو کتابت ۲ سہو کتابت ۳ سہو کتابت ۴ سہو کتابت ۵ سہو کتابت

۶ سہو کتابت ۷ سہو کتابت شعر یوں ہے۔

گریہ جو میں نے صبح و مسا روز و شب کیا
آخر مرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو طلب کیا

ادارہ آپ کی نشاندھی پر ممنون ہے اور شعراء سے معذرت خواہ (ص ر)

مجھے غلط فہمی ہو رہی ہو۔
ان گوشوں کو اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو یہ کامیاب گوشے ہیں۔ ان گوشوں میں جو نعتیں شامل ہیں۔ ان کے کچھ اشعار پڑھ کر دل کو نور اور روح کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ فنی لحاظ سے ان میں پختگی بھی ہے اور شگفتگی بھی ہے۔ تاثراتی لحاظ سے انھیں پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ نعت میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔
حصہ "مدحت" میں بھی کتابت کی غلطیاں ہیں۔ پروف ریڈنگ پر زیادہ دھیان دیں۔ ورنہ بہت سے شعرائے کرام آپ کو شکایتی خطوط لکھیں گے اور یہ معاملہ آپ کے لئے دردِ سر بن جائے گا۔
"نعت رنگ" میں "حیات مصطفوی" پر کوئی مضمون شامل کر دیا کریں تو دلچسپی میں اضافہ ہوگا۔
اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ خدا کریم آپ کو اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ لاہور

"نعت رنگ" کا تازہ ایڈیشن ملے دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ میں کثرتِ کار اور رمضان المبارک کی مصروفیات کی وجہ سے آپ کے مجلّہ پر نہ ہدیہ تبریک پیش کر سکا۔ نہ اپنے تاثرات حوالہ قلم کر سکا۔ البتہ رمضان کی مبارک راتوں میں "نعت رنگ" کے صفحات پر بکھرے ہوئے گلہائے رنگا رنگ کے مطالعہ سے دل و دماغ کو محظوظ کیا۔ آپ نے سنہری اور دو پہلی سرورق کے خوبصورت مجلّہ کو دیدہ زیب بھی بنایا ہے' اور گراں قدر مضامین سے علمی شاہکار کی حیثیت سے سجا کر اہل نظر کو دعوت مطالعہ دی ہے۔
اگرچہ میں پہلے ایڈیشن کے مطالعہ سے محروم رہا ہوں مگر موجودہ ایڈیشن نے قند مکرر کی بجائے "لطف تازہ" کا حصہ بخشا ہے۔ مجھے حافظ محمد افضل فقیر رحمتہ اللہ کے مضمون "نعت کا مثالی اسلوب نظم" نے بہت کچھ دیا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے قدیم نعت گوئی کے مختلف ادوار کو جس عالمانہ اور محققانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سے بہت سی علمی تحقیقیں سامنے آئی ہیں۔ فقیر مرحوم اردو ادب کے علاوہ عربی اور فارسی پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے نعت کے میدان میں جن قادر الکلام شعراء کے انداز سخن کو سامنے لا کر دل و دماغ کو درخشاں کیا ہے۔ وہ گلبن مصطفوی کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ مجھے اس مضمون کو اس نسبت سے بھی لفظ بلفظ پڑھنا پڑا کہ حافظ محمد افضل فقیر مرحوم ایم اے فارسی میں میرے ہم سبق تھے۔ پنجاب یونیورسٹی اور اورینٹل کالج لاہور کی کلاس روم میں میرے دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے۔ اس طرح مجھے ان کی سرگوشیوں کی لس اب تک محسوس ہوتی ہے۔ میں دینی مدارس میں پڑھ کر اورینٹل کالج تک پہنچا تھا' اور ایم اے میں داخلہ لے کر فقیر کا ہم سبق بنا۔ حافظ محمد افضل فقیر (جو عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے) اسباق سے فارغ ہوتے تو کالج کے صحن میں جا بیٹھتے۔ مجھے اس زمانہ میں جائی'

رومی، حافظ اور سعدی کے اشعار یاد تھے۔ میں انہیں کوئی شعر یاد دلاتا تو افضل فقیر کا چشمہ ذہانت ابل پڑتا۔ پھر ان کی زبان سے نامور سخندانان فارس کے اشعار کے دریا بہہ نکلتے۔ میرے علاوہ ہمارے دوسرے کلاس فیلوز اپنے ذوق کے مطابق فقیر محمد افضل سے اشعار سنتے بعض اوقات کلاس روم میں اپنے اساتذہ کے سامنے فارسی اشعار سنانے کا موقع ملتا۔ تو ہم ان کی زبان کی حلاوت اور یادداشت پر ہدیہ تحسین پیش کیے بغیر نہ رہ سکتے۔ وہ زندگی کے مختلف ادوار میں ملتے رہے۔ تو اپنے علمی خزانوں سے مجھے کچھ نہ کچھ عطا فرماتے۔ ایک دور آیا جب انہیں "بیدل" نے بڑا متاثر کیا وہ اکثر ان کے اشعار سناتے اور ساتھ ساتھ ان کی تشریح کر کے میرے لئے آسانیاں بہم پہنچاتے۔

مجھے ان کا مضمون پڑھ کر ان کے قلم کی روانی، اور بلند پایہ نعت گو شعراء سے تعارف کا جو موقع ملا ہے وہ میرے مطالعہ کا ایک خوشگوار حصہ ہے۔

علامہ رشید وارثی صاحب کا مقالہ "اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف" پڑھ کر ان کی باریک بیں نگاہ تنقید پر داد دینے کو جی چاہا۔ انہوں نے بڑی روشن خیالی سے ایسی لطیف باتیں بیان کی ہیں۔ جن پر واقعی وہ ہدیہ تحسین کے مستحق ہیں۔ بایں تحقیق و خوبی وہ بعض مقامات پر اپنے منطقی اور فلسفی پیرائے سے اہل سخن کو نشانہ تنقید بناتے چلے جاتے ہیں تو بات اٹھانے کو بھی جی چاہتا ہے۔ بعض مقامات پر بات کرنے کو جی چاہتا ہے مگر

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں مری!

ان کی تنقید سے الفاظ و بیان کی پروانہ کرنے والے ارباب سخن کو لکھنے سے پہلے صد بار سوچنے کا موقع ملے گا۔ ورنہ ہم خیابان نعت میں بیٹھے جس سرمستی سے جھومتے چلے جاتے ہیں وہاں ذہن و فکر کی رکاوٹیں بھی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید تحقیق کی توفیق عطا فرمائے ان کی کاوش نے مجھ جیسے بے پروا قاری کو بے حد محظوظ فرمایا ہے۔

عاصی کرنالی صاحب کا کلام پڑھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ وہ مختلف انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مگر آپ نے "نعت رنگ" کے صفحات پر جس انداز میں اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ وہ قابل صد ستائش ہے۔ اگرچہ عروض و قوافی اور اوزان و بحور کا دور بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اور اب یہ تمام پیمانے شعری دنیا میں ایک ایک کر کے ٹوٹ کر قدیم شعری اسکریپ کی منڈی میں چلے گئے ہیں۔ تاہم کرنالی صاحب نے کمپیوٹرز کے اس دور میں مقیاس فکر لے کر جس انداز سے اپنے مقالے کو سنوارا ہے اس سے کم لوگ استفادہ کریں گے۔ مگر علم آخر علم ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے "گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را" کی رسم سخن شناسی اور روایت شعر سنجی کو تازہ کر دیا ہے۔ یہ مضمون میرے حلقہ کے اوزان شناسان سخنوری کو یقیناً پسند آئے گا۔

"دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری" آپ کے کاوش فکر کا نتیجہ ہے آپ نے کراچی کے اکثر نعت نویس اور نعت خواں حضرات سے "ملاقات" کرائی ہے اور ان کے شعری انداز کی مثالیں دے کر اپنے مضمون کو دلکش اور وقیع بنا دیا ہے۔ ماشاء اللہ "نعت رنگ" کے تازہ ایڈیشن میں یوں تو تمام مضامین قابل صد ستائش ہیں اور میں نے اکثر مضامین کو پڑھ کر مضمون نگار حضرات کے زور قلم اور بلند تخیل کے لئے دعائیں کیں۔ مگر آپ نے آخر میں بعض "گوشے" سامنے لا کر ایک نہایت ہی عمدہ کام کیا ہے۔ مجھے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سید آفتاب احمد صاحب نقوی مرحوم کے گوشہ نے بڑا متاثر کیا ہے۔ آپ نے اس آفتاب نعت و عقیدت کو ہدیہ تحسین پیش کر کے بہت عمدہ کام کیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ڈاکٹر آفتاب نقوی مرحوم نے ہی مجھے آپ سے متعارف کرایا تھا غالباً" وہ آپ کے سامنے وہ کلمات نہیں کہنا چاہتے تھے۔ جو انہوں نے آپ کے بعد بیان کئے انہوں نے مجھے تاکید فرمائی کہ "صبیح رحمانی" سے مرکزی مجلس رضا کی مطبوعات کی زبان میں مسلسل رابطہ رکھنا مجھے کیا معلوم کہ ان کی یہ باتیں نصیحت تھیں یا وصیت آپ نے ایک عاشق رسول دوست کو جو

چہ خوش رسے بنا کردند بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کا خطر بنا۔ ہدیہ تحسین پیش کرنے کا اہتمام کر کے مرحوم کی روح کو خوش کر دیا اور ہم ایسے واماندگان محبت کو خوش کام کر دیا ہے فجزاک اللہ خیرا" ہندوستان میں میرے بعض علم دوست اور سخن شناس احباب ہیں جن میں ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ یونیورسٹی' ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی' بریلی شریف' ڈاکٹر وسیم بریلوی اور دوسرے احباب اس نعت رنگ کی ضرورت محسوس کریں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ان کے لیے چند نسخے عنایت کئے جائیں۔ تو انہیں آپ کا یہ مجلّہ مل جائے۔

اشتیاق طالب۔ کراچی

"نعت رنگ" کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ آپ نے جس محنت اور لگن سے تحقیقی' تخلیقی اور تنقیدی مضامین پر مبنی نعت رنگ شائع کیا ہے وہ نہ صرف نعتیہ ادب بلکہ مجموعی طور پر اردو ادب میں بھی ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مختلف ادیبوں' تنقید نگاروں اور مضمون نگاروں نے نعت کے فنی' تخلیقی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کر کے نعتیہ ادب کی اہمیت ہی کو واضح نہیں کیا بلکہ اس کے دامن کو بھی وسیع کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ ان مضامین کے مطالعے سے مجھے تو ایسا لگا کہ "نعت رنگ" تپتی دھوپ میں ایک مہربان سایہ ہے' "جس" میں ایک تازہ ہوا کا جھونکا ہے اور یہ سب آپ کی محنت شاقہ کی بدولت ہوا۔

جوں جوں ہمارے معاشرے میں بہمیت' سفاکی' بے حیائی' بداخلاقی فحاشی اور رقص و سرور کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اردو شاعری میں نعت گوئی کا رجحان بھی ترقی کر رہا ہے۔ موضوع اور تیکنیکی اعتبار سے بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو میں نعت گوئی پر خاصے مضامین لکھے گئے ہیں نمبر بھی شائع ہوئے ہیں' نعت کے فنی پہلوؤں کو اجاگر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی ایسا رسالہ دیکھنے میں نہیں آیا جو صرف اور صرف نعت اور نعتیہ ادب سے متعلق ہو۔ آپ نے اس بیڑہ کو اٹھایا ہے' خدا آپ کی اسی طرح مدد کرتا رہے اور آپ اسی ذوق و شوق سے اس کے خدو خال نکھار کر جذب و کشش پیدا کرتے رہیں۔

میں نے نعت رنگ کے ہر شمارے کا مطالعہ کیا ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ آپ نے ہر شمارے کو مختلف موضوعات پر مبنی مضامین سے سجا کر اس کو اہم بنایا ہے۔ آپ وہ واحد نوجوان شاعر ہیں جنھوں نے نعت کو اپنے لئے منتخب کیا اور اس میں اپنے تخلیقی جوہر دکھائے ہیں اسی باعث آپ اس میدان میں ایسے تمام حضرات کو جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جنھوں نے اپنی محنت و کاوش سے نعت کے فروغ میں اہم خدمات انجام دی ہیں اور خود آپ بھی جس خشوع و خضوع سے محنت کر رہے ہیں۔ رنگا رنگ پھولوں سے اس باغ کو سجانے کی شعوری کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کے ذوق و شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس زمانے میں رسالہ نکالنا کوئی آسان کام نہیں ہے تمام رسالوں کا اجرا ہی مشکل نظر آتا ہے' ایک آپ ہیں کہ ہر مرتبہ نعت رنگ نئی آب و تاب سے جلوہ افروز ہو رہا ہے۔ میری تو یہی دعا ہے "اللہ کرے آپ کا شوق نہ ہو کم"۔

وامق عدنان۔ لندن

راقم کو بچپن سے مذہبی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے۔ اس مرتبہ رمضان المبارک میں چھٹیاں گزارنے کراچی آیا ہوا ہوں۔ میرے دوست فیضان دانش نے نعت رنگ بطور تحفہ عنایت فرمایا ہے۔ سرورق کے ساتھ پرنٹنگ کا معیار بھی اچھا ہے۔ اب تک اپنی چوائس سے حافظ محمد افضل فقیر صاحب کا مضمون "نعت کا مثالی اسلوب نظم" جناب عاصی کرنالی کا مضمون اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات "جناب رشید وارثی کا مضمون" اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف' جناب عزیز احسن کا طویل مضمون جس میں اگرچہ تنقید کا حصہ بہت تھوڑا ہے لیکن بہتر ہے اور محترمہ بلقیس شاہین کی خوبصورت تحریر "محبت کی گواہی" کا مطالعہ کیا ہے۔ تمام مقالہ جات بہت عمدہ ہیں خاص طور پر جناب رشید وارثی کے تحقیقی مضمون کا ناقدانہ انداز بہت اثر انگیز ہے۔ پھر چونکا دینے والے موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ عام طور پر چونکا دینے والی تحریروں کا اثر زیادہ دیرپا نہیں ہوتا۔ میں بھی نارمل انداز

میں مزے لے کر پڑھتا گیا۔ لیکن مضمون کے آخر میں ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی تحریر کا اقتباس پڑھ کر مضمون کا دوبارہ مطالعہ کیا تو کتنے ہی مقامات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا پڑا۔ خدا جانے یہ اس بزرگ کی روحانیت کا اثر ہے یا ٹھوس دلائل کا اعجاز کہ جتنی بار اس تحریر کو پڑھا جاتا ہے۔ اسے دوبارہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محترم مقالہ نگار نے کسی غیبی خوردبین کے سہارے اردو نعت کا مطالعہ کیا ہے۔ ورنہ ان سامنے کی باتوں کو اب تک پردہ اخفا میں رہنے یا اس جانب توجہ نہ کرنے کو بھی ایک المیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ خدا توفیق دے تو یہ بہت اہم باتیں ہیں۔ امید ہے نعت گو شاعر صاحبان ان باتوں پر ضرور توجہ دیں گے۔

ایک تجویز یہ بھی تحریر کردیتا ہوں کہ آپ مضمون لکھنے والوں کے ڈاک کے پتے بھی شائع کریں تاکہ پڑھنے والوں کو ضروری باتوں پر رائٹر سے تبادلہ خیال کی سہولت میسر ہو۔ عام اخبارات تو مضمون یا مراسلہ نگاروں کی حفاظت کے پیش نظر ان کے لیے شائع نہیں کرتے لیکن آپ کے مقالہ نگاروں کے ساتھ تو یہ معاملہ نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ضرور ان کے پتے شائع کریں۔ خدا آپ کو اس عظیم کام کا اجر عطا فرمائے۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

"نعت رنگ" کا دوسرا شمارہ شکیل عادل زادہ صاحب کے پاس دیکھا تھا۔ دوسرے ہی دن برادرم معراج جامی نے اسے مجھے پڑھنے کے لئے لا کر دیا۔

رمضان کے مہینے میں مطالعے کے لیے یہ ایک بہترین کتاب ثابت ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مجھے امید نہ تھی کہ یہ ایک اتنی عمدہ کتاب ہوگی۔

سات مضامین میں چار تو معرکہ آرا کہے جاسکتے ہیں۔ خصوصیت سے عزیز احسن صاحب کے مضمون "نعت اور شعریت" نے بہت متاثر کیا۔ ان کے علم اور مطالعے اور ذوق نے مجھ پر گہرے اثرات ڈالے۔ عزیز احسن کے تنقیدی مضامین میں نے ادبی جریدوں میں پہلے نہیں دیکھے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک سچے اور بہترین ناقد ہیں اور یہ جو ہمارے پاس ڈھیروں دانشور، "پروفیسر" اور ڈاکٹر قسم کے ناقد بھرے ہوئے ہیں ان سے وہ رتبے میں کہیں افضل نظر آئے۔ کچھ ایسا ہی میں نے رشید وارثی صاحب کے مضمون کو پایا۔ کیا ہی عمدہ باتیں لکھی ہیں۔ اور کیا خبر اسی سے انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف برتا اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ اس قسم کی نشاندہی شعرائے کرام کو اتنی بری لگتی ہے کہ ان کے دہانوں سے کف نکلنے لگتا ہے۔

فکر و فن کے عنوان کے تحت دیے گئے جائزے میں مجھے اقبال جاوید کی کاوش بہت اچھی لگی۔ نذیر

تیسری نعتوں سے انہوں نے جو کچھ نقل کیا اس کے پیش نظر اگر میں کیوں کہ یہ شاعر واقعی سچا نعت گو ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس کا ہر شعر شعریت سے معمور تھا اور احترام رسول خدا سے روشن

حرف در حرف نور بکھرا ہے میں سیاہی کے ساتھ کیا لکھوں
میرے زخموں پر بھی رکھ دے اپنے ہاتھ شفاعت والے
ایک ہاتھ پہ سورج رکھا ایک پہ چاند تیری پاؤں کی دھول کے آگے دونوں پڑ گئے ماند

اور یہ شعر

صفحہ شب خالی تھا تیرے ہاتھوں نے حرف ستارہ لکھا اور اچھال دیا

بہر حال آپ کا مرتب کردہ یہ سلسلہ خوب ہی نہیں بہت خوب ہے۔ میں آپ کے انتساب سے بھی بہت محظوظ ہوا ہوں لیکن بوجوہ زیادہ تعریف سے احتراز کر رہا ہوں۔ ورنہ اس شعر سے کون صرف نظر کر سکتا ہے۔

ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا ورنہ ملتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم

میں اتنا زیادہ "مشہور و مخزن" نہیں ہوں کہ ہر ایک سے توقع رکھوں کہ وہ مجھے جانتا ہوگا۔ تاہم آپ حرف و تحریر کی دنیا کے آدمی ہیں ہو سکتا ہے۔ اس حقیر کے نام سے آگاہ ہوں۔ میرے بارے میں کچھ باتیں آپ کو بھائی شکیل عادل زادہ سے معلوم ہو جائیں گی ہم دونوں کا ساتھ کوئی تیس برس کا ہے۔ آپ جیسے نوجوانوں سے ملنے کا بہت شوق رہا ہے۔ ملنا چاہوں گا۔ رابطہ کریں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔

شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

چند روز ہوئے عمران نقوی کی عیادت کے لئے لاہور گیا۔ (جو سڑک کے ایک حادثے میں لیگ پلنگ کروا چکے ہیں)۔ میرا مطلب ہے کہ باقاعدہ فریکچر ہو گیا ہے اور ڈیڑھ دو مہینے سے بستر پر ہیں۔ ارادہ تھا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چوہدری اپنے بھائی جان پروفیسر بشیر احمد قادری (جو گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ اردو میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ایم اے کے لئے ۷۶۔۱۹۷۵ء میں "مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ چکے ہیں) کے ہاں پہنچ جاؤں گا مگر عمران نقوی کی شدت اخلاص آڑے آئی اور رات وہیں گزارنا پڑی۔ صبح اجازت چاہنے کو تھا کہ محترم حفیظ تائب صاحب بھی آ گئے۔ خوب نشست رہی واپسی پر حفیظ تائب صاحب اور میں اکٹھے مینار پاکستان تک آئے۔ عمران نقوی اور حفیظ تائب سے آپ کے "نعت رنگ" اور سب کے صبیح رحمانی کے حوالے سے باتیں ہوتی رہیں۔ ہر کوئی بشمول میرے آپ کے حسن کارکردگی کا مداح ہے۔ میں تو کہوں گا کہ ادھر آفتاب (نقوی) غروب ہوا ادھر ماہتاب (صبیح رحمانی) طلوع ہو گیا خدائی وعدہ یاد آ رہا ہے۔ ورفعنا لک ذکرک

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی صاحب بھی خوش تھے۔ حافظ لدھیانوی بھی نعت رنگ دیکھ کر مسرور تھے اور ریاض مجید صاحب بھی شکریہ ادا کر رہے تھے۔ کوثر علی، قمر عباس قمر، افضال اور انور، حمید شاکر، محمد ثناء اللہ ظہیر غرض جس کسی نے بھی نعت رنگ دیکھا نعت رنگ میں رنگا دکھائی دے رہا ہے۔ حافظ لدھیانوی صاحب ان دنوں علیل ہیں اور بڑھاپے کی کمزوری کے باعث چلنے پھرنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ ان کے لئے دعا کیجئے گا۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔

سیّد سجاد سخن کراچی

"نعت رنگ" دیکھا پڑھا اور دعائیں دیں کہ خدا آپ کو ان کوششوں کا اجر دے اور مزید ولولوں سے نوازے، ابتدائیہ سے شاہنواز مرزا کے مکتوب تک مطالعہ کیا۔ مضامین اور گوشے اچھی پیش رفت ہے۔ کشفی صاحب نے خط کی صورت میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا کہ سچے خدا پرست اور عاشقِ رسولؐ کو ایسے ہی عظیم کردار اور جذبوں کا حامل ہونا چاہئے کیونکہ یہی چیزیں ایک انسان کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔

مضامین میں تقریباً سب ہی قابلِ تعریف ہیں لیکن جناب عاصی کرنالی نے نعت کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے شاعری میں مروجہ بحور و نظام اوزان کے ذریعہ نئے اور پرانے ایسے تمام شعراء کی رہنمائی کی ہے جو شعر تو موزونیٔ طبع سے کہہ لیتے ہیں لیکن بحور سے نابلد ہیں اور یہ ایک اچھی کوشش اور احسن طریقہ ہے۔ محترم رشید وارثی نے عقائد کی روشنی میں نعتیہ شاعری میں احتیاط اور مقامِ رسالت مآبؐ کی جو نشاندہی کی ہے میں اسے تصور نہیں بلکہ اسے ایک دینی دوست کی سچائی کی علامت سمجھتا ہوں کیونکہ اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کی کوتاہی بیان کردے، خدا کرے وہ اسی روش اور خلوص پر ثابت قدم رہیں اسی طرح عزیز احسن صاحب، شفیق الدین شارق صاحب پروفیسر سحر انصاری صاحب بشیر احمد قادری صاحب اور آپ کا مضمون، سب ہی متاثر کر گئے ہیں۔ آخر میں پہلے مضمون نگار حافظ محمد افضل فقیر صاحب کے مضمون پر صرف اتنا کہوں گا کہ

سرورِ کون و مکاں کی رونمائی کے طفیل
حرف کی قسمت پہ مدحت کے دریچے کھل گئے

ارشد اقبال۔ لاہور

آپ کی مرتب کردہ کتاب "نعت رنگ" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت معلومات حاصل ہوئی۔ پروفیسر حفیظ تائب صاحب کی تحریر تو بہت مرتبہ پڑھتا رہتا ہوں۔ حافظ محمد افضل فقیر صاحب کا مضمون بہت اچھا لگا۔

بلکہ سارے ہی مضمون بہت اچھے ہیں۔ لیکن بڑا تعجب ہوا رشید وارثی صاحب کا مضمون پڑھ کر کہ اتنی اتنی بڑی غلطیاں ہونے کے باوجود اب تک ان کو کیوں سامنے نہیں لایا گیا اور ہر کتاب کے تعارف میں جو ادیبوں کی رائے ہوتی ہے وہ صرف تعریف ہی تعریف ہوتی ہے۔ میں نے خود بھی غور کیا تو مضمون میں لکھی ہوئی باتیں ٹھیک معلوم ہوتی ہیں رشید وارثی صاحب کا تعلق کس شہر سے ہے۔ ان کا ایڈریس مجھے بھیج دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کتاب میں شامل مذاکرہ بھی بہت معلوماتی ہے۔ کراچی کے شاعروں کے بارے میں آپ کی تحریر بہت محنت سے لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے' اور لکھنے کا ڈھنگ دل میں گھر کرنے والا ہے۔ کوئی بات غلط لکھ دی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ مجھے پڑھنے کا شوق ہے لیکن لکھنے کی دشواری ہے۔ زیادہ حد آداب' سب گھر والوں کو ادب سے سلام عرض کرتا ہوں۔

مطبوعاتِ دبستانِ وارثیہ

۱- یم تحریک	قمر وارثی (مجموعہ غزل) ۵۰ روپے
۲- حضورِ وارث رح	قمر وارثی (مجموعہ مناقب) ۵۰ روپے
۳- کہف الوریٰ	قمر وارثی (مجموعہ نعت) ۸۰ روپے
۴- رسالت مآب ؐ	نشتر اکبر آبادی (مجموعہ نعت ۶۰ روپے
۵- رنگ روشنی خوشبو	سجاد سخن (مجموعہ نعت) ۱۰۰ روپے
۶- سخن سرائے	حیدر مچھلی شہری (مجموعہ غزل) ۱۲۰ روپے
۷- خوشبو سے آسماں تک	قمر وارثی، اختر لکھنوی (نعتیہ انتخاب ۹۰ روپے
۸- جلوے حیات آراستہ	قمر وارثی (نعتیہ انتخاب) ۱۲۰ روپے
۹- شاخ نہالِ غم	اختر لکھنوی (مجموعہ غزل) ۱۰۰ روپے

دبستانِ وارثیہ

۱۲- ایل ۶ ۳۴۳ اورنگی کراچی

فون ۶۶۵۹۲۸۵

صبیح رحمانی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں نعت گوئی کا قرینہ عطاء ہوا ہے (تابش دہلوی)
صبیح رحمانی کے نعتیہ اشعار میں ایمان و وجدان کی تب و تاب اہل ذوق کی توجہ کا مرکز ہے۔ (محشر بدایونی)
"پہچان" اور کاغذی مکان" دو ایسے نشانات ہیں جو صبیح رحمانی کی حمدیہ و نعتیہ شاعری کو قابل رشک مقام پر فائز کرتے ہیں۔ (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)
صبیح رحمانی نے اپنے سفر کے آغاز ہی میں اپنے نقوش قلم اور نقوش قدم سے اپنی آمد کا اعلان کردیا ہے۔ (ڈاکٹر ابوالخیر کشفی)
جادہ رحمت ہمارے نعتیہ ادب میں ایک جت نما کا اضافہ ہے۔ (حفیظ تائب)
عمر کی جوانی اور فکر کی جوانی یکجا دیکھنی ہو تو صبیح رحمانی اور جادہ رحمت کو دیکھ لیجئے۔ (عاصی کرنالی)
صبیح رحمانی کا اسلوب اعلان کررہا ہے کہ آنے والا وقت اس کے لئے آنکھیں بچھائے ہوئے ہے۔ (مظفر وارثی)
صبیح رحمانی کی نعتیہ نظموں میں جدید تر اسلوب اور عصری حیثیت کے ساتھ سرکار دو عالم کی مدحت کی گئی ہے۔ (احمد ہمدانی)
صبیح رحمانی اپنی خوش الحانی اور اپنی نعت گوئی کے اعتبار سے اپنی "مدینہ سامانی" اور طرفہ بیانی کے آئینے میں میرے لئے کمال حیرانی کا باعث تھا اور رہے گا۔ (صہبا اختر)
یہ ایک ایسے جواں سال شاعر کا کلام وجدانی ہے جو اپنی عمر سے بہت آگے بڑھ کر لب کشا ہے۔ (شبنم رومانی)
صبیح رحمانی کی نعتیں فن کی پختگی' بیان کے وقار اور حفظ مراتب کے شعور کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ (تحسین فراقی)
جادہ رحمت افق شعر پر پھیلے ہوئے دھند لکوں میں پیانہ صبح کی طرح ہے۔ (راجا رشید محمود)
اکیسویں صدی میں تازہ نعت گوئی کے حوالے سے جو لوگ داخل ہوں گے ان میں صبیح رحمانی کا نام اہمیت سے لیا جائے گا۔ (جاذب قریشی)